کیا ہمارا آئین اسلامی ہے؟

آئین پاکستان کا قرآن وحدیث کی روشنی میں تحقیقی جائزہ
اور متبادل اسلامی آئین کا نمونہ

شیخ الحدیث
حضرت مولانا نور الہادی صاحب دامت برکاتہم

کیا ہمارا آئین اسلامی ہے؟

شیخ الحدیث
حضرت مولانا نور الہادی صاحب دامت برکاتہم

کیا ہمارا آئین اسلامی ہے؟

شیخ الحدیث
حضرت مولانا نور الہادی دامت برکاتہم

کیا ہمارا آئین اسلامی ہے؟

آئین پاکستان کا قرآن وحدیث کی روشنی میں تحقیقی جائزہ
اور متبادل اسلامی آئین کا نمونہ

شیخ الحدیث
حضرت مولانا نورالہدیٰ صاحب دامت برکاتہم

نام کتاب: کیا ہمارا آئین اسلامی ہے؟

مولف: شیخ الحدیث مولانا نورالہدیٰ صاحب دامت برکاتہم

تعداد: پانچ سو

تاریخ اشاعت: جون ۲۰۱۱ء

ناشر: مکتبہ ربانیہ

فہرست مضامین

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین.

یہ کتاب دوحصوں پر مشتمل ہے، حصہ اول کے آغاز سے قبل چند امور ذہن میں رکھنے ضروری ہے۔

دورجدید کی مملکتیں اوران کے نظام ہائے حکومت بالعموم کوئی نہ کوئی دستوروآئین رکھتے ہیں خواہ پارلیمانی نظام ہو یا صدارتی، حتی کہ مارشل لاء بھی کہ جس میں بظاہر آئین یااس کی بعض شقیں معطل ہوتی ہیں آئین کو بالکلیہ ختم نہیں کرتا۔

موجودہ دور میں آئین کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے بالخصوص پاکستان میں، بات بات پراس کے حوالے دیئے جاتے ہیں حکومتیں آئین پر عملدرآمد نہ کرنے کے حوالہ سے مطعون کی جاتی ہیں اسے ایک مقدس آسمانی صحیفہ سے زیادہ تقدس دیا جاتا ہے اس کی کسی ایک شق کی خلاف ورزی پر بھی کیا صحافی، کیا سیاستدان، کیا عدلیہ اور کیا پارٹیاں سب ہی بیک زبان چیخ اٹھتے ہیں۔ قرآن کریم کے کئی کئی احکام پاؤں تلے روند دیئے جائیں پرواہ نہیں مگر خبردار جو آئین کی کسی شق کی بھی خلاف ورزی ہو قلم سے لیکر ترازو تک سب حرکت میں آجاتے ہیں ایک شور بپا ہوجاتا ہے۔

دورقدیم کی سلطنتیں اور حکومتیں آئین نامی کسی چیز سے آشنا نہ تھیں سوائے مشہور زمانہ ستمگر چنگیز خان کے کہ جس نے ''یاسق'' نامی آئین تشکیل دیا تھا اس کی اوراس کی اولاد کی حکومت ''آئینی'' ہونے کے باوجود ظلم وستم میں ایک ضرب المثل بن چکی ہے۔ حتی کہ خلفائے راشدین بلکہ بذات خود نبی

کریم ﷺ کی حکومت آئین نامی شی سے نا آشنا رہی۔

ان سے پہلے حضرت سیدنا یوسف، سیدنا داود سیدنا سلیمان اور حضرت طالوت علیہم السلام کی حکومتیں بھی آئین نامی کسی صحیفہ کے وجود سے خالی رہیں، خلافت بنوامیہ و بنوعباس میں بھی آئین کا نام ونشان نہیں ملتا۔

دراصل مسلمانوں نے قرآن کریم اور سنت نبویہ کے بعد کسی آئین کی خلافت ہی محسوس نہ کی۔ اوران تمام حکومتوں میں کبھی عوام کے بنیادی حقوق کو کوئی خطرہ درپیش نہیں ہوا شاذ و نادر واقعات کے علاوہ عوام کی جان مال عزت وآبرو محفوظ رہتے اوران شاذ و نادر واقعات کا بھی فوری نوٹس لیا جاتا انصاف سستا بلا امتیاز، بروقت اور ہر جگہ میسر تھا مگر جب سے دنیا میں آئین نظام حکومت کا جز بنا ہے اگر چہ اسے مملکت اور عوام کے درمیان کیا ہوا عوام کے حقوق کا ایک محافظ معاہدہ سمجھا جاتا ہے مگر ہمیشہ سے اس کی ایک بے جان لاش سے زیادہ کی حیثیت نہیں رہی۔

تاہم رسمی طور ن پر کسی ملک کی حیثیت بتاتا ہے کہ ملک جمہوری ہے، پارلیمانی یا صدارتی وغیرہ وغیرہ۔ مسلم ممالک میں بھی کئی ایسے ہیں جہاں آئین تشکیل دیئے گئے مگر وہ آئین ان کے قومی مزاج سے ہم آہنگ نہ تھے عوام مسلمان مگر ان کے آئین تشکیل کرنے والے اسلام سے لاعلم ہونے کی وجہ سے آئین کے دفعات اسلام سے متصادم ہوتے۔

مثلاً ہمارے ملک پاکستان کی تشکیل کے بعد کئی مرتبہ آئین سازی کا عمل دہرایا گیا مگر کوئی بھی آئین سوفیصد اسلامی احکام کا آئینہ دار نہ بن سکا۔

۱۹۷۳ء کا آئین جس کے بارے میں بہت شوروغوغا رہا کہ یہ واحد متفقہ اسلامی آئین ہے قرآن وسنت سے متصادم تمام قوانین کے خاتمہ کا ضامن ہے۔

مگر جب اس کا باریک بینی سے جائزہ لیا گیا جیسا کہ آپ کے ہاتھوں میں موجود کتاب میں لیا گیا ہے تو اس کی اصل حقیقت واضح ہوئی کہ یہ محض ایک فریب نظر کے سوا کچھ نہیں۔

تعجب تو یہ ہے کہ یہ کفریہ آئین چوٹی کے اکابر علماء کی تصدیق وتصویب سے کیسے بنا؟

یہ آئین ججوں اور وکلاء کے علاوہ سب کی سمجھ سے بالاتر ہے، اگر حضرت مولانا مفتی جسٹس تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اس آئین میں غور وفکر کر لیتے تو اس کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کو طشت ازبام کر سکتے تھے مگر شاید یا تو ان کو مطالعہ کی فرصت نہیں ملی یا پھر ان کا اس طرف خیال نہیں گیا حالانکہ اس آئین سے انکا تعلق بلاواسطہ نہ سہی بالواسطہ گہرا تعلق رہا کیونکہ اسلامی شرعی عدالت میں ایک عرصہ تک جج رہے، اس آئین میں جتنی وزارت اسلام کے حوالہ سے ہیں وہ سب کی سب مکروفریب اور دھوکہ پر مبنی ہیں قارئین میری اس بات پر ہرگز حیران نہ ہوں ان شاء اللہ انہیں اس کتاب کے مطالعہ سے پتہ چل جائیگا۔

حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ ۱۹۷۳ء کے آئین کو بڑے بڑے اکابر وزعماء اوران کی پیروی میں عوام آج تک اسلامی دستور سمجھتے رہے حالانکہ اس کی دفعات اور شقیں نہ تو اسلام کے اصول کے مطابق ہیں نہ احکام ومزاج کے۔ آپ کے ہاتھ میں موجود یہ کتاب امت مسلمہ کے لئے ایک الہامی تحفہ سے کم نہیں۔

کتاب کی ترتیب میں انتہائی احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔

اگر کسی چیز کا رد ہے تو دلائل قاہرہ اور حجج باہرہ سے، جن سے موجودہ آئین کا اصلی چہرہ اور حقیقی ماہیت دنیا کے سامنے عیاں ہوجاتی ہے اور ہمارے حکمرانوں، قانون سازوں، سیاستدانوں، اور بیشتر اسمبلی ممبران کا قوم کو اس آئین کے اسلامی دستور باور کرانے کی حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے۔

رب ذوالجلال سے دعا ہے کہ اس کتاب کو ہم پوری امت کے لئے نافع اور باعث شعور، اور ہم سب کے لئے ذریعہ اور وسیلہ رضائے الٰہی بنائے۔

شمس الہدیٰ جہاراخیل

۲۷ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

2011.3.3ء

حرف آغاز

پاکستان اور پاکستان کے آئین کے متعلق کروڑوں اہل وطن کی خوش فہمی ، اور اس کے اسلامی ہونے کے یقین ہونے کی وجوہات:۔

(۱) ہماری دینی و مذہبی، سیاسی جماعتوں کے قائدین کا اس کو اسلامی آئین کہنا، اسی لئے اس کو اسلامی بنانے کے لئے کوئی جماعت تحریک نہیں چلاتی۔

(۲) یہی جماعتیں اس آئین کا تحفظ بھی کرتی ہیں، مثلاً ہمارے مذہبی قائدین فرمایا کرتے ہیں کہ حکومت یا کسی اور کا یہ اقدام آئین کے خلاف ہے، ہم ایسا نہیں کرنے دینگے، ملکی آئین کی حفاظت ہمارا فرض ہے۔

(۳) عوام کا یہ خیال، کہ ملکی نظام اس آئین کے مطابق چل رہا ہے اور صحیح چل رہا ہے، اور اس میں جو خرابیاں ہیں وہ ان کو نظر نہیں آتی جہالت یا پھر معاشی اور دیگر گوناگوں الجھنوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے۔

(۴) اہل علم کی غفلت ولا پرواہی کی وجہ سے یہ حضرات نہ اس آئین کا مطالعہ کرتے ہیں، اور نہ ہی اس میں غور و حوض۔

(۵) اس ملک اور اس کے آئین کے اسلامی بنانے میں سب سے بڑی رکاوٹ بیرونی کفریہ قوتیں ہیں، اور ہمارے حکمران اور سیاست دان سب کے سب ان کفریہ بیرونی طاقتوں کے سامنے جھکنے اور بکنے کو نہ عیب سمجھتے ہیں اور نہ ہی بے غیرتی، ہماری دینی مذہبی سیاسی جماعتوں کا چونسٹھ سال سے ایک ہی تحریکی ناکام طریقہ کار ہے جس کی چند صورتیں ہیں:۔

(۱) اپنے اپنے اجلاسوں میں قرارداد پاس کروانا (۲) پریس کانفرنسیں کرنا

(۳) انٹرویو دینا (۴) مظاہرہ کرنا (۵) احتجاجی جلوس نکالنا (۶) احتجاجی جلسے کرنا (۷) دھرنا دینا (۸) لانگ مارچ (۹) ہڑتالیں کروانا (۱۰) سوشل بائیکاٹ کرنا (۱۱) استقبالیہ، دعوتیں، افطار پارٹیاں، عید ملن پارٹیاں، عشائیہ، ظہرانہ وغیرہ، یہ سب طریقہ اغیار سے لئے گئے ہیں۔

اس ناکام طریقہ کار کے ذریعہ یہ جماعتیں تو آئین پاکستان کو اسلامی آئین بنانے میں کامیاب نہیں ہوسکی تو اس ملک کو اسلامی مملکت بنانا اور اس میں اسلامی نظام قائم و نافذ کرنا تو ممکن ہی نہیں ہے۔ (ایں خیال است محال است جنون)۔

ان قائدین کی خدمت میں اگر کوئی یہ گذارش کرے کہ یہ طریقہ ناکام ہے کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہئے اس آئین کو اسلامی آئین بنانے کے لئے اور اس ملک کو اسلامی مملکت بنانے کے لئے اور اس میں اسلامی نظام قائم و نافذ کرنے کے لئے تو ان جماعتوں کے قائدین جواباً فرماتے ہیں کہ ہماری جدوجہد پرامن ہے اور اس کا یہی طریقہ ہے ہمارے قائدین چونسٹھ سالہ ناکامی کا تجربہ نظرانداز فرما دیتے ہیں، مندرجہ ذیل چند سطور میں ہم یہ عرض کریں گے کہ اسلام اور اسلامیات کا نظام کبھی بھی پرامن طریقہ سے قائم ہوا اور نہ نافذ، بلکہ تجربہ شاہد ہے کہ کفر اور کفریات کا نظام پرامن طریقہ سے قائم و نافذ ہوسکتا ہے اس کی دلیل کے طور پہ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ حافظ محمد احمد صاحب کا ایک مضمون کچھ اختصار کے ساتھ ناظرین کے سامنے پیش کیا جائے اور وہ یہ ہے:۔

حافظ صاحب فرماتے ہے کہ مغربی تہذیب سب سے پہلے نگاہ پر حملہ آور ہوتی ہے نگاہ آوارہ ہوجائے تو انسان جنسی آورگی میں مبتلا ہوکر شرف انسانیت سے گر جاتا ہے اور حیوانوں سے بھی بدتر ہوجاتا ہے مغربی تہذیب جو کہ آزادی کے نام پر ذہنی آوارگی جنعی آوارگی پر منتج ہوتی ہے مغرب جس رنگ میں خود رنگا ہوا ہے عالم اسلام کو اسی رنگ میں رنگنا اس نے اپنا فریضہ ٹھہرالیا ہے وہ جانتا ہے کہ اپنی
• سازشوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے مسلمانوں کو سب سے پہلے ایمان سے محروم کرنا ضروری ہے، ایمان سے محرومی کی سب سے پہلی سیڑہی نگاہ کی ناپاکی ہے، نگاہ ناپاک ہوجائے تو اگلے مرحلے آسان ہوجاتے ہیں۔

یہ ہے مغرب کی اخلاقی معراج اور ظاہر ہے کہ مسلم معاشروں کو بھی اسی رنگ میں رنگنا چاہتا ہے، ہم جس چیز کو فحاشی، عریانی، زنا سے تعبیر کرتے ہیں اسے جدید دور کی زبان میں ثقافت اور کلچر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مغرب کے مادر پدر آزاد کلچر کو فروغ دینے اور معاشرے کو جنس زدہ بنانے میں مندرجہ ذیل ذرائع قابل ذکر ہیں۔

(۱) ریڈیو (۲) ٹی وی، کیبل، چینلز (۳) اخبار ، رسائل ، ڈائجسٹ (۴) سیکس سے بھرپور کتابیں، ناول، افسانے (۵) ننگی تصویروں پر مبنی اشتہارات ، سائن بورڈز (۶) موبائیل فون ، مختلف موبائیل کمپنیوں کے سستے پیکج (۷) ٹی وی ڈرامے، اور اسٹیج ڈرامے (۸) نغمہ یعنی گانے (۹) فلم (۱۰) سیکولر تعلیم، مخلوط تعلیم، مخلوط تعلیمی ادارے (۱۱) انٹرنیٹ، کمپیوٹر۔

یہ تمام ایسے ذرائع ہیں جن سے ہمارے معاشرے کے ہر فرد کا کسی نہ کسی طور سے واسطہ پڑتا ہے، آپ راہ چل رہے ہیں اچانک ایک بے ہودہ سائن بورڈ آپ کی نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے، آپ نگاہیں پھیر لیتے ہیں مگر تھوڑا آگے چلتے ہیں تو ایک اور سائن بورڈ پہلے سے زیادہ فحش تصویر کے ساتھ آموجود ہوتا ہے، ذرا آگے چلتے ہیں تو ویسا ہی منظر ہوتا ہے اس طرح دن میں دسیوں مرتبہ ایسے مناظر سامنے آتے ہیں اور کہیں نہ کہیں آپ نظر بھر کر ان تصویروں کو ضرور دیکھ لیتے ہیں۔ یہی موقعہ ہوتا ہے جب شیطان کو اپنا کام دکھانے کا موقعہ مل جاتا ہے۔

فی زمانہ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ سب سے بدترین آلات ہیں ۔ جو انسان کو اپنے جال میں پھنسائے بغیر نہیں رہتے۔ بڑے بڑے پارساؤں کو اس حمام میں ننگا دیکھا گیا ہے اس لئے کہ یہ بظاہر سب سے محفوظ آلہ ہے جو انسان کی دسترس میں ہوتا ہے اور اکثر اوقات کوئی دوسرا دیکھنے والا نہیں ہوتا، ایسے میں شیطان اکساتا ہے اور انٹرنیٹ کے سمندر میں موجود فحش سائیٹس کھولنے پر مجبور کرتا ہے یہی سے تباہی کا آغاز ہوتا ہے اس لئے کہ ان سائیٹس پر انسان وہ سب کچھ بہت آسانی سے دیکھ لیتا ہے جس کا وہ ایک پاکیزہ معاشرے میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا، اور نہ ہی اس کا دین واخلاق اس کی اجازت

دیتے ہیں ۔ مغرب کی طرف سے مدارس دینیہ میں کمپیوٹر کی تعلیم عام کرنے کا دباؤ اور واویلا اسی لئے بہت زیادہ رہتا ہے کہ وہ جانتا ہے۔ اس ذریعہ سے امت کے صالح طبقے کو پھسلانا نہایت آسان ہے، آپ جانتے ہیں کہ دل اور نگاہ ناپاک ہوجائیں تو علوم نبوت کی ترسیل قلوب تک ناممکن ہوجاتی ہے۔

انسان الفاظ تو پڑھ لیتا ہے لیکن علوم نبوت کی حقیقت دل میں نہیں اترتی ۔ کاش کہ وفاق المدارس العربیہ کے ارباب اختیار اس حقیقت کو جان لیں اور مدارس کو کمپیوٹر زدہ کرنے کے بجائے کمپیوٹروں سے پاک کرنے کی سعی فرمائیں۔

مسلم معاشرے کو فحاشی وعریانی میں مبتلا کرنے کے مختلف ذرائع ان کے علاوہ اور بھی ہیں مثلاً:۔

(۱) بیوٹی پارلرز۔

ذرائع ابلاغ نے ہر عورت کے ذہن میں بٹھادیا ہے کہ وہ بھدی ہے کالی ہے جب تک بیوٹی پارلر کا رخ نہیں کرے گی وہ قبول صورت نہیں ہوسکتی خوبصورتی کا اتنا پروپیگنڈہ کیا گیا کہ آج بڑے بڑے دینی گھرانوں کی عورتیں بھی بیوٹی پارلرز کا رخ کرتی نظر آتی ہیں۔ بظاہر بیوٹی پارلرز خوبصورتی آرائش وزیبائش کے مرکز ہیں، مگر درپردہ زنا کے اڈے ہیں۔ اکثر بڑے نامور بیوٹی پارلرز میں مرد ورکر ہوتے ہیں جن کے مضبوط ہاتھوں کے ذریعے عورتیں فیشل، فیس مساج، باڈی مساج کے عمل سے گذرتی ہیں۔ ان پارلرز میں ایسی کاسمیٹکس استعمال کی جاتی ہیں جو حرام لعینہ کے درجے میں ہوتی ہیں۔ بیوٹی پارلرز مسلمان عورتوں کو غیر معمولی طور پر متاثر کررہے ہیں اور انہیں اسلام سے بیگانہ کررہے ہیں۔

(۲) ملبوسات کلچر:۔

معاشرے کو جنسی بنانے کا ایک نہایت مؤثر اور اہم ذریعہ ملبوسات ہیں۔ لباس انسان کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ حیاووقار اس سے وابستہ ہے لیکن مسلمان عورتوں کو ایمان سے محروم کرنے اور مردوں کا مرکز نگاہ بنانے کے لئے اس ذریعے سے زوردار کوششوں کا آغاز بچپن سے ہی کردیا جاتا ہے۔ چھوٹی معصوم بچیوں سے لے کر دس گیارہ سال کی بچیوں کے ریڈی میڈ ملبوسات ایسے ہوتے ہیں

جوشریف انسان کی نگاہیں جھکادینے کے لئے کافی ہوتے ہیں، اس سلسلے میں مختلف تقریبات منعقد کی جاتی ہیں۔ فیشن شوز منعقد کئے جاتے ہیں، جہاں نیم عریاں نوجوان عورتیں بے ہنگم لباس پہن کر مردوزن کے سامنے کیٹ واک (بلی کی چال) کرتی ہیں۔ بعد میں ان کی تصاویر اخبارات اور رسائل وجرائد میں شائع کی جاتی ہیں۔

(۳) کلچرل شوز کاانعقاد:۔

مردوزن کو آپس کے کھلے اختلاط کا موقع فراہم کرنے کے لئے کلچرل شوز بھی منعقد کئے جاتے ہیں جہاں ڈرامے، گانے، فحش لطائف پرمبنی پیش کئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کلچرل شوز میں نوآموز لڑکے لڑکیوں کو بھی دعوت دی جاتی ہے، تاکہ وہ اپنی بے باکی کا مظاہرہ کرسکیں۔ اس طرح کے پروگراموں میں ہرلڑکے لڑکی کو اجازت ہوتی ہے کہ وہ حصہ لے سکے۔ اس طرح کے پروگراموں کے انعقاد کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نوجوان طبقہ گناہ کے احساس سے عاری ہوجائے، اور حرام امور کو اپنی زندگی کا لازمی حصہ سمجھ کر قبول کرلے۔

(۴) جنسی تعلیم:۔

مسلم معاشرے کو بے راہ روکرنے اور اسے دین واخلاق اور حیاء وشرم سے بے گانہ کرنے کا ایک طریقہ جنسی تعلیم کا بھی ہے، پاکستان کے بڑے شہروں کے بعض نجی تعلیمی اداروں میں اس کا آغاز کیاجاچکا ہے، اس تعلیم کا مقصد کسی خیر کی اشاعت نہیں بلکہ مخلوط تعلیمی نظام میں لڑکے لڑکی کا تعلق قائم ہوجاتا ہے، اور بسااوقات اپنی ناتجربہ کاری کے باعث والدین کی بدنامی کا سبب بنتے ہیں، اس کے سدباب کے لئے انہیں محفوظ جنسی تعلقات کے طریقے بتائے جاتے ہیں۔

(۵) شراب خانے:۔

شراب ام الخبائث ہے، مسلمانوں کا اونچا طبقہ جس کا حکمرانوں اور سرمایہ داروں سے تعلق ہوتا ہے، تقریباً اس کا رسیا ہے لیکن عوامی سطح پر، پہلے اس سلسلے میں سرگرمی نہیں تھی، عیسائی بستیوں میں

اکادکا شراب خانے ہوتے تھے، لیکن اب مڈل کلاس محلوں میں بھی شراب خانے کھل رہے ہیں۔

(۶) موبائیل فون کا کلچر:۔

جب سے موبائیل فون آیا ہے شیطانی قوتوں کو مسلم معاشرے میں نقب لگانے کا آسان موقعہ فراہم ہوا ہے، اس موبائیل فون نے کتنے ہی گھرانوں کو اجاڑ دیا ہے اور یہ کتنی ہی پاک دامن بھولی بھالی بچیوں کی عصمت کو تارتار کرچکا ہے، موبائیل کمپنیوں کے لیٹ نائٹ پیکجز اس سلسلے میں نہایت مہلک ثابت ہوئے ہیں۔ اس کے بھیانک نتائج کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ایک مرتبہ پنجاب اسمبلی کی ایک خاتون رکن اسمبلی نے موبائیل کمپنیوں کے سستے پیکجز کے نتائج پر گفتگو کرتے ہوئے سرکاری سطح پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا، موبائیل فون نے بدمعاش اور شیطان صفت لوگوں کو نہایت شریف گھرانوں کی بچیوں تک رسائی کا آسان موقعہ فراہم کیا ہے، موبائیل فون پر جب کوئی درندہ بھولی بھالی بچی کو سہانے خواب دکھا کر ورغلاتا ہے، تو اسے اپنے ہدف تک پہنچنے میں دیر نہیں لگتی۔

(۷) ٹی وی کیا پیش کرتا ہے؟

پچھلی سطور میں جتنے بھی امور ذکر کئے گئے، ان سب کا استاذ اگر ٹی وی کو کہا جائے تو بے جانہ ہوگا بلکہ جس طرح شراب ام الخبائث ہے اسی طرح ٹی وی ابوالمعاصی ہے، ٹی وی انسان کے اخلاق وکردار کو بگاڑنے اور جنسی بے راہ روی میں مبتلا کرنے میں اہم کردار ادا کررہا ہے، ٹی وی پر فحش ڈرامے، گانے بجانے کے پروگرام، ٹی وی پر آنے والے ٹاک شوز، مباحثے، کیسے رذیل مخلوق کا نمونہ پیش کرتے ہیں، ٹی وی کی اسکرین پر آنے والی مختصر لباس میں عریاں عورتیں، ڈراموں میں ذومعنی جملے فحش لطائف، گندے اور گھٹیا کردار، نوجوان نسل کو تباہ کررہے ہیں، مختلف ٹاک شوز میں ہونے والے بحث ومباحثے نے تہذیب واخلاق کا جنازہ نکال دیا ہے، بعض اینکر پرسن دین ومذہب کے بارے میں ایسے سوالات اٹھائے ہیں جن کا مقصد سوائے ناظرین کے دلوں میں شکوک وشبہات پھیلانے اور انہیں ارتداد کی طرف مائل کرنے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

ریڈیو نے معاشرے کو کیا دیا؟

جب ٹی وی نہیں تھا یا ٹی وی عام نہیں ہوا تھا، تو ریڈیو نہایت قیمتی آلہ شمار کیا جاتا تھا، ریڈیو کو باطل قوتوں نے اپنے پروپیگنڈے کے لئے خوب استعمال کیا، ریڈیو کے ذریعے خبریں معلوم کرنا ایک جزوی فائدہ ہے، لیکن چوبیس گھنٹے کے دورانیہ کا جائزہ لیا جائے۔

تو ریڈیو فحاشی پھیلانے کا ایک زبردست آلہ ہے، پچھلے کئی سالوں سے ایف ایم ریڈیو چینلز نے معاشرے کو تباہ کرنے میں جو کردار ادا کیا ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں، بعض ریڈیو چینلز اسلامی پروگراموں کا تڑکا لگا کر اپنے آپ کو اسلام پسند کہلانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں مگر دن بھر کے شیڈول میں گانوں کا تناسب زیادہ ہوتا ہے فون کالرز جن میں زیادہ تر لڑکیاں ہوتی ہیں اور ریڈیو میزبان سے جس قسم کی گپ شپ کرتی ہیں اسے محض سننے کے لئے حوصلہ چاہئے، خصوصاً لیٹ نائٹ گفتگو میں تو اخلاق وشرم کی تمام حدیں پار کردی جاتی ہیں، اور محسوس ہوتا ہے کہ شیطان ننگا ناچ رہا ہے۔

مذکورہ بالا کفر وکفریات اور گمراہیاں نہایت ہی امن وسکون کے ساتھ بلا کسی مزاحمت وتصادم کے دنیا کے ہر شخص کے دل ودماغ تک پہنچائے گئے اور ان کفریات اور گمراہیوں کے ذرائع ووسائل کے ایجاد واشاعت میں کسی قسم کی رکاوٹ پیش نہیں آئی لیکن کسی ملک میں اسلامی نظام کا قیام ونفاذ مذکورہ بالا اور پرامن طریقہ سے ناممکن ہے، جس کا چونسٹھ سالہ طویل المدت تجربہ شاہد عدل ہے البتہ اس کے لئے دو شرائط ہیں ان کو ملحوظ رکھ کر کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔

(۱) یہ جماعتیں اپنا جمہوری پرامن طریقہ تبدیل کر کے اپنے اساسی اور بنیادی مقاصد کے لئے تحریک شروع کردیں۔

(۲) ادنیٰ کارکن سے لیکر مرکزی قیادت تک اخلاص کے ساتھ اسلامی نظام کے قیام ونفاذ اور اس ملک کو اسلامی مملکت بنانے اور اس ملک کے آئین کو اسلامی آئین بنانے کی تحریک عبادت سمجھ کر شروع کردیں، آج تک دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ سیاسی جماعتوں کے کارکن آپس میں گروپ بندی اختلافات اور بغض وحسد اور کینہ میں مبتلا ہوکر ایک دوسرے کی غیبت ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈے اور دیگر ناگفتہ بہ حالات میں مبتلا اور مصروف رہتے ہیں یہ اختلافات کبھی عہدوں کی وجہ

سے کبھی چندوں کی بنیاد پر کبھی مرکزی قیادت سے تعلقات اور کبھی بیرونی شہرت کی وجوہات پر ہوتے ہیں، اگر یہ کارکن ان تحریکات کو دینی تحریک اور اسلامی نظام کے قیام ونفاذ کی نیت سے عبادت سمجھ کر چلاتے تو ان میں یہ جھگڑے اور ریاکاری ومکاری اور ملمعہ سازیاں نہ ہوتی اور نہ تصویر کشی کے خواہش مند ہوتے مذکورہ بالا طریقہ سے اس ناکام طریقہ کار کا ایک نقصان یہ ہے کہ ان کے کارکن وقائدین اپنی جیب سے یا لوگوں سے چندہ جمع کر کے ان چونسٹھ سالوں میں اربوں روپے ضائع کرچکے ہیں لیکن فائدہ صفر ہے، کیا ان رقومات کے متعلق اللہ جل شانہ قیامت میں سوال نہیں فرمائینگے؟ ضرور!

۱۹۷۳ء کے آئین کے مطالعہ سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کو مکمل سمجھنا صرف جج حضرات اور اعلیٰ عدالتوں کے چوٹی کے وکلاء کا ہی کام ہے لیکن ان کا مطالعہ آئین کی دفعات کی روشنی میں کیسوں اور مقدمات کے فیصلوں تک محدود رہتا ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں اور احکام شرعیہ کے ساتھ موازنہ اور یہ فیصلہ کرنا کہ یہ آئین اسلامی ہے یا نہیں؟ یہ ان حضرات کی بس میں نہیں ہے اور نہ ہی ان کے فرض منصبی میں شامل ہے، بلکہ یہ کام دینی جماعتوں کے قائدین اور اس ملک کے جید علماء کا ہی کام ہے، ان کو چاہئے کہ قرآن وحدیث کے ساتھ اس آئین کا موازنہ اور اس کی تطبیق، نصوص کے ساتھ کر کے فیصلہ فرمائیں کہ یہ آئین اسلامی ہے یا غیر اسلامی!۔

اس آئین کے اسلامی ہونے نہ ہونے کی تحقیق پاکستان کے ایک عالم دین مشہور محقق تقی عثمانی مدظلہ العالی کا کام تھا اور وہ اس کی خوب تحقیق کرسکتے تھے اور ان کا واسطہ بھی اس آئین سے کچھ نہ کچھ تھا، کیونکہ وہ اسلامی شرعی عدالت کے چیف جسٹس کافی عرصہ تک رہ چکے ہے، لیکن پتہ نہیں انہوں نے اس آئین پر غور کیوں نہیں کیا، یا تو اس لئے کہ وہ عدیم الفرصت تھے اور یا اس طرف انہوں نے توجہ نہیں فرمائی۔ واللہ اعلم، ان کے علاوہ کوئی اور ایسا شخص ہمارے علم میں نہیں ہے کہ پاکستان کے آئین کو صحیح سمجھ سکے اور اس کے اسلامی اور غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرسکے۔

اب اخیر میں ہم اپنے مذہبی جماعتوں کے قائدین وعمائدین کی خدمت میں نہایت ہی عاجزانہ گذارش کرتے ہیں کہ سرزمین پاکستان جس کو قریباً چونسٹھ سال ہوچکے ہیں لاکھوں مسلمانوں کی

قربانیوں کے عوض حاصل کیا گیا تھا کہ اسے اسلام کا قلعہ بنایا جائیگا لیکن آج تک نہ صرف اسلام اور نظام خلافت کے قیام اور نفاذ شریعت سے محروم ہے بلکہ دین اسلام اور نفاذ شریعت کے خلاف برسرپیکار ہے آج پوری ریاست پاکستان مجاہدین عالم کے خلاف طاغوت اکبر امریکہ کی فرنٹ لائن اتحادی ہے۔ وہ چیز جس کو آج اسلامی تشخص کا نام دیا جارہا ہے سوائے مکروفریب کے اور کچھ نہیں وہ ریاست جس کو واحد اسلامی ریاست کہا جاتا ہے، ان ہی بنیادوں پر قائم ہے جو مغربی تصور ریاست کی فراہم کردہ ہیں، اور اس کا دستور خود اسلام سے متصادم اور نفاذ شریعت کی راہ میں حائل ہے، ہمارے قائدین اور اس ملک کے بسنے والے علماء بالخصوص اپنا طریقہ کار تبدیل کر کے اس آئین کو اسلامی بنانے اور اس ملک میں نظام خلافت اور اسلامی نظام قائم کرنے کے لئے متحد ہو کر کوشش شروع کردے تو کامیابی سو فیصد ممکن ہے ،اللہ آپ کا دنیا و آخرت میں حامی و ناصر ہو۔

اب میں اس کتاب کے متعلق دو، چار گذارشات پیش کرنا چاہوں گا:۔

(۱) یہ کتاب ڈاکٹر ایمن الظواہری حفظہ اللہ اور مسجد نبوی کے اور جامعہ اسلامیہ کے مدرس اور مشہور مفسر ابوبکر جابر الجزائری کی تحقیقات پر مبنی ہیں،

(۲) بندہ نے ان ہی حضرات کی تحقیقات کی روشنی میں الدستور الاسلامی کے نام سے ایک آئینی کتاب مرتب کی ہے، یہ کتاب عربی میں ہے، لیکن دستور پاکستان پر تنقیدی جائزہ کے بعد اس کا اردو ترجمہ شامل کیا گیا ہے، ترجمہ میں کچھ غلطیاں اور کچھ عبارات کا سقم یقیناً نظر آئیگا لیکن اصل مقصد کو مدنظر رکھنا چاہئے نہ کہ اس کے الفاظ اور عبارات کو۔

(۳) اس آئینی کتاب کے متعلق بندہ کا دعوی یہ نہیں ہے کہ یہ مکمل اسلامی آئین ہے لیکن اس کے اندر جتنی دفعات درج کئے گئے ہے الحمدللہ وہ سب کے سب دفعات اسلامی ہیں اور اسلامی آئین مرتب کرنے والوں کے لئے ایک نمونہ ضرور ہیں۔

(۴) یہ تنقیدی کتاب ایک مقدمہ تین ابواب اور اختتامیہ پر مشتمل ہیں اور اس کتاب کے تمام مصادر و مراجع بھی ساتھ ساتھ درج کئے گئے ہیں تا کہ اس کتاب کے مطالعہ کرنے والوں کے لئے

آسانی ہو، اور کتاب مستند ہو جائیں، وللہ الحمد۔

تنبیہ

ہماری اس تحریر و تحقیق کا تعلق صرف ان دفعات سے ہے جن کا تعلق احکام قضائیہ اور قانون سے ہے ، باقی رہی وہ دفعات جن کا تعلق انتظامی امور مملکت سے ہے، ان کی طرف نہ ہم نے کوئی تعارض کیا اور نہ اس کی ضرورت ہے، کیونکہ وہ تو ہمیشہ بدلتی رہتی ہے، ترمیمات کے ذریعہ سے موقعہ اور محل اور حالات کے تقاضوں کے پیش نظر۔

اللّٰهم أرنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه وأرنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه اللّٰهم أرنا الأشياء كما هي!

آغاز مقصد

اب ہم مشہور محقق قائد مجاہدین شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ کی کتاب ''سپیدۂ سحر اور ٹمٹماتا چراغ'' کی مکمل عبارت اقتباساً ناظرین کے سامنے پیش کر رہے ہیں:۔

مسئلہ محض حکمران طبقے کا ہے.......... یا دستور اور ریاست بھی غیر اسلامی ہے؟

اس مطالعے کے نتیجے میں مجھے اپنے مذکورہ بالا سوالوں کا جواب بھی مل گیا۔ میں پوری بصیرت کے ساتھ اس نتیجے پر پہنچا کہ پاکستان ایک غیر اسلامی مملکت ہے اور اس کا دستور بھی غیر اسلامی ہے، بلکہ اسلامی شریعت کے ساتھ کئی اساسی اور خطرناک تناقضات پر مبنی ہے۔ نیز مجھ پر یہ بھی واضح ہوا کہ پاکستانی دستور بھی اسی مغربی ذہنیت کی پیداوار ہے جو عوام کی حکمرانی اور عوام کے حق قانون سازی کے نظریے پر یقین رکھتی ہے، اور بلاشبہ یہ نظریہ اسلام کے عطا کردہ عقیدے سے صراحتاً متصادم ہے۔

''قومی ریاست'' کا مغربی تصور

مغرب کا سیاسی نظام ''وطنی و قومی ریاست'' (nation-state) کے نظریے پر قائم ہے،

اوراس نظریئے پر قائم ہونے والی ریاست کی تمام تر دوڑ دھوپ کامحور اپنے وطن میں بسنے والی قوم کے مفادات کاتحفظ اوراس کے لیے زیادہ سے زیادہ دنیاوی فوائد ومنافع کاحصول ہوتا ہے۔ یہ وطنی ریاست عوامی اکثریت کی رائے کے سواکسی اصول وعقیدے اوراخلاق واقدار کی پابندنہیں ہوتی، چیزوں کوحلال وحرام قرار دینے سمیت ہرقسم کی قانون سازی کثرت رائے کی بنیاد پر کرتی ہے اور وطنیت کو ہی معیار بناتے ہوئے انسانوں میں تفریق روارکھتی ہے۔

''خلافت'' کا اسلامی تصوراوراس کی بنیادیں

مغرب کاعطا کردہ یہ سیاسی نظام اسلام کے سیاسی نظام سے یکسر مختلف اوراصولی اعتبار سے اس سے متصادم ہے۔ اسلام کاعطا کردہ نظام خلافت جن عقائد وتصورات پر کھڑا ہوتا ہے ان کا ایک مختصر ساتذکرہ ذیل کی سطور میں کیاجارہاہے:

۱)عقیدہ توحید

اسلام کاعطا کردہ نظام حکمرانی توحید کے الہامی عقیدے پرمبنی ہےارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ولقد بعثنا فی كل أمة رسولا أن اعبدوا اللّٰه واجتنبوا الطاغوت فمنهم من هدى اللّٰه ومنهم من حقت عليه الضللة فسيروا فى الأرض فانظروا كيف كان عاقبة المكذبين﴾ [النحل : ۳٦] .

''اور ہم نے ہرامت میں ایک پیغمبر بھیجا (اس پیغام کے ساتھ) کہ اللہ کی عبادت کرواور طاغوت سے اجتناب کرو۔ پس ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہوگئی۔ سوزمین پر چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیساانجام ہوا''۔

۲)غیراللہ کی بندگی سے آزادی

اسلام کاعطا کردہ نظام تو اس اصول پر قائم ہے کہ انسان کوانسانوں کی غلامی وبندگی، بلکہ اللہ

کے سواہرہستی کی غلامی سے آزادکرایاجائے۔قرآن نے ہودعلیہ السلام کاتذکرہ ان الفاظ میں کیاہے:

﴿قال انی أشهد اللّٰه واشهدوا أنی برىء مما تشركون . من دونه فكيدونى جميعا ثم لا تنظرون . انی توكلت على اللّٰه ربى وربكم ما من دابة الا هو اخذ بناصيتها ان ربى على صراط مستقيم﴾ [هود: ۵۴ . ۵٦] .

''ہودعلیہ السلام نے کہا: میں اللہ کوگواہ بناتا ہوں اورتم بھی گواہ رہو کہ میں ان سب سے بیزار ہوں جنہیں تم اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو۔ پس تم سب مل کر میرے خلاف تدابیر کرلو اور مجھے ذرا مہلت نہ دو، میں تو اس اللہ پر توکل کرتا ہوں جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ زمین پر چلنے پھرنے والی تمام مخلوق کواس نے پیشانی سے پکڑرکھاہے، یقیناً میرارب سیدھے راستے پر ہے''۔

اورابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایاہے کہ:

﴿قد كانت لكم أسوة حسنة فی ابرٰهيم والذين معه اذ قالوا لقومهم انا برءٓؤا منكم ومما تعبدون من دون اللّٰه كفرنا بكم وبدا بيننا وبينكم العداوة والبغضآء أبداً حتى تؤمنوا باللّٰه وحده﴾ [الممتحنة : ۴] .

یقیناً تمہارے لیے ابراہیم علیہ السلام اوران کے ساتھیوں کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا: بے شک ہم بیزار ہیں تم سے بھی اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہوان سے بھی، ہم تمہارے منکر ہیں، اور جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لے آؤ ہمارے تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے کھلی دشمنی اورنفرت ظاہر ہوچکی ہے''۔

۳)تنہاایک اللہ کی سمت یکسوئی

اسلام کے عطا کردہ نظام کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ بندگی کی ہرصورت اللہ ہی کے لیے خالص کی جائے، جس کالازمی تقاضہ ہے کہ محبت کامحور بھی محض اللہ رب العزت کی ذات ہواوراللہ ہی کے سامنے مکمل عاجزی اورذلت اختیار کی جائے۔پس فرمایا:

﴿ومن الناس من يتخذ من دون اللّٰه أندادا يحبونهم كحب اللّٰه والذين

آمنوا أشد حبا للّٰہ﴾ [البقرة: ١٦٥].

''اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو اس کا شریک بناتے ہیں اور ان سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں، جبکہ ایمان والے تو سب سے زیادہ شدت سے اللہ ہی سے محبت رکھتے ہیں''

اور فرمایا:

﴿قل اننی ھدٰنی ربی الیٰ صراط مستقیم دینا قیما ملة ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین. قل ان صلاتی و نسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العالمین. لا شریک لہ وبذلک أمرت وأنا أول المسلمین. قل أغیر اللّٰہ أبغی ربا وھو رب کل شیء ولا تکسب کل نفس الا علیھا ولا تزر وازرة وزر أخریٰ ثم الیٰ ربکم مرجعکم فینبئکم بما کنتم فیہ تختلفون﴾ [الأنعام: ١٦١۔١٦٤].

''آپ کہہ دیجئے کہ بے شک میرے رب نے مجھے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی ہے ،یعنی اس مستحکم دین کی طرف جو ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے، جو اللہ کے لیے یکسو تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میری نمازیں، میری ساری عبادات، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ مجھے اسی بات کا حکم ہے اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔ کہہ دیجئے کہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی دوسرا پروردگار تلاش کروں حالانکہ وہی تو ہر چیز کا مالک ہے، اور جو کوئی برا کام کرے تو اس کا نقصان اسی کو ہوتا ہے، اور کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، پھر تم سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے وہ تمھیں ان کی خبر دے گا''۔

۴) خلافت ونیابت، نہ کہ حاکمیت

اسلام کے عطا کردہ نظام کی اساس اس بات پر قائم ہے کہ اللہ مالک الملک نے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو زمین پر خلیفہ اور نائب کی حیثیت دی ہے (نہ کی حاکم حقیقی) کی۔ پس ارشاد ہوتا ہے:

﴿واذ قال ربک للملٰئکة انی جاعل فی الأرض خلیفة﴾ [البقرة: ٣٠].

''اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا: بے شک میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔''

اور فرمایا:

﴿یداؤد انا جعلنک خلیفة فی الأرض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھویٰ فیضلک عن سبیل اللّٰہ﴾ [ص: ٢٦].

''اے داؤد! بے شک ہم نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا ہے، سو تم لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا اور خواہشات کی پیروی مت کرنا کہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گی''

۵) مقصد زندگی۔۔۔۔عبادت رب کے ذریعے اخروی کامیابی کا حصول

اسلام کا عطا کردہ نظام اس عقیدے پر کھڑا ہے کہ انسان بنیادی طور پر اپنے رب کی عبادت اور بندگی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون﴾ [الذاریات: ٥٦].

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں''

اس نظام کی تو بنیاد ہی یہ ہے کہ اس حیات مستعار میں انسان کا اصل مقصد رب کی رضا اور اخروی کامیابی کا حصول ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿کل نفس ذآئقة الموت وانما توفون أجورکم یوم القیٰمة فمن زحزح عن النار وأدخل الجنة فقد فاز وما الحیٰوة الدنیا الا متاع الغرور﴾ [آل عمران: ١٨٥].

''ہر ذی روح کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور قیامت کے دن تمہیں اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا پس جو شخص جہنم کی آگ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ کامیاب ٹھہرا، اور دنیا کی زندگی تو بس دھوکے کا سامان ہے۔''

۶) محاسبہ کرنے والی اصل ذات۔۔۔۔اللہ رب العالمین

اسلام کا عطا کردہ نظام اس احساس پر قائم ہوتا ہے کہ اللہ رب العالمین انسان کی تمام حرکات وسکنات اور ارادہ ونیات کا جائزہ لے رہے ہیں۔ پس فرمایا:

﴿ ولقد خلقنا الانسان ونعلم ما توسوس به نفسه ونحن أقرب اليه من حبل الوريد . اذ يتلقى المتلقين عن اليمين وعن الشمال قعيد . ما يلفظ من قول الا لديه رقيب عتيد﴾ [ق : ۱۶ . ۱۸] .

''اور ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا اور جو خیالات اس کے دل پر گزرتے ہیں ہم ان سے بھی آگاہ ہیں اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔ جب بھی وہ کوئی کام کرتا ہے تو وہ لکھنے والے جو دائیں بائیں بیٹھے ہیں لکھ لیتے ہیں۔ جو بات بھی اس کی زبان پر آتی ہے (اسے درج کرنے کے لیے) ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے۔''

پس اگر انسان دنیا میں انسانوں کی قائم کردہ عدالتوں کی گرفت اور سزا سے بچ بھی نکلے تو آخرت میں اللہ کی عدالت کے فیصلے اور اس کی سزا سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وقل اعملوا فسيرى الله عملكم ورسوله والمؤمنون وستردون الىٰ علم الغيب والشهادة فينبئكم بما كنتم تعملون﴾ [التوبة : ۱۰۵] .

''اور ان سے کہہ دو عمل کیے جاؤ، اللہ اور اس کا رسول اور مومنین تمہارے اعمال کو دیکھ لیں گے۔ اور تم غائب وحاضر کے جاننے والے خدائے واحد کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر جو کچھ تم کرتے رہے وہ سب تم کو بتادے گا''

۷) امت مسلمہ کی اساسی ذمہ داری، دعوت دین کا ابلاغ

اسی طرح اسلام کا عطا کردہ نظام اس فہم پر مبنی ہوتا ہے کہ اللہ کے دین کی دعوت لوگوں تک پہنچانا اور ان پر حجت تمام کرنا اس امت کی ذمہ داری ہے۔

﴿ وكذلك جعلنكم أمة وسطا لتكونوا شهدآء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا﴾ [البقرة : ۱۴۳] .

''اور اسی طرح ہم نے تمہیں امت وسط بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخر الزماں) تم پر گواہ بنیں''

۸) دعوت پھیلانے اور فتنہ مٹانے کے لیے جہاد وقتال

اسلام کے عطا کردہ نظام کے پیچھے یہ تصور بھی کارفرما ہے کہ امت مسلمہ کا فرض ہے کہ وہ رب کا پیغام انسانوں تک پہنچائے اور اللہ کے کلمے کی سربلندی کے لیے جہاد وقتال کرے، یہاں تک کہ فتنہ ختم ہوجائے اور دین پورے کا پورا اللہ کے لیے خالص ہوجائے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين كله لله﴾ [الانفال : ۳۹] .

''اور ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سارے کا سارا اللہ ہی کے لیے خالص ہوجائے''

۹) حاکمیت شریعت، عدل، شوریٰ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے اسلامی اصول

امت مسلمہ شریعت الٰہیہ کی حاکمیت کے سنہرے اصول پر مبنی نظام حکومت قائم کرتی ہے اور عدل وانصاف کے قیام، شوریٰ کے اسلامی تصور پر عمل درآمد اور فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی بجا آوری کے ذریعے اپنے رب کی عبادت کرتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الذين ان مكنٰهم فى الأرض أقاموا الصلوٰة واٰتوا الزكوٰة وأمروا بالمعروف ونهوا عن المنكر ولله عاقبة الأمور﴾ [الحج : ۴۱] .

''یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں حکومت دیں تو یہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے''

اور جب شریعت پر عمل کیا جانے لگے تو اللہ تعالیٰ اس کے سبب دنیا میں بھی برکتیں نازل فرماتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ولو أن أهل القرىٰ آمنوا واتقوا لفتحنا عليهم بركٰت من السمآء والأرض﴾ [الاعراف : ۹۶].

''اور اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان وزمین سے برکتوں (کے دروازے) کھول دیتے''

ہاں یہ امر ذہن سے اوجھل نہ ہونے پائے کہ امت مسلمہ جب بھی حکومت وسلطنت قائم کرتی ہے تو وہ اسے بنیادی طور پر ایک عبادت سمجھتے ہوئے صرف اللہ کی خوشنودی ورضا کے لیے قائم کرتی ہے۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿وعد الله الذين آمنوا منكم وعملوا الصلحت ليستخلفنهم فى الأرض كما استخلف الذين من قبلهم وليمكنن لهم دينهم الذى ارتضىٰ لهم وليبدلنهم من بعد خوفهم أمنا يعبدونني لا يشركون بي شيئا ومن كفر بعد ذلك فأولئك هم الفسقون﴾ [النور : ۵۵].

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں زمین پر خلافت عطا کرے گا جیسے کہ ان سے پہلے کے لوگوں کو خلافت عطا فرمائی اور ان کے دین کو، جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے، مستحکم وپائدار کردے گا اور خوف کے بعد انہیں امن بخشے گا، پس وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کریں گے، اور جو اس کے بعد بھی کفر کرے تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں''

اور فرمایا:

﴿ان الحكم الا لله أمر ألا تعبدوا الآ اياه ذلك الدين القيم ولكن أكثر

الناس لا يعلمون﴾ [يوسف : ۴۰].

''حاکمیت تو صرف اللہ ہی کے لیے خاص ہے، اس نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت بجالاؤ، یہی مستحکم دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

۱۰) وطنی وقومی تعصبات سے آزادی

اسلام کا عطا کردہ سیاسی نظام یعنی ''نظام خلافت'' انسانیت کے سامنے ایک ایسی اعلیٰ مثال پیش کرتا ہے جہاں ہر قسم کی وطنی نسبتوں اور جغرافیائی حدود سے بالاتر ہو کر تمام اہل ایمان کے درمیان ایمانی اخوت کی بنیاد پر مساوات کے رشتے قائم ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وان هذه أمتكم أمة واحدة وأنا ربكم فاتقون﴾ [المؤمنون : ۵۲].

''اور بے شک یہ تمہاری امت، ایک امت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں پس تم مجھ ہی سے ڈرو''

۱۱) عزت کا معیار۔۔۔۔۔ ایمان، تقویٰ اور عمل صالح

یہ نظام خلافت اگر لوگوں کے درمیان کوئی تفریق روا رکھتا ہے تو محض ان کے ایمان، تقویٰ اور عمل صالح کی بنیاد پر۔۔۔۔۔ نہ کسی ملک کی شہریت یا ریاست نامی کسی بت سے وفاداری کی بنیاد پر !

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ان أكرمكم عند الله أتقكم﴾ [الحجرات : ۱۳].

''بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ متقی ہے''

۱۲) فیصلوں کا ماخذ، شریعت الٰہیہ ۔۔۔ نہ کہ کثرت رائے

خلافت کے اس نظام میں فیصلوں کے لیے اللہ کی نازل کردہ شریعت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، نہ کہ غالب اکثریت کی رائے کی طرف۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وأن احكم بينهم بمآ أنزل الله ولا تتبع أهواء هم﴾ [المائدة : ۴۹].

''اوران کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجیے اوران کی خواہشات کی پیروی مت کیجیے''

مغرب کے سیاسی تصورات کا تاریخی پس منظر

اسی طرح مغرب کے موجودہ سیاسی تصورات نے ان کے تاریخی ورثے سے جنم لیا ہے، جہاں ایک طرف ظالم وجابر حکمران اوران کے حاشیہ نشین امراء وجاگیردار تھے تو دوسری طرف مظلوم و مقہور عامۃ الناس۔ نیز اس کے ساتھ ساتھ ان کے معاشرے میں ایک دوسری کشمکش بھی جاری تھی، جس میں ایک جانب کلیسا تھا جس نے انسانی عقل سے متصادم فرسودہ افکار وتصورات اور بے اصل روایات گھڑ رکھی تھیں اور ایسے گھناؤنے کردار کا مظاہرہ کیا تھا جس کی تفصیلات سن کر انسانی ضمیر ان سے نفرت کرنے لگتا ہے۔۔۔۔تو دوسری جانب مغربی اقوام اوران کے وہ سائنس دان اور ماہرین فن تھے جو زمین وآسمان کے نئے افق اور بھید تلاش کرنے کے لیے کوشاں تھے۔ لیکن اس جہاں اوراس کے تخلیق سے متعلق کلیسا کی وہ مقدس روایات جو کسی بھی تاریخی سند اور آسمانی دلیل سے محروم تھیں قدم قدم پران کی تحقیقات سے ٹکراتی تھیں۔

اس طویل کشمکش کے بعد جہاں جدید مغربی فکر نے کلیسا اور دین سے راہ فرار اختیار کی۔۔۔ وہیں اسلام، امت مسلمہ اور اسلامی سلطنتوں کے ساتھ دشمنی کے صلیبی ورثہ کو بھی پوری طرح سینے سے لگائے رکھا۔ دراصل جدید مغربی فکر تناقضات کا ایک عجیب مجموعہ ہے۔ ایک طرف تو یہ اپنی عقل کی بنیاد پر کلیسا، بلکہ خود دین سے بھی بیزار ہے لیکن دوسری طرف یہ جذباتی طور پر اپنی صلیبی تاریخ سے پوری طرح وابستہ ہے اور اسے خود بھی ان جذبات کے اظہار میں کوئی باک نہیں۔

اسی تناقض کی بناپر جدید مغربی فکر میں جہاں کلیسا کے استبداد سے نفرت اوراس کے نتیجے میں ہر قسم کے دین اور دین سے متعلقہ باتوں سے دشمنی نمایاں ہے، وہیں اسلام اور امت اسلام سے عداوت بھی اس فکر کا ایک اہم وصف ہے۔ پس ایک جانب تو مغرب کلیسا کے غلبے کے دور کو ''قرون وسطٰی کا عہد

تاریک'' قرار دے کر اپنے ماضی سے راہ فرار اختیار کرتا ہے ، اور دوسری جانب صلیبی روح کے حامل ''استبدادی'' حملوں کے ساتھ اپنا تعلق بھی پوری طرح جوڑتا ہے اور انہی کے تسلسل میں آج بھی امت مسلمہ سے دشمنی جاری رکھے ہوئے ہے۔

امت مسلمہ میں اٹھنے والی بیداری کی لہر کا تاریخی پس منظر

اس سب کے بالمقابل ہم دیکھتے ہیں کہ امت مسلمہ ایک روشن واجلی تاریخ کی حامل ہے جس میں توحید خالص کی دعوت بھی ہے، جابر ومتکبر سلطنتوں کے خاتمے کے لیے جہاد وقتال بھی اور شریعت الٰہی کی نشر واشاعت کے لیے انتھک جدو جہد بھی۔ یہ وہ شریعت ہے جسے عقل سلیم قبول کرتی ہے اور قلب سلیم جس پر مطمئن ہوتا ہے۔ وہ پاکیزہ شریعت جو علم کی جستجو میں مگن علماء کی حوصلہ افزائی کرتی ہے اور انہیں اعلٰی وارفع رتبہ عطا کرتی ہے۔ پس یہی وہ روشن تاریخ ہے جس پر امت مسلمہ بجا طور پر فخر کرتی ہے، اور یہی وہ لازوال ماضی ہے جسے حال کے قالب میں ڈھالنے کے لیے یہ امت آج پھر سے کوشاں ہے۔ جب کہ اس کے برعکس موجودہ دور کے بیشتر مفکرین اپنے ماضی کو ''عہد تاریک'' سے تعبیر کر کے اس سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔

﴿لکم دینکم ولی دین﴾

مغرب کی ایک الگ تاریخ اوران خاص تاریخی حالات کے زیر اثر جنم لینے والے کچھ مخصوص تصورات ہیں جنہیں ہم سے یا ہمارے دین سے کوئی ادنیٰ سی بھی مناسبت نہیں !لہذا مسلم معاشروں میں پائے جانے والے مغربی تصورات کے حامل افراد اور گروہ قطعاً اس کے اہل نہیں کہ وہ امت مسلمہ کے لیے کسی بھی قسم کا دستور یا قانونی نظام وضع کریں۔ ایسی ہر کوشش کے نتیجے میں کچھ عجیب مضحکہ خیز مرکب اور کفر واسلام کے ملغوبے معرض وجود میں آتے ہیں جن سے فساد وانحراف کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ یہی وہ کہانی ہے جو پاکستان بننے کے بعد سے ساٹھ سال تک دہرائی جاتی رہی ہے۔ پاکستان کی سرزمین ہمیشہ بدلتے موسموں کے ساتھ رنگ بدلتی رہی ہے اور بالآخر آج اسلام کے خلاف لڑی جانے والی عالمی صلیبی

صیہونی جنگ میں جنوبی ایشیااور مشرق وسطیٰ کے سب سے بڑے امریکی اڈے میں تبدیل ہوچکی ہے۔

دستور پاکستان کااصل مقصد: بین الاقوامی نظام کے تابع مغربی طرز کی ریاست کا قیام

دستور پاکستان کے بغور مطالعے سے مجھ پر یہ بات بھی واضح ہوئی کہ اس دستور کو لکھنے والوں کے پیش نظر کسی اسلامی حکومت یا شرعی نظام کا قیام نہ تھا، بلکہ یہ دستور تو لکھا ہی اس لیے گیا تھا کہ اس کے ذریعے مغربی طرز حکمرانی پر عمل پیرا ایک ایسی ریاست قائم ہو جو اسلام دشمن ''بین الاقوامی نظام'' ضم ہو سکے۔۔۔وہ بین الاقوامی نظام جسے عیسائی طاقتوں نے دوسری جنگ عظیم کے بعد اس غرض سے قائم کیا تھا کہ وہ پوری دنیا کے انسانوں کو ان کا تابع فرمان بنائے اور ان کے مفادات کا پوری طرح تحفظ کرے۔ یہی وہ باطل بین الاقوامی نظام ہے جس نے امت مسلمہ سے فلسطین چھینا، اور یہی نظام آج تک آزادی کشمیر کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا ہے

دستور کے ''اسلامی'' ہونے کا فریب!

دستور پاکستان کے مطالعے سے مجھ پر یہ حقیقت بھی منکشف ہوئی کہ یہ دستور کچھ ایسے مکروفریب کے انداز میں لکھا گیا ہے کہ مسلم عوام سے شریعت کے نفاذ کا وعدہ بھی ہو جائے لیکن وہ وعدہ کبھی وفا بھی نہ ہو سکے۔ مجھے تو تعجب ہوتا ہے کہ اس وقت کے بڑے بڑے علماء اور داعی حضرات بھی اس دھوکے کا شکار ہو کر دستور کی تعریف وتقدیس بیان کرتے رہے (ہاں اس میں کچھ شک نہیں کہ ان حضرات کا اس دستور سے نیا نیا واسطہ پڑا تھا اور ابھی تک اس کے عملی اثرات بھی پوری طرح واضح نہیں ہو پائے تھے لہذا اس غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا شاید کوئی امکان موجود تھا)۔۔۔البتہ اصل تعجب کے لائق تو ہمارے وہ فاضل دوست ہیں جو نفاذ شریعت کے جھوٹے وعدوں کو ساٹھ (۶۰) سال گزر جانے کے بعد بھی وہی گھسے پٹے اوہام واشکالات دہرائے چلے جا رہے ہیں اور آج تک دستور پاکستان کی اسلامیت کے فریب سے دامن نہیں چھڑا پائے۔

یہ وہ پاکستان نہیں!

آج یہ بات سب پر عیاں ہو چکی ہے کہ یہ وہ پاکستان نہیں جس کی تمنا ہند کے مسلمانوں کی اکثریت نے کی تھی۔۔۔۔یہ وہ سرزمین نہیں جس کے بارے میں خواب دیکھا گیا تھا کہ وہ دنیا بھر کے مسلمانوں کا مرکز اور جائے پناہ بنے گی۔۔۔۔بلکہ اس کے برعکس یہ سرزمین تو برصغیر، جنوبی ایشیا اور مشرق وسطیٰ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف لڑی جانے والی صلیبی جنگ میں سب سے اہم امریکی اڈے کا کام دے رہی ہے۔ آج یہ امر ہر صاحب بصیرت پر عیاں ہو گیا ہے کہ پاکستان پر آغاز سے اب تک فاسد و مفسد طبقات ہی حکمرانی کرتے آئے ہیں اور یہ سلسلہ مسلمانوں کے قاتل مشرف کے سیاہ دور سے گزرتا ہوا ''مسٹر ٹین پرسنٹ'' کے لقب سے مشہور، اموال مسلمین لوٹنے والے امریکی غلام زرداری کے عہد میں داخل ہو گیا ہے۔ (وہ زرداری جسے نہ صرف عسکری قوتوں کی حمایت حاصل ہے، بلکہ انتہائی افسوس سے کہنا پڑتا ہے متعدد دینی جماعتوں نے بھی انتخابات کے موقع پر اسی طرح اس کی تائید کی جیسا کہ ان جماعتوں نے اس سے پہلے پرویز کی آئینی ترامیم اور صدارتی انتخاب کے موقع پر اس کا ساتھ دیا تھا) پس ان سب حالات کو دیکھتے ہوئے میں نے فیصلہ کیا میں پاکستان کے سیاسی نظام اور دستور کے حوالے سے جن نتائج تک پہنچ چکا ہوں وہ ضبط تحریر میں لاؤں۔ میری کوشش رہی ہے کہ اس بحث کے دوران غیر ضروری تفصیل اور پیچیدہ لغوی بحثوں سے احتراز کرتے ہوئے صرف اساسی مقصد کو پیش نظر رکھوں، تا کہ کتاب کا حجم زیادہ نہ بڑھے۔

باب اول

حاکمیت کس کا حق ہے ؟

اسلام میں حاکمیت اور قانون سازی محض اللہ تعالیٰ کا حق ہے

قانون سازی کو محض اللہ مالک الملک ہی کا حق سمجھنا اسلامی عقائد کے بنیادی اصولوں میں شامل ہے اور قرآن کریم کی بہت سے آیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ان الحکم الا للّٰہ أمر ألا تعبدوا الا ایاہ ذلک الدین القیم ولکن أکثر الناس لا یعلمون﴾ [یوسف : ۴۰].

”حاکمیت تو صرف اللہ ہی کے لیے خاص ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت بجالاؤ، یہی مستحکم دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وأنزلنآ الیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیہ من الکتاب ومھیمناً علیہ فاحکم بینھم بمآ أنزل اللّٰہ ولا تتبع أھوآءھم عما جآءک من الحق لکل جعلنا منکم شرعة ومنھاجا ولو شآء اللّٰہ لجعلکم أمة واحدة ولکن لیبلوکم فی مآ اٰتکم فاستبقوا الخیرات الی اللّٰہ مرجعکم جمیعا فینبئکم بما کنتم فیہ تختلفون . وأن احکم بینھم بمآ أنزل اللّٰہ ولا تتبع أھوآءھم واحذرھم أن یفتنوک عن بعض مآ أنزل اللّٰہ الیک فان تولوا فاعلم أنما یرید اللّٰہ أن یصیبھم ببعض ذنوبھم وان کثیرا من الناس لفٰسقون . أفحکم الجاھلیة یبغون ومن أحسن من اللّٰہ حکما لقوم یوقنون﴾ [المآئدة : ۴۸ . ۵۰].

”اور (اے پیغمبر علیہ السلام) ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل فرمائی ہے جو اس سے پہلی

کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان پر نگہبان ہے، پس آپ ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجیے اور جو حق آپ کے پاس آچکا ہے اس سے روگردانی کرتے ہوئے ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجیے۔ اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا، لیکن جو حکم اس نے تمہیں دیئے وہ ان میں تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے۔ سو نیک کاموں میں جلدی کرو، تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر جن باتوں میں تم اختلاف کیا کرتے تھے وہ تمہیں بتلا دے گا۔ اور (پھر ہم تاکید کرتے ہیں کہ اے نبی ﷺ! آپ) ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجیے اور ان کو خواہشات کی پیروی مت کیجیے اور اس سے خبردار رہیے کہ یہ اللہ کی جانب سے آپ کی طرف نازل کردہ کسی حکم سے آپ کو ہٹا نہ دیں۔ پھر اگر یہ نہ مانیں تو جان لیجیے کہ اللہ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے سبب ان پر مصیبت نازل کرے، اور یقیناً لوگوں کی اکثریت تو فاسقوں پر مشتمل ہے (اگر یہ اللہ کے نازل کردہ قانون سے منہ موڑتے ہیں تو) کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، اور یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا اور کون ہے۔“

پس اگر کوئی قوم، جماعت، معاشرہ، حکومت یا نظام یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں اور احکام اسلام پر کاربند ہیں تو ضروری ہے کہ وہ قانون سازی اور فیصلہ کرنے کا حق بھی اللہ ہی کے لیے خالص کریں۔ اور اگر ان میں سے کوئی گروہ یہ زعم بھی رکھتا ہے کہ وہ مسلم ہے لیکن اللہ رب العزت کا یہ حق تسلیم کرنے سے انکاری رہتا ہے اور اپنے معاملات میں شریعت کی طرف رجوع نہیں کرتا۔۔۔۔۔ تو اللہ نے ایسے لوگوں کے بارے میں واضح فیصلہ فرما دیا ہے کہ وہ قطعاً مومن نہیں۔ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں:

﴿فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی أنفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما﴾ [النساء : ۶۵].

”تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک ہرگز مومن نہیں ہوسکتے جب تک (اے نبی

)تمہیں اپنے باہمی تنازعات میں منصف نہ بنالیں اور جو فیصلہ تم کرو اس پر اپنے دل میں تنگی بھی محسوس نہ کریں اور اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیں"

پاکستان میں قانون سازی کا مطلق حق پارلیمانی اکثریت کو حاصل ہے

درج بالا اسلامی عقیدے کی روشنی میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان میں قانون سازی اور فیصلے کا حق کس کے پاس ہے؟ کیا یہ حق صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے مختص ہے؟ یا یہ اس پارلیمان کی غالب اکثریت کا حق ہے جسے یہ "مجلس شوریٰ" کے نام سے بھی پکارتے ہیں؟

اس نہایت اہم سوال کا حتمی جواب ہمیں ریاست پاکستان کی اساسی قانونی دستاویزات میں ملتا ہے۔ چنانچہ جب ہم دستور پاکستان پر نگاہ ڈالتے ہیں، جو بقول ان کے "ابو القوانین" ہے، تو اس میں یہ بات پوری وضاحت اور قطعیت کے ساتھ درج ہے کہ دستور میں ترامیم کرنے اور نئے قوانین صادر کرنے کا حق نمائندگان پارلیمان کی غالب اکثریت کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔

لہٰذا دستور کے عطا کردہ حق کے مطابق اگر یہ لوگ چاہیں تو پاکستان کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" رکھ دیں، اور اگر یہی لوگ چاہیں تو دو تہائی اکثریت کے ساتھ اس کا نام تبدیل کر کے "امریکی جمہوریہ پاکستان" یا "مسیحی جمہوریہ پاکستان" رکھ دیں۔۔۔ان کے اکثریتی فیصلے کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ اسی طرح اگر نمائندگان پارلیمان چاہیں تو "وفاقی شرعی عدالت" قائم کر دیں اور اگر چاہیں تو "وفاقی غیر شرعی عدالت" قائم کر دیں، ان کو مکمل حق حاصل ہے۔ اسی طرح اگر یہ چاہیں تو دستور کو مکمل تبدیل کر کے اس میں سے وہ مواد بھی حذف کر دیں جس کی بناء پر دستور پاکستان یا ریاست پاکستان کے اسلامی ہونے کا شبہ پیدا ہوتا ہے۔۔۔۔ یہ ان کا حق ہے، جس کی ضمانت خود دستور انہیں فراہم کرتا ہے۔

دستور کی دفعہ ۲۳۸ واضح طور پر بیان کرتی ہے کہ پارلیمان کو دستور میں ترمیم کا حق حاصل ہے۔

اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

"Subject to this part, the constitution may be
(Parliament)"]amended by Act fo [Majlis-e-Shoora

.[CONDTITUTION OF PAKISTAN, PART XI Amendment of Constitution, Article 238].

جبکہ دفعہ ۲۳۹ میں آئینی ترمیم کے لیے دو تہائی اکثریت کی شرط لگائی گئی ہے۔ اسی دفعہ کے تحت پانچویں اور چھٹے بند میں وہ انتہائی اہم باتیں نصاً مذکور ہیں:

پہلی بات یہ کہ کسی بھی آئینی ترمیم کے خلاف کسی سطح کی عدالت میں کسی بنیاد پر اعتراض کرنا ممکن نہیں۔

دوسری بات یہ کہ ہر قسم کے شک کو رفع کرنے کے لیے یہ بات بھی واضح کر دی گئی ہے کہ مجلس شوریٰ (یعنی پارلیمان) کو دستور کی دفعات میں ترمیم کا لامحدود اختیار حاصل ہے۔

اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

"(5) No amendment of the Constitution shall be called in question in any cout on any ground whatsoever.
(6) For the removal of doubt, it is hereby declared that there is no limitation whatever on the power of the Majlis-e-Shoora (Parliament) to amend any of the provisions of the Constitution" [CONSTITUTION OF PAKISTAN. PART XI Amendment of Constitution, Article 239].

ممکنہ شبہات اور ان کا رد

یہاں دو شبہات وارد ہو سکتے ہیں:

پہلا شبہہ: اراکین پارلیمان مسلم معاشرے کی مصلحت ہی کے لیے دستور سازی کرتے ہیں

ممکن ہے کہ کوئی اعتراض کرنے والا یہ کہے کہ آخر اس بات میں حرج ہی کیا ہے کہ "مسلم عوام کے نمائندگان" باہمی مشورے سے "مسلم معاشرے کی مصلحت" کی خاطر دستور سازی کریں؟ خلیل

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ دستور کی مذکورہ نصوص میں ایسی کوئی قید نہیں لگائی گئی جو اس اعتراض میں ذکر کی گئی ہیں یعنی نہ تو اس میں مسلم معاشرے کا ذکر ہے اور نہ اس کی مصلحت کا یہ نصوص تو دستور میں ترمیم کے لیے دو تہائی اکثریت کے اتفاق کے علاوہ کوئی شرط نہیں لگاتی ہیں اور پھر نہایت تاکید کے ساتھ دو تہائی ارکان پارلیمان کے آئینی ترمیم کے حق کا بھرپور تحفظ بھی کرتی ہیں۔

پس یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ دستور پاکستان کے تحت تمام امور میں قبول و رد کا حتمی فیصلہ نمائندگان پارلیمان کی دو تہائی اکثریت کو حاصل ہے۔ دستور کا یہ اصول شریعت کے بالکل منافی ہے۔ اسلام تو ہمیں یہ سکھلاتا ہے کہ یہ مقام تو صرف اللہ کی نازل کردہ شریعت کو حاصل ہے کہ اس کے ہر حکم کو بلانزاع قبول کیا جائے، ہر اس قانون، ضابطے یا حکم کو رد کردیا جائے جو شریعت کے موافق نہ ہو اور کسی کا بھی یہ حق تسلیم نہ کیا جائے کہ وہ خلاف شریعت فیصلہ کرے۔۔۔ خواہ اس فیصلے کو دو تہائی اکثریت بلکہ پورے پارلیمان کی اجتماعی تائید ہی کیوں نہ حاصل ہو۔

دوسری بات یہ کہ اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ مسلم معاشرے کے نمائندے اپنے قوانین یا دستور کی نصوص میں ترمیم و اصلاح کریں بشرطیکہ یہ سارا عمل اللہ کے دین اور اس کی شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے انجام پائے، لیکن دستور میں تو کوئی ایسی شرط مذکور نہیں۔ پاکستان کا دستور تو الٹا اس بات پر زور دیتا نظر آتا ہے کہ دو تہائی اکثریت کو دستور میں ہر قسم کی ترمیم کا حق حاصل ہے، اور غالب اکثریت کے فیصلے پر کسی قسم کی کوئی قدغن نہیں۔

دوسرا شبہہ: شریعت سے متصادم قوانین کو دور کرنے کے لیے وفاقی شرعی عدالت تشکیل پا چکی ہے

ممکن ہے کہ کوئی دوسرا معترض یہ کہے کہ دستور نے وفاقی شرعی عدالت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ قرآن و سنت سے متصادم ہر قانون کو رد کردے۔ اس اعتراض کا تفصیلی جواب تو آگے چل کر وفاقی شرعی

عدالت پر بحث کے تحت آئے گا، لیکن سردست اتنا کہنے پر اکتفا کروں گا کہ اس عدالت کو بھی دیگر عدالتوں کی طرح دستور کی دفعات پر نگاہ ڈالنے کا حق حاصل نہیں کیونکہ اس کے دائرہ اختیار سے ہی باہر ہے اور یہ بات دستور میں پوری صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔

باب دوم

دستور پاکستان اور شریعت اسلامی کے مابین تضادات

اس باب میں ہمارا کلام دو فصلوں پر منقسم ہوگا:

پہلی فصل: شریعت کی مخالفت کو قانون کی شکل دینا کفر ہے، اگر چہ وہ مخالفت بذات خود صرف فسق ہو۔

دوسری فصل: دستور پاکستان میں موجود خلاف شریعت قوانین کی مثالیں

پہلی فصل

شریعت کی مخالفت کو قانون کی شکل دینا کفر ہے، اگر چہ وہ مخالفت بذات خود صرف فسق ہی ہو

تمام علمائے اسلام کے نزدیک یہ بات ایک ثابت شدہ حکم شریعت ہے کہ کسی ایسے کام کو حلال قرار دینا جس کی حرمت پر اجماع ہو یا کسی ایسے کام کو حرام قرار دینا جس کی حلت پر اجماع ہو، یا کسی اجماعی حکم شرعی کو تبدیل کر ڈالنا کفر ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص ہی کہے کہ شراب یا زنا یا چوری یا لوگوں کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت سے ہٹ کر فیصلے کرنا حلال ہے تو اس نے کفر کیا۔۔۔۔ چاہے وہ خود نہ تو شراب پیتا ہو، نہ زنا کرتا ہو، نہ چوری کرتا ہو اور نہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف فیصلہ دیتا ہو۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نماز پڑھنا یا زکوۃ دینا حرام ہے یا یہ کہے کہ نماز اور زکوۃ فرائض اسلام

میں نہیں ہیں تو وہ بھی کافر ہے اگر چہ ہو خود پانچ وقت نماز پڑھتا ہو اور پابندی سے زکوۃ بھی ادا کرتا ہو۔

اسی طرح جو شخص یہ کہے کہ قانون سازی کا حق صرف اللہ وحدہ لاشریک کے لیے خاص نہیں بلکہ یہ حق پارلیمان کی دوتہائی اکثریت کو یا کسی اور کو بھی حاصل ہے تو اس نے بھی کفر کیا اگر چہ اس نے عملاً کبھی بھی شریعت کے مخالف قانون سازی نہ کی ہو۔ اسی طرح جو شخص ایسے قوانین بنائے جو شریعت سے متصادم ہوں یا جو شریعت سے بالا فیصلے کرنے کا اختیار دیں یا شرعی احکام رد کرنے یا ان پر نظر ثانی کرنے کا حق تفویض کریں، تو یہ شخص بھی کافر ہے۔

دلائل شرعیہ کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ کی توفیق ونصرت سے میں اس عظیم شرعی اصول کی وضاحت کے لیے بعض دلائل مختصراً ذکر کرنا چاہوں گا:

(الف) شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ومعلوم . بالاضطرار من دین المسلمین. وباتفاق جمیع المسلمین ان من سوغ اتباع غیر دین الاسلام او اتباع شریعة غیر شریعة محمد ﷺ فهو کافر ، وهو ککفر من آمن ببعض الکتاب و کفر ببعض الکتاب ، کما قال تعالیٰ : ﴿ان الذین یکفرون بالله ورسله ویریدون ان یفرقوا بین الله ورسله ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذلک سبیلا. اولئک هم الکافرون حقا واعتدنا للکافرین عذابا مهینا﴾ (النسآء : ۱۵۰ . ۱۵۱)

''یہ امر تو بالاتفاق تمام مسلمانوں کے نزدیک ضروریات دین (دین کے وہ مسائل جن کا علم ہر مسلمان کو ہونا لازم ہے) میں شامل ہے کہ جو شخص دین اسلام کے سوا کسی اور دین یا شریعت محمدی ﷺ کے علاوہ کسی اور شریعت کی پیروی کو جائز قرار دے وہ کافر ہے۔ اس شخص کا کفر بالکل اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص کتاب اللہ کے بعض حصے پر ایمان لانے اور بعض کا انکار کرنے پر کافر ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم

بعض باتوں پر ایمان لائے اور بعض کا ہم نے انکار کیا، اور وہ ایمان اور کفر کے بیچ کی راہ نکالنا چاہتے ہیں ۔یہی لوگ پکے کافر ہیں، اور کافروں کے لیے ہم نے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے ﴾" (مجموع الفتاوی ۵۲۴/۲۸)۔

(ب) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أفحكم الجاهلية يبغون ومن أحسن من الله حكما لقوم يوقنون﴾ [المائدة : ۵۰].

"(اگر یہ اللہ کے نازل کردہ قانون سے منہ موڑتے ہیں تو) کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، اور یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہے"۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"ينكر تعالى على من خرج عن حكم الله المحكم المشتمل على كل خير ، الناهي عن كل شر ، وعدل الى ما سواه من الآراء والأهواء والاصطلاحات ، التي وضعها الرجال بلا مستند من شريعة الله ، كما كان أهل الجاهلية يحكمون به من الضلالات والجهالات ، مما يضعونها بآرائهم وأهوائهم ، وكما يحكم به التتار من السياسات الملكية المأخوذة عن ملكهم جنكز خان ، الذي وضع لهم الياساق ، وهو عبارة عن كتاب مجموع من احكام قد اقتبسها عن شرائع شتى ، من اليهودية والنصرانية والملة الاسلامية ، وفيها كثير من الأحكام أخذها من مجرد نظره وهواه فصارت في بنيه شرعا متبعا ، يقدمونها على الحكم بكتاب الله وسنة رسوله ﷺ ومن فعل ذلك منهم فهو كافر يجب قتاله ، حتى يرجع الى حكم الله ورسوله ، فلا يحكم سواه في قليل ولا كثير"

"یہاں اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر گرفت کی ہے جو اللہ کے ان محکم احکامات سے روگردانی کرتا ہے، جو ہر خیر و شر مشتمل ہیں اور ہر شر سے روکنے والے ہیں، پھر ان احکامات الٰہیہ کو چھوڑ کر ان آراء

وخواہشات اور اصطلاحات کی پیروی کرنے لگتا ہے جنہیں انسانوں نے وضع کیا ہو اور جن کی پشت پر کوئی شرعی دلیل نہ ہو۔ یہ شخص بالکل دور جاہلیت کے ان لوگوں کی مانند ہے جو اپنی آراء و خواہشات پر مبنی گمراہیوں اور جہالتوں کی روشنی میں فیصلے کیا کرتے تھے، یا ان تاتاریوں کی مانند جو اپنے بادشاہ چنگیز خان کی وضع کردہ کتاب "یاسق" کو فیصلہ کن مانتے ہیں۔ "یاسق" مختلف شریعتوں سے اخذ کردہ احکامات کا مجموعہ ہے، کچھ احکام یہودیت سے ماخوذ ہیں اور کچھ نصرانیت اور اسلام سے اور بہت سے احکامات محض اس کے ذاتی نظریات اور خواہشات کے نمائندہ ہیں۔ یہ مجموعہ اس کی اولاد کے نزدیک ایک ایسی لائق تقلید شریعت کی حیثیت اختیار کر چکا ہے جسے یہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر بھی ترجیح دیتے ہیں۔ پس ان میں سے جو شخص بھی ایسا کرے وہ کافر ہے اور اس سے قتال کرنا واجب ہے یہاں تک کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی طرف لوٹ آئے اور ہر چھوٹے بڑے معاملے میں انہی کو حاکم جانے۔" (تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورۃ المائدۃ: آیت ۵۰: ۶۸)۔

علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"أقول : أفيجوز في شرع الله تعالىٰ ان يحكم المسلمون في بلادهم بتشريع مقتبس عن تشريعات أوربا الوثنية الملحدة ؟ بل بتشريع تدخله الأهواء والآراء الباطلة ، يغيرونه ويبدلونه كما يشاؤون ، لا يبالي واضعه أوافق شرعة الاسلام أم خالفها ؟ ان المسلمين لم يبلوا بهذا قط. فيما نعلم من تاريخهم. الا في ذلك العهد عهد التتار ، وكان من اسوأ عهود الظلم والظلام ومع هذا فانهم لم يخضعوا له ،بل غلب الاسلام التتار ، ثم مزجهم فادخلهم في شرعته ، وزال اثر ما صنعوا بثبات المسلمين على دينهم وشريعتهم ،وبما ان الحكم السيء الجائر كان مصدره الفريق الحاكم اذ ذاك ، لم يندمج فيه احد من افراد الامم الاسلامية المحكومة ، ولم يتعلموه ولم يعلموه ابنائهم ، فما اسرع ما زال اثره ، افرأيتم هذا

الوصف القوى من الحافظ ابن كثير. في القرن الثامن. لذاك القانون الوضعي،الذى صنع عدو الاسلام جنكيز خان ؟ ألستم ترونه يصف حال المسلمين في هذا العصر ، في القرن الرابع عشر الهجرى ؟ الا في فرق واحد أشرنا اليه آنفا : ان ذلك كان في طبقة خاصة من الحكام اتى عليها الزمن سريعا فاندمجت في الامة الاسلامية وزال اثر ما صنعت ، ثم كان المسلمون الآن اسوأ حالا ،واشد ظلما وظلاما منهم ، لان اكثر الأمم الاسلامية الآن تندمج في هذه القوانين المخالفة للشريعة ، والتي هي اشبه شيء بذاك "الياسق " الذى اصطنعه رجل كافر ظاهر الكفر ،هذه القوانين التي يصطنعها ناس ينتسبون للاسلام ، ثم يتعلمها ابناء المسلمين ويفخرون بذلك آباء وابناء ،ثم يجعلون مرد امرهم الى معتقى هذا "الياسق العصرى" ويحقرون من يخالفهم في ذلك ، ويسمون من يدعوهم الى الاستمساك بدينهم وشريعتهم "رجعيا" و "جامدا" الى مثل ذلك من الفاظ البذيئة بل انهم ادخلوا ايديهم فيما بقى في الحكم من التشريع الاسلامى ، ويريدون تحويله الى "ياسقهم" الجديد بالهوينا واللين تارة وبالمكر والخديعة تارة، وبما ملكت ايديهم من السلطات تارات،و يصرحون ولا يستحيون بأنهم يعملون على فصل الدولة من الدين ! افيجوز اذن، مع هذا ، لأحد من المسلمين ان يعتنق هذا الدين الجديد، اعنى التشريع الجديد ؟ اويجوز لرجل مسلم ان يلى القضاء في ظل هذا "الياسق العصرى" وأن يعمل به ويعرض عن شرعيته البينة ؟ ما اظن ان رجلا مسلما يعرف دينه ويعمل به جملة وتفصيلا ويؤمن بأن هذا القرآن أنزله الله تعالى على رسوله ﷺ كتابا محكما لا يأتيه الباطل من بين يديه ، ولا من خلفه، وبأن طاعته وطاعة الرسول ﷺ الذى جاء به واجبة قطعية الوجوب في كل حال، ما اظنه يستطيع الا ان يجزم غير متردد ولا متأول بأن ولاية القضاء في هذه الحال باطلة

بطلانا اصليا، لايلحقه التصحيح ولا الاجازة، ان الامر في هذه القوانين الوضعية واضح وضوح الشمس، هى كفر بواح، لا خفاء فيه ولا مداورة، ولا عذر لاحد من ينتسب للاسلام. كائنا من كان. في العمل بهاء او الخضوع لها او اقرارها، فليحذر امرؤ لنفسه، وكل امرىء حسيب نفسه."

"میں کہتا ہوں: کیا اللہ تعالیٰ کی شریعت میں یہ بات جائز ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کے ممالک میں شرکیہ وملحدانہ یورپی قوانین سے ماخوذ قانون کی حکمرانی ہو؟ یا ایسے قانون کی جس میں انسانی خواہشات اور باطل آراء کا دخل ہو، قانون بنانے والے جیسے چاہیں انہیں بدل دیں اور انہیں اس کی ذرا پرواہ نہ ہو کہ ان کے وضع کردہ قوانین شریعت کے موافق ہیں یا مخالف؟ ہمارے علم کے مطابق مسلمانوں کو تاتاریوں کے دور کے علاوہ کبھی اپنی پوری تاریخ میں اس طرح کی آزمائش کا سامنا نہیں رہا: اور یہ دور تاتار بھی ہماری تاریخ میں ظلم اور ظلمتوں کا بدترین دور تھا، لیکن اس کے باوجود مسلمان اس فتنے کے آگے سرنگوں نہیں ہوئے تھے بلکہ بالآخر اسلام ہی تاتاریوں پر غالب آیا تھا، اور اسلام نے انہیں اپنے رنگ میں رنگ کر شریعت کے دائرے میں داخل کیا تھا۔ نیز مسلمانوں کے اپنے دین اور شریعت پر جمے رہنے کے سبب تاتاری عہد کے اثرات جلد ہی زائل ہو گئے تھے، یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اس وقت کے ان تمام ظالمانہ اور باطل احکامات کا مصدر صرف حکمران طبقہ تھا جب کہ امت مسلمہ کے محکوم افراد اس عمل میں قطعاً شریک نہ تھے، نہ تو انہوں نے اس قانون کو سیکھا اور نہ ہی اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دی، لہٰذا بہت جلد ہی اس قانون کے اثرات زائل ہو گئے۔

کیا آپ نے ملاحظہ کیا کہ حافظ ابن کثیرؒ نے آٹھویں صدی ہجری میں دشمن اسلام چنگیز خان کے وضع کردہ اس قانون کے حوالے سے کس قدر واضح اور محکم مؤقف اختیار کیا ہے؟ کیا بالکل یوں نہیں محسوس ہوتا گویا ہو چودھویں صدی ہجری کے مسلمانوں کا حال بیان کر رہے ہوں؟ البتہ دونوں زمانوں میں ایک فرق ضرور ہے۔ جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر آئے ہیں۔ وہ فرق یہ ہے کہ اس وقت یہ مرض صرف ایک حکمران طبقے کے ساتھ مخصوص تھا جو تھوڑے ہی عرصے میں امت کے رنگ میں رنگا گیا اور اس

کے منفی اثرات امت سے جلد ہی زائل ہو گئے۔ اس کے برعکس آج امت مسلمہ کی اکثریت ان خلاف شریعت قوانین کواپنا چکی ہے۔ پس ان کا حال اس وقت کے مسلمانوں سے بدر جہا برا ہے اور یہ ان سے زیادہ ظلم وظلمتوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ آج کے یہ خود ساختہ قوانین ودساتیر بھی اس زمانے کی ''یاسق'' کے مشابہ ہیں، البتہ (یہ فرق ضرور ہے) کہ اسے ایک ایسے کافر نے وضع کیا تھا جس کا کفر بالکل عیاں تھا، جبکہ آج کے یہ قوانین ایسے لوگ وضع کرتے ہیں جو بظاہر اسلام کی طرف منسوب ہیں۔ افسوس کہ آج مسلمانوں کی نئی نسلیں اسی قانون کی تعلیم حاصل کرتی ہیں، چھوٹے بڑے سبھی اس پر فخر کرتے ہیں، اور پھر اس دور جدید کے یاسق کو ماننے والے اور اپنانے والوں کو سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں اور اعلیٰ عہدوں سے نوازتے ہیں۔ اس کے برعکس جو کوئی ان کے اس طرز عمل کی مخالفت کرے تو یہ اسے حقیر جانتے ہیں، اور جو (ان جاہلی قوانین کو چھوڑ کر) دین اور شریعت کو تھامنے کی دعوت دے اسے ''رجعت پسند'' اور ''تنگ نظر'' جیسے گھٹیا الفاظ سے پکارتے ہیں۔ یہ تو حیا سے اس قدر عاری ہو چکے ہیں کہ ان خود ساختہ قوانین میں موجود باقی ماندہ شرعی احکامات بھی ان کی دست درازی سے محفوظ نہیں۔ چنانچہ کبھی نرمی اور لطافت، کبھی مکروفریب اور کبھی جبر واستبداد کا اسلوب استعمال کرتے ہوئے یہ مستقل کوشاں رہتے ہیں کہ کسی طرح ان باقی ماندہ شرعی احکامات کو بھی تبدیل کر کے (خالص کفری احکامات پر مشتمل) ایک جدید یاسق تشکیل دیں۔

اب تو یہ اس بات کا اعلان کرنے سے بھی نہیں شرماتے کہ ہم دین وسیاست کو علیحدہ کرنے کے لیے کوشاں ہیں! کیا اس سب کے بعد بھی کسی مسلمان کے لیے یہ جائز ہو سکتا ہے کہ وہ اسی ''دین جدید'' ۔۔۔یعنی انسانوں کے وضع کردہ ان جدید قوانین'' ۔۔۔کو قبول کرلے؟ کیا کسی مسلمان کے لیے یہ جائز ہو سکتا ہے کہ شریعت کی واضح تعلیمات کے منہ موڑ کر ''عصر حاضر کی یاسق'' تلے قاضی بننا قبول کرلے اور اس نئے دین پر عمل کرنے لگے؟

ہر وہ مسلمان جو اپنے دین کی معرفت رکھتا ہو، اجمالا وتفصیلا اس پر ایمان رکھتا ہو، اس بات پر بھی ایمان رکھتا ہو کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر ایک محکم کتاب کی صورت میں نازل فرمایا

اور باطل کے اس میں در آنے کی کوئی گنجائش نہیں، اور اس پر بھی ایمان رکھتا ہو کہ اس کتاب اور اس کے لانے والے رسول ﷺ کی پیروی کرنا ہر حال میں قطعی طور پر واجب ہے۔۔۔۔اس کے بارے میں تو میرا گمان یہی ہے کہ وہ بغیر کسی تردد وتاویل کے پورے یقین کے ساتھ یہ بات کہے گا کہ: ایسے قوانین کے تحت قاضی بننا بالاصل ہی باطل ہے جس کے جائز ہونے کی یا صحیح ہونے کی قطعا کوئی صورت نہیں۔ یقیناً ان ''وضعی قوانین'' (خود ساختہ قوانین) کا معاملہ اظہر من الشمس ہے۔ ان قوانین کا کفریہ قوانین ہونا اتنا واضح اور بین امر ہے جس میں کسی شک وتردد کی گنجائش نہیں۔ پس اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرنے والے کسی بھی شخص کے لیے۔۔۔۔خواہ وہ کوئی بھی ہو۔۔۔۔۔ان قوانین پر عمل کرنے سے، ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنے یا انہیں ماننے کا کوئی جواز نہیں۔ پس ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اس فتنے سے بچنے کی فکر کرے اور ہر شخص خود ہی اپنا محاسبہ کرنے کے لیے کافی ہے۔'' (عمدۃ التفسیر ۴/۱۷۱:۲:۱۷۴)۔

(ج) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ام لهم شركٰؤا شرعوا لهم من الدين ما لم يأذن به الله ولولا كلمة الفصل لقضى بينهم وان الظلمين لهم عذاب اليم﴾ [الشورىٰ : ۲۱].

''کیا یہ لوگ ایسے شریکان خدا رکھتے ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کی نوعیت رکھنے والا کوئی ایسا طریقہ مقرر کر دیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔ اور اگر فیصلے (کے دن) کا وعدہ نہ ہوتا تو (اب تک) ان کا قضیہ چکا دیا گیا ہوتا، اور یقیناً ظالموں کے لیے (اس دن) دردناک عذاب ہے''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"أى : هم لا يتبعون ما شرع الله لک من الدين القويم، بل يتبعون ما شرع لهم شياطينهم من الجن والانس، من تحريم ما حرموا عليهم، من البحيرة والسائبة والوصيلة والحام، وتحليل الميتة والدم والقمار، الى نحو ذلک من الضلالات والجهالة الباطلة، التى كانوا قد اخترعوها فى جاهليتهم ، من التحليل والتحريم، والعبادات الباطلة، والأقوال الفاسدة".

''یعنی یہ اس دین قویم کی پیروی چھوڑ کر جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مقرر فرمایا ہے، ان قوانین کی پیروی کرتے ہیں جو ان کے شیاطین جن وانس نے ان کے لیے مقرر کیے ہیں۔ ان باتوں میں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام وغیرہ کا حرام قرار دیا جانا اور مردار، خون اور جوئے کا حلال ٹھہرایا جانا بھی شامل ہے۔ یہ قوانین دور جاہلیت میں گھڑے گئے ایسے ہی دیگر گمراہ کن، باطل اور جاہلانہ امور پر مشتمل ہیں، جن میں بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام قرار دیا گیا ہے، نیز بعض فاسد اقوال اور بعض فاسد عبادات کو شامل کیا گیا ہے۔'' (تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورۃ الشوریٰ: آیت ۲۱: ۴/۱۱۲)۔

(د) امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"أتيت النبي ﷺ ،وفي عنقي صليب من ذهب، فقال "يا عدي، اطرح عنك هذا الوثن" وسمعته يقرأ في سورة البراءة ﴿اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله﴾ قال: أما انهم لم يكونوا يعبدونهم، ولكنهم كانوا اذا احلوا لهم شيئا استحلوه، واذا حرموا عليهم شيئا حرموه".

''میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میری گردن میں سونے کی صلیب لٹک رہی تھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے عدی: اس بت کو اتار پھینکو''

میں نے آپ ﷺ کو سورہ براءت (سورہ توبہ) کی یہ آیت تلاوت فرماتے ہوئے سنا

﴿انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنالیا تھا﴾

اس کی تفسیر کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

''یہ (اہل کتاب) ان (علماء اور درویشوں) کی (باقاعدہ) عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ جب وہ ان کے لیے کوئی چیز حلال قرار دیتے تو یہ لوگ اسے حلال مان لیتے اور جب وہ ان پر کوئی چیز حرام ٹھہرادیتے تو یہ اسے حرام مان لیتے (پس یہ تحریم اور تحلیل کا حق انہیں سونپ دینا ہی گویا ان کی عبادت

کرنا ہے)'' (سنن الترمذی ۵/۲۷۸ مزید حوالوں کے لئے رجوع کیجئے: سنن سعید بن منصور ۵/۲۴۵، سنن البیہقی الکبریٰ ۱۰/۱۱۶، مصنف ابن ابی شیبۃ ۷/۱۵۶، المعجم للطبرانی ۱۷/۹۲، شعب الایمان ۷/۴۵، فتح القدیر ۲/۳۵۵)۔

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے حضرت عدی بن حاتم کے سامنے یہ حقیقت واضح کی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نصاریٰ کو مشرکین میں اس لیے شمار نہیں فرمایا ہے کہ وہ اللہ کے بجائے اپنے علماء و مشائخ کے لیے مراسم عبودیت بجالاتے تھے، بلکہ انہیں اس لیے مشرک قرار دیا ہے کہ جب یہ علماء اللہ کی کتاب میں بیان کردہ حلال کو حرام یا اس میں بیان کردہ حرام کو حلال قرار دیتے تو نصاریٰ یہاں بھی ان کی پیروی کرتے تھے۔ حضرت عدی بن حاتم کا گمان یہ تھا کہ عبادت کا مفہوم صرف نماز اور روزے جیسے مراسم عبودیت تک محدود ہے۔ پس نصاریٰ چونکہ نماز اور روزے جیسی عبادات اپنے علماء اور درویشوں کے لیے نہیں (بلکہ اللہ کے لیے) ادا کرتے تھے اس لیے حضرت عدی نے یہ سمجھا کہ یہ اللہ کے سوا کسی کو رب نہیں مانتے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس شبہ کو زائل کرتے ہوئے ان پر واضح کیا کہ جب عیسائیوں کے علماء نے حرام یا حلال قرار دینے کے معاملے میں شریعت کی مخالفت کی اور اس کے باوجود بھی عیسائیوں نے ان کی اطاعت کی تو گویا انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ کے مقابلے میں رب بنالیا۔

حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی اس آیت کی یہی تفسیر مروی ہے چنانچہ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"عن أبي البختري قال: قيل لحذيفة أرأيت قول الله اتخذوا أحبارهم؟ قال: أما انهم لم يكونوا يصومون لهم ولا يصلون لهم، ولكنهم كانوا اذا أحلوا لهم شيئا استحلوه، واذا حرموا عليهم شيئا أحله الله لهم حرموه، فتلك كانت ربوبيتهم".

''ابوالبختری سے یہ روایت ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمانؓ سے پوچھا گیا کہ اللہ رب العزت

کے اس فرمان ''اتخذ وا احبارھم'' کا معنی کیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا:

اہل کتاب ان (علماء ومشائخ) کے لیے نماز، روزے جیسی عبادات نہیں بجالاتے تھے بلکہ جب وہ ان کے لیے کوئی چیز حلال قرار دیتے تو یہ اسے حلال جانتے اور جب وہ ان کے لیے اللہ کی حلال کردہ کوئی چیز حرام قرار دیتے تو یہ اسے حرام سمجھ لیتے، پس یہی تو ان کو رب بنانا ہے۔''

امام سدی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اس آیت کے تحت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لم يأمروهم ان يسجدوا لهم، ولكن أمروهم بمعصية الله فأطاعوهم، فسماهم الله بذلك اربابا".

''ان علماء اور درویشوں نے اہل کتاب کو یہ حکم نہیں دیا تھا انہیں سجدہ کریں، بلکہ انہوں نے اللہ کی نافرمانی کا حکم دیا تھا۔۔۔۔انہوں نے پھر بھی ان کی اطاعت کی اور اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے انہیں 'رب' قرار دیا'' (تفسیر الطبری ۱۰/۱۱۴: ۵۔مزید حوالوں کے لئے رجوع کیجئے: فتح القدیر ۲/۳۵۵، تفسیر ابن کثیر ۲/۳۵۰)۔

اس فہم پر سلف صالحین اور ائمہ اسلام کا اجماع ہے۔ بطور نمونہ ان میں سے بعض کے اقوال یہاں نقل کیے دیتا ہوں۔

امام ابوبکر الجصاص الحنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وانما وصفهم الله تعالىٰ بأنهم اتخذوهم أربابا، لأنهم أنزلوهم منزلة ربهم وخالقهم فى قبول تحريمهم وتحليلهم، لما لم يحرمه الله، ولم يحلله، ولا يستحق أحد أن يطاع بمثله الا الله تعالىٰ، الذى هو خالقهم، والمكلفون كلهم متساوون فى لزوم عبادة الله واتباع أمره وتوجيه العبادة اليه دون غيره".

''اللہ تعالیٰ نے ان (اہل کتاب) کے بارے میں فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو رب بنالیا تھا، کیونکہ انہوں نے چیزوں کو حلال وحرام قرار دینے کے معاملے میں انہیں اپنے

رب اور خالق جیسا مقام عطا کیا تھا۔ (پس یہ اپنے علماء ومشائخ کے حلال کردہ کو حلال اور حرام کردہ کو حرام مانتے تھے) خواہ اللہ نے انہیں حلال وحرام قرار دیا ہو یا نہ دیا ہو، حالانکہ ایسی غیر مشروط اطاعت کا مستحق تو اللہ خالق کائنات کے سوا کوئی نہیں، مکلفین تو سب کے سب ہی اللہ کی عبادت کرنے، اس کے احکامات کی پیروی کرنے اور تمام عبادات کو اسی کے لیے خالص کرنے کے ایک سے پابند ہیں'' (احکام القرآن للجصاص ۲/۲۹۷)۔

امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"﴿أربابا من دون الله﴾ يعنى سادة من دون الله، يطيعونهم فى معاصى الله، فيحلون ما أحلوه لهم مما قد حرمه الله عليهم، ويحرمون ما يحرمونه عليهم، مما قد أحله الله لهم.

وأما قوله: ﴿وما أمروا الا ليعبدوا الها واحدا﴾ فانه يعنى به وما أمر هؤلاء اليهود والنصارى الذين اتخذوا الأحبار والرهبان والمسيح اربابا الا ان يعبدوا معبودا واحدا، وأن يطيعوا الا ربا واحدا وان ارباب شتى، وهو الله الذى له عبادة كل شىء وطاعة كل خلق، المستحق على جميع خلقه الدينونة له بالوحدانية والربوبية. ﴿لا اله الا هو﴾ يقول تعالىٰ ذكره: لا تنبغى الألوهية الا لواحد الذى أمر الخلق بعبادته ولزمت جميع العباد طاعته. ﴿سبحانه عما يشركون﴾ يقول: تنزيها وتطهيرا عما يشرك فى طاعته".

''﴿اللہ کے سوا رب بنانے﴾ سے مراد ہے کہ وہ اللہ کے مقابلے میں انہیں اپنا سردار بناتے ہیں اور اللہ کی نافرمانی میں ان کی اطاعت کرتے ہیں، پس وہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو ان کے لیے حلال قرار دیتے ہیں اور اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو ان کے لیے حرام قرار دیتے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ: ﴿اور انہیں تو اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ صرف ایک معبود کی عبادت کریں﴾ تو اس کا معنی یہ ہے کہ علماء، درویشوں اور مسیح علیہ السلام کو رب بنالینے والے ان یہود

اور نصاریٰ کو تو یہی حکم تھا کہ معبود واحد کی عبادت کریں، مختلف ارباب چھوڑ کر صرف ایک رب کی اطاعت کریں، اس اللہ کی اطاعت کریں جس کی عبادت ہر شے کرتی ہے اور جس کی اطاعت کی ہر مخلوق پابند ہے، جو اس بات کا مستحق ہے کہ تمام مخلوق اسی کا دین اختیار کرے اور اسی کی وحدانیت اور ربوبیت کے سامنے سر تسلیم خم کرے۔

﴿اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں﴾ یعنی الوہیت کے لائق صرف وہی ذات واحد ہے، جس نے مخلوق کو اپنی عبادت کا حکم دیا اور تمام بندوں پر جس کی اطاعت لازم ہے۔

پھر فرمایا ﴿پاک ہے وہ اس شرک سے جو یہ اس کی جناب میں کرتے ہیں﴾ یعنی: اللہ تعالیٰ پاک اور منزہ ہے اس بات سے کہ اطاعت کے معاملے میں اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کیا جائے'' (تفسیر الطبری ۱۰/۱۱۴:۱۵۵)۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قوله تعالىٰ: ﴿ولا يتخذ بعضنا بعضا أربابا من دون الله﴾ اى لا نتبعه فى تحليل الا فيما حلله الله تعالىٰ وهو نظير قوله تعالىٰ: ﴿اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله﴾ معناه أنهم انزلوه منزلة ربهم فى قبول تحريمهم وتحليلهم لما لم يحرمه الله ولم يحلله الله"

''ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ﴿اور ہم میں سے بعض، بعض کو اللہ کے سوا رب نہ بنائیں﴾ یعنی کسی چیز کو حلال قرار دینے میں ان کی پیروی نہ کریں سوائے ان چیزوں میں جنہیں خود اللہ نے حلال قرار دیا ہو۔ یہ فرمان مبارک اللہ تعالیٰ کے ایک اور فرمان کی مانند ہے، جہاں ارشاد ہوتا ہے کہ ﴿انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا رکھا تھا﴾ یعنی وہ چیزیں جنہیں اللہ نے حرام یا حلال قرار نہیں دیا تھا، اہل کتاب نے انہیں حلال وحرام قرار دینے کے معاملے میں اپنے علماء و درویشوں کو رب کا مقام دے رکھا تھا'' (تفسیر القرطبی ۴/۱۰۶)۔

ابن حزم رحمہ اللہ، اللہ تعالیٰ کے اسی فرمان ﴿اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من

دون الله﴾ ''انہوں نے اپنے علماء و درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا رکھا تھا'' کے بارے میں فرماتے ہیں:

"لما كان اليهود والنصارىٰ يحرمون ما حرم احبارهم ورهبانهم ، ويحلون ما أحلوا كانت هذه ربوبية صحيحة وعبادة صحيحة قد دانوا بها ، وسمى الله تعالىٰ هذا العمل اتخاذ أرباب من دون الله وعبادة ، وهذا هو الشرك من دون الله بلا خلاف"

''جب یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء و درویشوں کی حرام کردہ چیزوں کو حرام اور حلال کردہ چیزوں کو حلال جانا تو یہی بات ٹھیک طور پر ربوبیت اور عبادت کہلائی، اور اللہ تعالیٰ نے اسی عمل کو 'اللہ کے سوا رب بنانے' اور 'غیر اللہ کی عبادت کرنے' سے تعبیر کیا۔ اور بلاشبہ اس عمل کے شرک ہونے میں کوئی اختلاف نہیں'' (الفصل ۳/۶۶)۔

شیخ الاسلام تیمیہ رحمہ اللہ حضرت عدی بن حاتمؓ کی حدیث کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"فقد بين النبى ﷺ أن عبادتهم اياهم كانت فى تحليل الحرام وتحريم الحلال ، لا أنهم صلوا لهم وصاموا لهم ، ودعوهم من دون الله ، فهذه عبادة الرجال ، وقد ذكر الله أن ذلك شرك بقوله : ﴿ لا اله الا هو سبحانه عما يشركون﴾ .

''نبی اکرم ﷺ نے یہاں یہ بات واضح کردی کہ حرام کو حلال قرار دینے اور حلال کو حرام قرار دینے میں ان کی بات ماننا ہی ان کی عبادت کرنا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ ان کے لیے نماز پڑھتے تھے یا ان کی خاطر روزے رکھتے تھے یا اللہ کے سوا انہیں پکارا کرتے تھے۔ (حلال وحرام قرار دینے کے مسئلے میں اللہ کے بجائے انسانوں کی اطاعت کرنا) دراصل انسانوں کی عبادت کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے وضاحت کے ساتھ اسے شرک قرار دیا ہے، چنانچہ فرمایا: اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، پاک ہے وہ اس شرک سے جو یہ اس کے ساتھ کرتے ہیں'' (مجموع الفتاوى ۷/۶۷)۔

اسی طرح امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وقوله تعالىٰ : ﴿ وان أطعتموهم انكم لمشركون﴾ أى حيث عدلتم عن أمر الله لكم وشرعه الى قول غيره ،فقدمتم ذلك ، فهذا هو شرك ، كقوله تعالىٰ : ﴿ اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله﴾ وقد روى الترمذى فى تفسيرها عن عدى بن حاتم أنه قال : يا رسول الله ما عبدوهم ، فقال : بلىٰ انهم أحلوا لهم الحرام ، وحرموا عليهم الحلال، فاتبعوهم ، فذلك عبادتهم اياهم."

"اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے ﴾ یعنی جب بھی تم نے اللہ کے احکامات اور اس کی شریعت کو چھوڑ کر کسی دوسرے کا قول اختیار کیا اور اسے اللہ کی شریعت پر مقدم ٹھہرایا تو یہی عین شرک ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا رکھا تھا﴾۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت عدی بن حاتمؓ کی روایت نقل کی ہے انہوں نے عرض کیا کہ:

"اے اللہ کے رسول: اہل کتاب نے ان کی عبادت تو نہیں کی"

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"کیوں نہیں، ان کے علماء و مشائخ نے حرام چیزوں کو حلال اور حلال کو حرام قرار دیا اور انہوں نے پھر بھی ان کی پیروی کی، اسی کو تو عبادت کہتے ہیں" (تفسیر ابن کثیر ۲/۳۵۰)۔

اسی طرح درج ذیل آیت مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

﴿اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله﴾

"انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا لیا تھا"

"وقال السدى : استنصحوا الرجال ، ونبذوا كتاب الله ورآء ظهورهم ، ولهذا قال تعالىٰ : ﴿وما أمروا الا ليعبدوا الها واحدا﴾ أى الذى اذا حرم الشىء فهو الحرام ، وما حلله فهو الحلال ، وما شرعه اتبع ، وما حكم به نفذ ﴿ لا اله الا هو

سبحانه عما يشركون ﴾ أى تعالىٰ وتقدس وتنزه عن الشركاء والنظراء والأعوان والأضداد والأولاد ، لا اله الا هو ، ولا رب سواه".

"امام سدیؒ فرماتے ہیں: (آیت مبارکہ کا مقصود یہ ہے کہ) انہوں نے انسانوں کو اپنا خیر خواہ جانتے ہوئے ان کی طرف رجوع کیا اور اللہ کی کتاب کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اور انہیں تو اسی بات کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ ایک الہ کی عبادت کریں ﴾ یعنی وہ الہ واحد جو کسی چیز کو حرام قرار دے تو وہ حرام ہوگی اور وہ جسے حلال کر دے تو وہ حلال ہوگی، وہ ذات جس کی شریعت واجب الاتباع ہے اور جس کا حکم نافذ العمل۔ ﴿اس کے سوا کوئی الہ نہیں، وہ پاک ہے اس شرک سے جو یہ اس کے ساتھ کرتے ہیں ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے مقرر کردہ شریکوں و نظیروں سے، انصار و اعوان سے اور اضداد و اولاد سے پاک اور بلند تر ہے، اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، نہ ہی اس کے سوا کوئی پروردگار ہے" (تفسیر ابن کثیر ۲/۳۵۰)۔

امام شوکانی رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

"ومعنى الآية انهم لما أطاعوهم فيما يأمرونهم به وينهونهم عنه ، كانوا بمنزلة المتخذين لهم أربابا، لأنهم اطاعوهم كما تطاع الارباب".

"آیت مبارکہ کا معنی یہی ہے کہ جب انہوں نے اپنے علماء و درویشوں کے اوامر و نواہی کی (غیر مشروط) اطاعت کی تو گویا انہیں رب بنا لیا، کیونکہ جس طرح رب کی (غیر مشروط) اطاعت کی جاتی ہے اسی طرح انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کی اطاعت بھی (غیر مشروط) انداز سے کی" (فتح القدیر ۲/۳۵۳)۔

علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"القضاء فى الأموال والأعراض والدماء بقانون مخالف لشريعة أهل الاسلام، واصدار قانون ملزم لأهل الاسلام بالاحتكام الى حكم غير حكم الله ، هذا الفعل اعراض عن حكم الله ، ورغبة عن دينه، وهذا كفر لا يشك أحد من اهل

القبلة على اختلافهم فى تكفير القائل به والداعى اليه"

''لوگوں کے جان، مال اور آبرو کے معاملات میں کسی ایسے قانون کی بنیاد پر فیصلے صادر کرنا جو شریعت کے مخالف ہو اور ایسے قانون بنانا جو مسلمانوں کو احکامات الٰہی چھوڑ کر کسی دوسرے قانون کی طرف رجوع کرنے کا پابند کرتے ہوں ۔۔۔ ایسا کرنا اللہ کے حکم سے اعراض اور اس کے دین سے کراہت کرنے کے مترادف ہے، اور اہل قبلہ کے تمام مختلف طبقات اس کے کفر ہونے میں ذرا شک نہیں کرتے، نہ ہی اس کی طرف بلانے والے اور دعوت دینے والے کو کافر کہنے میں کوئی تردد کرتے ہیں'' (حاشیہ تفسیر ابن جریر، للشیخ احمد شاکر رحمہ اللہ ۲/۳۴۸)۔

علامہ محمد امین الشنقیطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"تحكيم النظام المخالف لتشريع خالق السماوات والأرض فى أنفس المجتمع وأموالهم وأعراضهم وأنسابهم كفر، خالق السماوات والأرض، وتمرد على نظام السماء، الذى وضعه من خلق الخلائق كلها، وهو أعلم بمصالحها سبحانه وتعالىٰ ان يكون معه مشرع آخر علوا كبيرا ﴿ام لهم شركآء شرعوا لهم من الدين ما لم يأذن به اللّٰه﴾، ﴿قل أرأيتم ما أنزل اللّٰه لكم من رزق فجعلتم منه حراما وحلالا قل آللّٰه أذن لكم أم على اللّٰه تفترون﴾".

''لوگوں کے جان، مال، عزت ونسب کے معاملات میں فیصلے کے لیے خالق ارض وسماء کی نازل کردہ شریعت کے مخالف کسی نظام کی طرف رجوع کرنا خالق ارض وسماء کے ساتھ کفر اور اس کے نظام کائنات کے خلاف سرکشی ہے، جسے اس عالی ذات نے وضع کیا ہے۔۔۔ جو تمام کائنات کا خالق ہے اور اس کی مصلحت وبھلائی سے خوب واقف ہے۔ وہ بہت پاک اور بلند ہے اس بات سے کہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا بھی شریعت ساز ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿کیا یہ لوگ ایسے شریکان خدا رکھتے ہیں جنھوں نے ان کے لیے دین کی نوعیت رکھنے والا کوئی ایسا طریقہ مقرر کر دیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا﴾

اور ارشاد ہے: ﴿آپ کہہ دیجیے کہ بھلا دیکھو تو: اللہ نے تمہارے لیے جو رزق نازل فرمایا تم

ے اس میں سے بعض کو حرام ٹھہرایا اور بعض کو حلال، (ان سے) پوچھیے کہ کیا اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا یا تم اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو﴾'' (اضواء البیان ۴/۸۴)۔

دوسری فصل

دستور پاکستان میں موجود خلاف شریعت قوانین کی مثالیں

اللہ تعالیٰ کی توفیق ونصرت سے ہم اس فصل میں دستور پاکستان کی بعض ایسی دفعات کا ذکر کریں گے جو شریعت کے متفق علیہ اجماعی احکام سے متصادم ہیں۔ البتہ یہاں دستور اور شریعت اسلامی کے مابین پائے جانے والے تمام تضادات کا احاطہ کرنا مقصود نہیں، بلکہ اختصار کے پیش نظر صرف نمایاں ترین تضادات کے تذکرے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

مین نے اس بحث کو درج ذیل عنوانات میں تقسیم کیا ہے:

(۱) پہلا تضاد: نمائندگان پارلیمان کی غالب اکثریت کو غیر مشروط، غیر مقید اور مطلق حق قانون سازی حاصل ہے۔

(۲) دوسرا تضاد: بعض اشخاص اور ادارے ہر قسم کے محاکے اور محاسبے سے بالاتر ہیں

(۳) تیسرا تضاد: سربراہ ریاست (یعنی صدر) کو ہر قسم کے جرائم معاف کرنے کا حق ہے.

(۴) چوتھا تضاد: قاضی کے لیے عادل ہونے کی شرط نہیں لگائی گئی، جبکہ مسلمان ہونے کی شرط بھی محض شرعی

عدالت کے قاضی کے لئے عائد کی گئی ہے

(۵) پانچواں تضاد: سربراہ ریاست کے لئے مرد ہونے کی شرط نہیں عائد کی گئی

(۶) چھٹا تضاد: ہر اس شخص کو سزا سے تحفظ فراہم کیا گیا ہے جس نے جرم کا ارتکاب اس فعل کو قانونی طور پر

جرم قرار دیئے جانے سے قبل کیا ہو

(۷) ساتواں تضاد: ایک جرم پر دو دفعہ سزا دینے کی قطعی ممانعت

(۸) آٹھواں تضاد: سود کے حوالے سے دستور کا موقف

پہلا تضاد

نمائندگان پارلیمان کی غالب اکثریت کو غیر مشروط، غیر مقید اور مطلق حق قانون سازی حاصل ہے

آئین کی دفعات ۲۳۸ اور ۲۳۹ واضح طور پر مجلس شوریٰ (یعنی پارلیمان) کے نمائندوں کی غالب اکثریت کا یہ حق تسلیم کرتی ہیں کہ وہ دستور میں جیسے چاہیں ترمیم کریں اور اس حق کے استعمال پر کسی بھی سطح پر کوئی پوچھ گچھ اور محاسبہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔

دوسرا تضاد

بعض اشخاص اور ادارے ہر قسم کے محاکے اور محاسبے سے بالاتر ہیں

دستور پاکستان نے واضح طور پر کئی شخصیات اور اداروں کو ہر قسم کے محاکے اور محاسبے سے بالاتر قرار دیا ہے۔ نہ تو شرعی عدالت میں اور نہ ہی کسی اور عدالت میں ان کے افعال پر گرفت کرنا ممکن ہے۔ لیکن اس سے قبل کے میں مثالوں کے ذریعے اس نکتے کو واضح کروں، پہلے ہم اس کا جائزہ لیں گے کہ شریعت ایسے قانونی تحفظ کو کس نگاہ سے دیکھتی ہے چنانچہ میں نے اللہ کی توفیق سے اس بحث کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

(الف) پہلا مبحث: کیا کسی شخصیت اور ادارے کو ایسا قانونی تحفظ حاصل ہوسکتا ہے کہ وہ شرعی احکامات کی پابندی اور اطاعت سے مستثنیٰ ہو جائے؟

(ب) دوسرا مبحث: دستور پاکستان کی وہ دفعات جو بعض شخصیات کو محاکے اور محاسبے سے

بالاتر قرار دیتی ہیں۔

(الف) پہلا مبحث

کیا کسی شخصیت یا ادارے کو ایسا قانونی تحفظ حاصل ہوسکتا ہے کہ وہ شرعی احکامات کی پابندی اور اطاعت سے مستثنیٰ ہو جائے؟

یہ ایک ثابت شدہ شرعی حکم ہے کہ کسی شخص یا ادارے کو یہ دعویٰ کرنے یا یہ زعم رکھنے کا حق حاصل نہیں کہ اس کے تصرفات شرعی محاسبہ سے بالاتر ہیں۔ پس جب ایسا زعم رکھنا بھی شرعاً جائز نہیں تو باقاعدہ قانون سازی کے ذریعے کسی فرد یا ادارے کو شریعت کی پابندی سے مستثنیٰ قرار دینا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

یہاں میں مختصراً چند مثالیں ذکر کرونگا جن سے واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تمام مسلمان کس طرح شرعی احکامات اور عدالتی فیصلوں پر سر تسلیم خم کرتے تھے۔ نیز ان مثالوں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ دستور پاکستان میں موجود اس شیطانی اصول کی نظیر پوری اسلامی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی، حتیٰ کہ اسلامی نظام حکومت کے تحت گزرنے والے ظلم اور انحراف کے بدترین ادوار بھی اس شیطانی اصول سے پاک رہے ہیں۔ لیکن بالآخر فرنگی استبدادی ثقافت کے فرزند اور غاصب کفار کے آلہ کار امت پر غالب آئے اور انہوں نے اس شیطانی اصول کو باقاعدہ قانون کا درجہ دیا۔

چنانچہ ایک نام نہاد اسلامی ریاست پاکستان کے نام نہاد اسلامی دستور میں درج اس اصول کی حقیقت کھولنے کے لیے میں اپنی بحث کو درج ذیل نکات میں تقسیم کروں گا:

پہلا نکتہ: نبی کریم ﷺ کی سنت مطہرہ اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پاکیزہ سیرتوں سے اس فاسد اصول کا رد

دوسرا نکتہ: اقوال علماء سے اس فاسد اصول کا رد

تیسرا نکتہ: اسلامی تاریخ سے ایسی مثالیں جہاں سلاطین نے شرعی فیصلوں کے سامنے ہتھیار ڈالے۔

پہلا نکتہ:

نبی اکرم ﷺ کی سنت مطہرہ اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پاکیزہ سیرتوں سے اس فاسد اصول کا رد

اولاً: سنت رسول ﷺ سے دلائل

(۱) عن عائشة رضى الله عنها : ان قريشا أهمتهم المرأة المخزومية، التى سرقت، فقالوا : من يكلم رسول الله ﷺ ؟ ومن يجترىء عليه ؟ الا اسامة بن زيد حب رسول الله ﷺ ، فكلم رسول الله ﷺ ، فقال : اتشفع فى حدّ من حدود الله ؟ ثم قام فخطب قال : يا ايها الناس انما ضل من قبلكم انهم كانوا اذا سرق الشريف تركوه ، واذا سرق الضعيف فيهم أقاموا عليه الحدّ . وايم الله لو انّ فاطمة بنت محمد ﷺ . سرقت لقطع محمد يدها.

امام بخاری رحمہ اللہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک مخزومی خاتون نے چوری کی جس پر قریش کے لوگ بہت پریشان ہوئے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے محبوب اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا تو کوئی بھی آپ ﷺ سے اس خاتون کی سفارش (کرنے کی جرأت) نہیں کرسکتا۔ چنانچہ (لوگوں کے کہنے پر) اسامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس مخزومی خاتون کی سفارش کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا تم اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا:

''اے لوگوں! تم سے پہلی امتوں کے گمراہ ہونے کا سبب یہ تھا کہ جب کوئی معزز فرد چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب ان میں کوئی کمزور شخص چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ اللہ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چوری کرتی تو خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا ہاتھ کاٹتے'' (صحیح البخاری، کتاب الحدود، باب کراھیۃ الشفاعۃ فی الحد اذا رفع الی السلطان، حدیث (۶۴۰۶) ۲۴۹۱/۶)۔

امام ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث میں موجود فوائد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وفيه ما يدل على ان فاطمة عليها السلام عند ابيها ﷺ . فى اعظم المنازل.

....وفيه ترك المحاباة فى اقامة الحد على من وجب عليه ولو كان ولدا قريبا او كبير القدر والتشديد فى ذلك والانكار على من رخص فيه او تعرض للشفاعة فيمن وجب عليه.

.....وفيه الاعتبار بأحوال من مضى من الأمم ولا سيما من خالف أمر الشرع".

''یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے والد محترم ﷺ کے نزدیک عظیم ترین مقام کی حامل تھیں۔

---نیز اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کے خلاف حد قائم کرنا واجب ہو جائے تو اسے سزا سے بچانے کی کوشش کرنا درست نہیں، چاہے وہ شخص اپنا بیٹا یا قریبی رشتہ دار یا کوئی بہت محترم آدمی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ حدیث اس معاملے میں بہت سختی کا درس دیتی ہے اور اس شخص پر گرفت کرتی ہے جو کسی مستحق سزا فرد کے لئے رخصت تلاش کرے یا اس کے حق میں سفارش کرے۔

---اسی طرح یہ حدیث گزشتہ قوموں، بالخصوص شریعت کی مخالفت کرنے والوں کے احوال سے عبرت حاصل کرنا بھی سکھاتی ہے'' (فتح الباری لابن حجر، کتاب الحدود، باب کراھیۃ الشفاعۃ فی

الحد اذا رفع الی السلطان، حدیث (۲۴۰۶) ۹۶/۱۲)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اسی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ففی هذه القصة عبرة فأن أشرف بيت كان فی قريش بطنان بنومخزوم و بنو عبد مناف فلما وجب علی هذه القطع بسرقتها . التی هی جحود العارية علی قول بعض العلماء او سرقة اخرى غيرها علی قول آخرين . وكانت من أكبر القبائل وأشرف البيوت ، وشفع فيها حب رسول الله ﷺ أسامة ، غضب رسول الله ﷺ فأنكر عليه دخوله فيما حرمه الله ، وهو الشفاعة فی الحدود ، ثم ضرب المثل بسيدة نساء العالمين وقد برأها الله من ذلک. فقال :"لوان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها".

''اس واقعے میں ہمارے لیے عبرت کا سامان ہے کیونکہ بنومخزوم اور بنوعبد مناف قریش کی معزز ترین شاخیں سمجھی جاتی تھیں ۔پس جب (بنومخزوم کی) اس عورت نے چوری کی تو اس کا ہاتھ کاٹنا شرعاً واجب ہوگیا۔ اس چوری کے حوالے سے بعض علماء کا کہنا ہے کہ یہ عورت دراصل ادھار واپس کرنے سے انکاری ہوگئی تھی جبکہ بعض کے نزدیک یہ چوری ہی کا واقعہ تھا۔ اب باوجود اس کے کہ یہ عورت (عرب کے) سب سے بڑے قبیلے اور اس قبیلے کی سب سے معزز شاخ سے تعلق رکھتی تھی اور اس کے حق میں سفارش کرنے والی ہستی بھی رسول اللہ ﷺ کے محبوب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ تھے لیکن پھر بھی رسول اللہ ﷺ غصے میں آگئے اور آپ ﷺ نے اللہ کے حرام کردہ امور میں مداخلت کرنے اور حدود اللہ کے معاملے میں سفارش کرنے پر سختی سے ٹوکا۔ پھر آپ ﷺ نے سارے جہانوں کی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مثال دیتے ہوئے فرمایا۔۔۔۔ حالانکہ اللہ نے انہیں چوری جیسے قبیح فعل سے بری ہی رکھا تھا کہ:

''اگر فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چوری کرتیں تو میں ان کا ہاتھ کاٹ دیتا!''

(مجموع الفتاوی لابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی الرعیۃ، فصل فی ان الحکم بین الناس یکون

فی الحقوق والحدود، القسم الاول: الحدود والحقوق التی لیست لقوم معینین، ۲۸/۲۹۹)۔

اس حدیث شریف میں نبی اکرم ﷺ نے وضاحت سے بیان فرمادیا ہے کہ:

(الف) کوئی شخص کتنا ہی معزز کیوں نہ ہو جائے، وہ شریعت مطہرہ کے احکامات کی پابندی سے مبرا نہیں ہوسکتا۔ پھر آپ ﷺ نے اس نکتے پر زور دینے کے لیے اپنی پیاری بیٹی اور خواتین عالم کی سردار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مثال تک دے ڈالی۔ تو کیا پرویز اور اس جیسے گھٹیا لوگوں کا مقام، نعوذ باللہ، حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے مقام سے بھی بڑھ گیا ہے کہ انہیں شرعی احکامات کی پابندی سے بالاتر قرار دیا جائے؟

(ب) اس قسم کی بے جا طرف داری اور طبقاتی تفریق سابقہ امتوں کی ہلاکت کا باعث بنی اور آج پاکستان اور دیگر ممالک میں بھی ہم بعینہ یہی سب ہوتا دیکھ رہے ہیں۔

(۲) عن البراء بن عازب. رضی الله عنه . قال : مر علی النبی ﷺ . بيهودی محمما مجلودا فدعاهم ﷺ ، فقال :"هكذا تجدون حدالزانی فی كتابكم ؟" قالوا نعم فدعا رجلا من علمائهم ، فقال: "انشدک بالله . الذی انزل التوراة علی موسى. اهكذاتجدون حد الزانی فی كتابكم ؟" قال : لا ولو لا انک نشدتنی بهذا لم اخبرک. نجده الرجم . ولكنه كثر فی اشرافنا ، فكنا اذا اخذنا الشريف تركناه ، واذا أخذنا الضعيف أقمنا عليه الحد . قلنا تعالوا فلنجتمع علی شیء نقيمه علی الشريف والوضيع ، فجعلنا التحميم والجلد مكان الرجم . فقال رسول الله ﷺ : "اللّٰهم انی اول من احيا أمرک اذ اماتوه" . فأمر به فرجم فأنزل الله عز وجل : ﴿يا ايها الرسول لا يحزنک الذين يسارعون فی الكفر﴾ الی قوله ﴿ان اوتيتم هذا فخذوه﴾....الحديث

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے پاس سے ایک یہودی گزارا گیا جسے منہ کالا کر کے کوڑے مارے جارہے تھے، تو

آپ ﷺ نے ان لوگوں کو بلایا اور پوچھا کہ:

''کیا تمہاری کتاب میں زانی کی یہی سزا (حد) بیان کی گئی ہے؟''

توانہوں نے کہا: جی ہاں

پھر آپ ﷺ نے ان کے ایک عالم کو بلایا اور پوچھا:

''میں تجھے اس اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی ،کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی یہی حد پاتے ہو؟''

تو اس نے کہا:

نہیں ، اور اگر مجھے یہ قسم نہ دی ہوتی تو میں تمہیں کبھی بھی سچ نہ بتاتا۔ تورات میں تو رجم (سنگساری) کی سزا ہی مذکور ہے، لیکن کیا کریں کہ ہمارے معزز لوگوں میں زنا کا جرم کثرت سے پھیل گیا۔ پس جب ہم کسی معزز شخص کو اس جرم میں پکڑتے تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی ضعیف ہمارے ہاتھ چڑھتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ بالآخر ہم نے کہا کہ آؤ کسی ایسی سزا پر متفق ہو جائیں جو معزز اور کمتر دونوں قسم کے افراد کو دی جا سکے پھر ہم نے رجم کی جگہ منہ کالا کرنے اور کوڑے مارنے کی سزا مقرر کر دی۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اے اللہ! میں تیرے حکم کو زندہ کرنے والا پہلا شخص ہوں جسے یہ لوگ ترک کر چکے ہیں''۔

پھر آپ ﷺ نے حکم دیا اور اس یہودی کو رجم (سنگسار) کر دیا گیا۔ اس موقع پر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿یا أیھا الرسول لا یحزنک الذین یسارعون فی الکفر﴾ سے لے کر ﴿ان أوتیتم ھذا فخذوہ﴾ تک۔

(صحیح مسلم ، کتاب الحدود ، باب رجم الیھود أھل الذمة فی الزانی ، حدیث (۱۷۰۰) ۳/۱۳۲۷) .

(۳) امام بیہقی رحمہ اللہ ابی لیلیٰ رحمہ اللہ سے روایت نقل کرتے ہیں، آپ فرماتے ہیں:

"قال ان کان أسید بن حضیر رجلا ضاحکا ملیحا قال : فبینما عند رسول اللہ ﷺ . یحدث القوم ویضحکھم فطعن رسول اللہ ﷺ .باصبعه فی خاصرته ، فقال :اوجعتنی قال : "اقتص" قال: یا رسول اللہ ان علیک قمیصا ، ولم یکن علی قمیص ، قال :فرفع رسول اللہ ﷺ قمیصه، فاحتضنه ،ثم جعل یقبل کشحه ،فقال: بأبی أنت وأمی یا رسول اللہ ! اردت ھذا" .

''حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ ایک خوش مزاج اور ہنس مکھ آدمی تھے، ایک مرتبہ وہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں کچھ لوگوں کے ساتھ بات چیت کر کے انہیں ہنسا رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے پہلو میں اپنی انگلی چبھو دی، تو انہوں نے کہا:

آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تو پھر بدلہ لے لو!

انہوں نے کہا:

آپ نے تو قمیص پہن رکھی ہے جبکہ میں نے تو قمیص نہیں پہنی ہوئی تھی۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی قمیص اوپر اٹھا دی، تو وہ آپ ﷺ سے چمٹ گئے اور آپ کے پہلو کو بوسہ دینے لگے، پھر فرمایا:

اے اللہ کے رسول ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں تو بس یہی چاہتا تھا''۔

(سنن البیھقی الکبری ، باب ماجاء فی قتل الامام ۸/ ۴۹ ، وباب ما جاء فی قبلة الجسد ، حدیث (۱۳۳۶۴) ۷/ ۱۰۲ . سنن أبی داؤد ، کتاب الطاء المھملة ، طلب الاستفادة من النبی ﷺ ، حدیث (۱۶۶۱) ۲/ ۵۳) .

شیخ عجلونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اور جیسا کہ امام ذھبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، یہ روایت امام بیہقیؒ نے ابولیلیٰؒ سے قوی سند

کے ساتھ روایت کی ہے۔۔۔۔"۔

(كشف الخفاء ، حرف الطاء المهملة ، طلب الاستفادة من النبي ﷺ ، حديث (۱۶۶۱) ۲/۵۳) .

نیز شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

(مشكاة المصابيح بتحقيق الألباني حديث (۴۶۸۵) ۳/۱۴ . صحيح وضعيف سنن أبي داؤد ، حديث (۵۲۲۴) ۱۱/۲۲۴) .

(۴) شیخ اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وحدثني حبان بن واسع بن حبان عن أشياخ من قومه ان رسول الله ﷺ . عدل صفوف أصحابه يوم بدر ، وفي يده قدح يعدل به القوم ، فمر سواد بن غزية حليف بني عدي بن النجار وهو مستنتل من الصف ، فطعن في بطنه بالقدح ، وقال : "استو يا سواد " فقال : يا رسول الله اوجعتني ، وقد بعثك الله بالحق والعدل ، قال : فأقدني. فكشف رسول الله ﷺ عن بطنه وقال : "استقد" قال : فاعتنقه ، فقبل بطنه ، فقال : "ما حملك على هذا يا سواد ؟" قال : يا رسول الله ، حضر ما ترى ، فأردت ان يكون آخر العهد بك ان يمس جلدي جلدك . فدعا له رسول الله ﷺ بخير .

"مجھ سے حبان بن واسع بن حبان نے اپنی قوم کے بزرگوں سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا کہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کی صفیں درست فرما رہے تھے اور آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک لاٹھی تھی جس کے ذریعے آپ صفوں کو سیدھا کر رہے تھے، کہ اسی دوران آپ کا گذر بنی عدی بن النجار کے حلیف سواد بن غزیہ (رضی اللہ عنہ) پر ہوا، جو صف سے قدرے آگے نکلے ہوئے تھے، تو آپ نے ان کے پیٹ پر لاٹھی چھو کر فرمایا:

اے سواد! سیدھے ہو جاؤ !

تو سواد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول ﷺ ! آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے، اور اللہ نے آپ کو حق وعدل کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، لہذا مجھے بدلہ چاہیے۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے بطن مبارک سے کپڑا اٹھایا اور ان سے فرمایا:

بدلہ لے لو۔

تو وہ آپ ﷺ کے ساتھ چمٹ گئے اور آپ کے بطن مبارک کا بوسہ لینے لگے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اے سواد! کس بات نے تمہیں یہ حرکت کرنے پر ابھارا؟

انہوں نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول آپ جانتے ہیں کہ دشمن سے ٹکراؤ کا موقع آگیا ہے، پس میں چاہتا تھا کہ میرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق کا اختتام یہ ہو کہ میری جلد آپ کی جلد کو چھولے۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعائے خیر فرمائی"۔

(سيرة ابن هشام ، غزوة بدر الكبرى ۱/۶۲۶) .

شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سند حسن ہے۔

(السلسلة الصحيحة حديث (۲۸۳۵) ۶/۳۳۴) .

ثانیاً:

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کی پاکیزہ سیرتوں سے دلائل

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اسوہ

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وقال محمد بن اسحاق : حدثني الزهري ، حدثني انس بن مالك ، قال

: لما بويع ابو بكر في السقيفة وكان الغد جلس ابو بكر في المنبر ، وقام عمر فتكلم قبل ابي بكر ، ثم تكلم ابو بكر فحمد الله واثنى عليه بما هو اهله .

ثم قال : اما بعد ايها الناس فاني قد وليت عليكم ولست بخيركم ، فان احسنت فأعينوني ، وان اسأت فقوموني . الصدق أمانة ، والكذب خيانة ، والضعيف منكم قوي عندي حتى أزيح علته ان شاء الله ، والقوي فيكم ضعيف حتى آخذ من الحق ان شاء الله ، لا يدع قوم جهاد في سبيل الله الا ضربهم الله بالذل ، ولا يشيع قوم قط الفاحشة الا عمهم الله بالبلاء .

اطيعوني ما اطعت الله ورسوله ، فاذا عصيت الله ورسوله ، فلا طاعة لي عليكم ، قوموا الى صلاتكم يرحمكم الله" .

وهذا اسناد صحيح . فقوله رضي الله عنه . "وليتكم ولست بخيركم" من باب الهضم والتواضع ، فانهم مجمعون على انه افضلهم وخيرهم رضي الله عنهم".

''محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے زہریؒ اور زہریؒ کو انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جب سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہوگئی تو اگلے دن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ منبر خلافت پر بیٹھے اور آپ سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گفتگو کی۔ اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے ساتھ اپنی گفتگو کا آغاز کیا، پھر فرمایا:

''اے لوگو ! مجھے تمہارا امام مقرر کیا گیا ہے حالانکہ میں تم میں بہترین آدمی نہیں ہوں، لہذا اگر میں اچھا کام کروں تو میری مدد کرنا اور اگر میں غلط کام کروں تو مجھے سیدھا کر دینا۔ سچ بولنا امانت داری ہے اور جھوٹ بولنا خیانت ہے۔ تم میں سے کمزور آدمی میرے نزدیک طاقت ور ہے یہاں تک کہ میں اللہ کی مشیت سے اس کی مشکل دور نہ کردوں، اور تم میں سے طاقت ور آدمی میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ میں اللہ کی مشیت سے کمزور کا حق اس سے وصول نہ کرلوں۔ اور (یاد رکھو کہ) جب کوئی قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ بیٹھے تو اللہ تعالیٰ اس پر ذلت مسلط کر دیتے ہیں اور جب کسی قوم میں فحاشی پھیل

جائے تو اللہ تعالیٰ اس پوری قوم پر عذاب نازل فرما دیتے ہیں۔ میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا رہوں، اور جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر سے میری اطاعت بھی ساقط ہو جائے گی۔ اب نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ، اللہ تم پر رحم فرمائے۔''

اس روایت کی سند صحیح ہے۔ رہا آپ کا یہ فرمانا کہ: ''مجھے تمہارا امام مقرر کیا گیا ہے حالانکہ میں تم میں سے بہترین آدمی نہیں ہوں'' تو یہ آپ کی تواضع اور انکساری ہے، ورنہ اس امر پر تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماع تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ان سب سے افضل اور سب سے بہتر تھے''۔

(البداية والنهاية ، فصل في ذكر أمور وقعت بعد وفاته ﷺ وقبل دفنه ومن أعظمها وأجلها وأيمنها بركة على الاسلام وأهله بيعة أبي بكر الصديق رضي الله ٥/٢٤٨ . مزید دیکھئے : تاريخ الطبري ، ثم دخلت سنة احدى عشرة ٢/٢٣٨ . المعجم الأوسط للطبراني ، باب العين ، من اسمه منتصر ، حديث (٨٥٩٧) ٨/٢٦٧ . مجمع الزوائد ، كتاب الخلافة ، باب الخلفاء الأربعة ٥/١٨٣ . كنز العمال ، حرف الخاء ، كتاب الخلافة مع الامارة حديث (١٤٠٥٠) ، (١٤٠٦٤) ، (١٤٠٧٣) ، (١٤١١٢) ٥/٨٥٩ الى ٦٢٢ تاريخ الخلفاء ، أبو بكر الصديق ، فصل في مبايعته رضي الله عنه ١/٦٧ ، ٦٨) .

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے منصب خلافت سنبھالنے کے بعد اپنے اس پہلے اور عظیم الشان خطبے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ اسلامی مملکت کے بنیادی اصول بیان فرمائے ہیں۔ انہی اصولوں میں سے چند ایک یہ ہیں:

(الف) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ امت سے اس بات کا مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ نیکی کے کاموں میں آپ کی مدد کرے اور غلط کاموں میں آپ کے آڑے آ کر آپ کو سیدھا کرے۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر میں غلط کام کروں تو تم میرے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے اور تمہیں میرا محاسبہ کرنے، میرے خلاف مقدمہ کرنے یا مجھے سزا دینے کا کوئی اختیار نہیں۔ جب کہ دستور پاکستان میں یہی فاسد

اصول درج ہے۔

(ب) پھر آپؓ نے نہایت تاکید کے ساتھ یہ بیان فرمایا کہ امت کا کمزور فرد آپؓ کی نظر میں قوی ہے یہاں تک کہ آپؓ اسے اس کا حق نہ دلا دیں اور امت کا قوی فرد آپؓ کی نگاہ میں کمزور ہے یہاں تک کہ آپؓ اس سے کمزور کا حق وصول نہ کرلیں۔ پس آپؓ نے دستور پاکستان کی طرح لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم نہیں کیا کہ ایک طرف تو وہ عامۃ الناس ہیں جو عدالتوں میں گھسیٹے جانے اور محاسبے اور سزا کے مستحق ہیں، جبکہ دوسری طرف اعلیٰ مناصب پر براجمان وہ طبقہ ہے جو ہر قسم کے محاکے اور سزا سے بالاتر ہے۔

(ج) پھر آپؓ نے اپنی اطاعت کے حکم کو اللہ کی اطاعت کے ساتھ مشروط کیا ہے کہ اگر آپؓ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں تو خالق کی معصیت میں امت آپؓ کی اطاعت نہ کرے۔ آپؓ کے اس مؤقف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام کے سیاسی نظام میں اقتدار اعلیٰ صرف شریعت کو حاصل ہے نہ کہ اکثریت کو۔ تمام احکام وقوانین تب ہی واجب الاتباع قرار پاتے ہیں جب وہ شریعت کے تابع اور اس سے موافق ہوں۔ حاکم کا حق امر بالمعروف ونہی عن المنکر بھی اس شرط کے ساتھ مقید اور اسی اصول پر مبنی ہے اور امت پر حکمران کی اطاعت بھی جبھی واجب ہوتی ہے جب وہ شریعت کی تابع داری پر قائم ہو۔ یہاں بھی دستور پاکستان اور شریعت اسلامی کے درمیان خطرناک تضاد نظر آتا ہے، کیونکہ دستور پاکستان ارکان پارلیمان کی غالب اکثریت کو بغیر کوئی شرط یا قید عائد کیے اقتدار اعلیٰ کا مالک قرار دیتا ہے جیسا کہ پچھلی بحث میں قدرے تفصیل سے بات گزر چکی ہے۔

(۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اسوہ

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ابوفراسؒ سے روایت نقل فرمائی ہے، وہ کہتے ہیں کہ عمر بن خطابؓ نے فرمایا:

"الا انی واللّٰہ ما أرسل عمالی الیکم لیضربوا أبشارکم ، ولا لیأخذوا أموالکم ، ولکن ارسلھم الیکم لیعلموکم دینکم وسنتکم ، فمن فعل بہ شیء سوی

ذلک ، فلیرفعہ الی ، فوالذی نفسی بیدہ اذن لأقصنہ منہ . فوثب عمرو بن العاص فقال : یا أمیر المؤمنین . أو رأیت ان کان رجل من المسلمین علی رعیۃ فأدب بعض رعیتہ أئنک لمقتصہ منہ ؟ قال : ای والذی نفس عمر بیدہ ، اذن لأقصنہ منہ ، وقد رأیت رسول اللّٰہ ﷺ یقص من نفسہ"۔

"لوگو، سن لو! اللہ کی قسم، میں اپنے عامل تمہارے پاس اس لیے نہیں بھیجتا کہ وہ تمہارے جسم پر کوڑے برسائیں یا تمہارے اموال ہڑپ کر جائیں۔ میں تو انہیں تمہارے پاس اس لیے بھیجتا ہوں کہ تمہیں تمہارے دین اور سنت کی تعلیم دیں، لہذا جس کے ساتھ بھی اس کے برعکس معاملہ ہو وہ اپنی شکایت مجھ تک پہنچائے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! میں ظلم کا نشانہ بننے والے کو ضرور بدلہ دلاؤنگا۔

یہ بات سنتے ہی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

اے امیر المؤمنین ! اگر مسلمانوں پر مقرر کردہ کوئی ذمہ دار اپنی رعایا کو ادب سکھانے کے لیے ایسا کرے تب بھی آپ اس سے انتقام لیں گے؟

تو عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

جی ہاں، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں عمر کی جان ہے! میں تب بھی اس سے ضرور بدلہ لونگا، کیونکہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو بھی اپنے آپ کو بدلے کے لیے پیش کرتے دیکھا ہے"۔

(مسند أحمد ، مسند عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ ، حدیث (۲۸۶) ۱/۴۱ . سنن أبی داؤد ، کتاب الدیات ، باب القود من الضربۃ وقص الأمیر من نفسہ ، حدیث (۴۵۳۷) ۴/۱۸۳ . الأحادیث المختارۃ للضیاء المقدسی حدیث (۱۱۶) ۱/۲۱۹ . المستدرک علی الصحیحین للحاکم النیسابوری ، کتاب الفتن والملاحم ، حدیث (۸۳۵۶) ۴/۴۸۵ . مصنف ابن أبی شیبۃ ، ما یوصی بہ الامام الولاۃ اذا بعثھم ، حدیث (۳۲۹۲۱) ۶/۴۶۱ . السنن الکبری للبیہقی ، باب

ما جاء فی قتل الامام ۴۸/۸ وباب الامام لا یجمر بالغزی ۲۹/۹ وباب ما علی الوالی من أمر الجیش ۴۲/۹ . مسند أبی یعلی ، مسند عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ ، حدیث (۱۹۶) ۱/۱۷۵ . تاریخ الطبری ، ثم دخلت سنة ثلاثة وعشرین ، ذکر الخبر عن وفاة عمر ، ذکر بعض شیرہ ۲/۵۶۷) .

شیخ احمد شاکر رحمہ اللہ نے اس روایت کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

(الحریة أو الطوفان للدکتور حاکم المطیری ص : ۸۳) .

دوسرا نکتہ:

اقوال علماء سے اس فاسد اصول کا رد

(الف) امام شافعی رحمہ اللہ کا قول

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ذکر اللّٰہ ما فرض علی أهل التوراة فقال عز وجل : ﴿وکتبنا علیهم فیها أن النفس بالنفس﴾ الی قوله ﴿فهو کفارة له﴾ ، وروی فی حدیث عن عمر أنه قال "رأیت رسول اللّٰہ ﷺ یعطی القود من نفسه ، وأبا بکر یعطی القود من نفسه ، وأنا أعطی القود من نفسی".

"اہل تورات پر فرض کردہ قصاص کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالی فرماتے ہیں ﴿اور ہم نے ان پر فرض کیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلہ آنکھ، ناک کے بدلہ ناک، کان کے بدلہ کان، دانت کے بدلہ دانت اور تمام زخموں کے لئے برابر کا بدلہ ہے، پھر جو قصاص کا صدقہ کردے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہے﴾۔

اور حضرت عمر رضی اللہ سے نقل کردہ حدیث میں مروی ہے کہ آپ ؓ نے فرمایا:

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ اپنی ذات کو بھی بدلے کے لئے پیش کیا کرتے تھے، اسی طرح ابوبکر رضی اللہ کو دیکھا کہ وہ بھی اپنے آپ کو بدلے کے لئے پیش کرتے تھے، اور میں بھی اپنے آپ کو بدلے کے لئے پیش کرتا ہوں"۔

(معرفة السنن والآثار للبیهقی ، کتاب الجراح ، القصاص فیما دون النفس ۱۳/۱۹۲ ، ۱۹۳ . مصنف عبد الرزاق ، باب قود النبی ﷺ من نفسه ۹/۴۶۸ . الطبقات الکبریٰ لابن سعد ، ذکر اعطائه القود من نفسه ﷺ ۱/۳۷۴) .

پھر امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"ولم أعلم مخالفاً فی أن القصاص فی هذه الأمة کما حکم اللّٰہ عز وجل انه حکم به بین أهل التوراة . ولم أعلم مخالفاً فی أن القصاص بین الحرین المسلمین فی النفس وما دونها من الجراح ، التی یستطاع فیها القصاص بلا تلف یخاف علی المستفاد منه من موضع القود".

"مجھے نہیں معلوم کہ کسی اہل علم نے اس بات سے اختلاف کیا ہو کہ اس امت میں بھی قصاص کا حکم ویسا ہی ہے جیسے اللہ تعالی نے اہل تورات پر نازل فرمایا تھا۔ اور میرے علم کے مطابق اس بارے میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ دو آزاد مسلمانوں کے درمیان جان کا قصاص بھی ہوتا ہے اور جان سے کم تر ایسے زخموں کا قصاص بھی جن کا قصاص لینے سے اس شخص کی جان تلف ہونے کا اندیشہ نہ ہو جس سے قصاص لیا جارہا ہے"۔

(الأم ، جماع القصاص فیما دون النفس ۶/۵۰) .

(ب) امام قرطبی رحمہ اللہ کا قول

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"واجمع العلماء علی أن علی السلطان أن یقتص من نفسه ان تعدی علی أحد من ریعته . اذ هو واحد منهم . وانما له مزیة النظر لهم کالوصی والوکیل .

وذلک لایمنع القصاص . ولیس بینهم وبین العامة فرق فی أحکام اللّٰه عز وجل ، لقوله جل ذکره : ﴿کتب علیکم القصاص فی القتلی﴾ وثبت عن أبی بکر الصدیق رضی اللّٰه عنه أنه قال لرجل شکا الیه أن عاملاً قطع یده لئن کنت صادقاً لأقیدنک منه . وروی النسائی عن أبی سعید الخدری قال بینا رسول اللّٰه ﷺ یقسم شیئاً اذا أکب علیه رجل ، فطعنه رسول اللّٰه ﷺ بعرجون کان معه ، فصاح الرجل ، فقال له رسول اللّٰه ﷺ : "تعال فاستقد" . قال بل عفوت یا رسول اللّٰه . وروی أبو داؤد عن أبی فراس قال خطب عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه فقال ألا من ظلمه أمیره فلیرفع ذلک الی أقیده منه . فقام عمرو بن العاص فقال یا أمیر المؤمنین لئن أدب رجل منا رجلاً من أهل رعیته لنقصنه منه ؟ قال کیف لا أقصه منه ؟ وقد رأیت رسول اللّٰه ﷺ یقص من نفسه . ولفظ أبی داؤد السجستانی عنه قال خطبنا عمر بن الخطاب فقال انی لم أبعث عمالی لیضربوا أبشارکم ، ولا لیأخذوا أموالکم ، فمن فعل ذلک به ، فلیرفعه الی أقصه منه" .

اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ اگر حاکم اپنی رعایا میں سے کسی پر زیادتی کرے تو اسے بھی قصاص دینا ہوگا، کیونکہ وہ بھی انہی کی طرح کا ایک فرد ہے۔ البتہ حاکم کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اسے وصی اور وکیل کی طرح لوگوں کے امور نگاہ رکھنے اور ان کی نگرانی کرنے کا حق حاصل ہے، لیکن یہ حق حاکم سے قصاص لینے میں رکاوٹ نہیں بنتا۔ اللہ کے احکامات کے سامنے حکام اور عوام سب یکساں ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان سب مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ ﴿اے ایمان والو! تم پر مقتولین کے بارے میں قصاص فرض کیا گیا ہے﴾

اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ ایک شخص نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر شکایت کی کہ ان کے مقرر کردہ عامل نے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے، تو آپؓ نے فرمایا:

''اگر تم سچے ہو تو میں تمہیں ضرور بدلہ دلاؤں گا''۔

اسی طرح امام نسائیؒ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کچھ تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک شخص آپ ﷺ پر اوندھا آ پڑا، تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے پاس موجود لاٹھی اسے چبھوائی۔ اس پر وہ شخص چیخ اٹھا، تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا:

''آگے آؤ اور بدلہ لے لو''۔

اس نے کہا ''اے اللہ کے رسول ﷺ! بلکہ میں نے معاف کیا''۔

نیز ابوداؤد الطیالسیؒ نے ابوفراسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

''سن لو! جس شخص پر بھی اس کا امیر ظلم کرے تو وہ اپنی شکایت میرے پاس لائے، میں اسے بدلہ دلاؤں گا''۔

یہ سن کر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

''اے امیر المومنین! اگر ہم (امرا) میں سے کوئی شخص اپنی رعایا میں سے کسی کو ادب سکھانے کے لئے مارے تب بھی آپؓ اس سے بدلہ لیں گے؟''۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں بدلہ کیوں دلواؤں جب کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو اپنے آپ کو بدلے کے لئے پیش کرتے دیکھا ہے؟''۔

ابوداؤد بجستانیؒ اسی روایت کو ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

''بے شک میں اپنے عامل تمہارے پاس اس لئے نہیں بھیجتا کہ وہ تمہاری جلد پر کوڑے برسائیں یا تمہارے اموال ہڑپ کر جائیں۔ لہٰذا جس کے ساتھ بھی ایسا معاملہ کیا جائے وہ اپنی شکایت مجھ تک پہنچائے، میں اسے ضرور بدلہ دلاؤں گا''۔

(تفسیر القرطبی ، تفسیر قوله تعالیٰ : ﴿ولکم فی القصاص حیاة یا أولی

الألباب لعلکم تتقون﴾ [البقرة : ۱۷۹] . (۲۵۶/۲) .

(ج) امام ابوبکر الجصاص الحنفی رحمہ اللہ کا قول:

امام ابوبکر جصاص حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فأجری النبی ﷺ فرض الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر مجری سائر الفروض فی لزوم القیام به مع التقصیر فی بعض الواجبات .

ولم یدفع أحد من علماء الأمة وفقهائها وسلفهم وخلفهم وجوب ذلک الا قوم من الحشو وجهال أصحاب الحدیث ، فانهم أنکروا قتال الفئة الباغیة والأمر بالمعروف والنهی عن المنکر بالسلاح ، وسموا الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر فتنة اذا احتیج فیه الی حمل السلاح وقتال الفئة الباغیة ، مع ما قد سمعوا فیه من قول الله تعالی ﴿فقاتلوا التی تبغی حتی تفیء الی أمر الله﴾ وما یقتضیه اللفظ من وجوب قتالها بالسیف وغیره .

وزعموا مع ذلک أن السلطان لا ینکر علیه الظلم والجور وقتل النفس التی حرم الله ، وانما ینکر علی غیر السلطان لها ؛ لأنهم أقعدوا الناس عن قتال الفئة الباغیة وعن الانکار علی السلطان الظلم الجور .

حتی أدی ذلک الی تغلب بل المجوس ، وأعداء الاسلام حتی ذهبت الثغور ، وشاع الظلم ، وخربت البلاد ، وذهب الدین والدنیا ، وظهرت الزندقة والغلو ومذاهب الثنویة والخرمیة والمزدکیة ، والذی جلب ذلک کله علیهم ترک الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر والانکار علی السلطان الجائر ، والله المستعان".

"نبی اکرم ﷺ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کو بھی باقی فرائض کی مانند قرار دیا ہے، یعنی (جس طرح کسی دوسرے فرض کو یہ کہہ کر چھوڑنا جائز نہیں کہ چونکہ مجھ سے فلاں فلاں

واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی ہوتی ہے، اس لئے میں یہ فرض بھی نہیں ادا کروں گا، بالکل اسی طرح) کچھ واجبات کی ادائیگی میں کمزوری کے سبب امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو چھوڑنا بھی جائز نہیں۔

خلف وسلف کے علماء اور فقہا میں سے کسی ایک نے بھی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی فرضیت میں اختلاف نہیں کیا۔ البتہ گروہ حشویہ کے بعض لوگوں نے اور بعض جاہل اصحاب حدیث نے باغیوں سے قتال اور مسلح قوت کے ذریعے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کو غلط کہا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک اگر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی خاطر ضرورت پڑنے پر بھی ہتھیار اٹھائے جائیں تو یہ فتنہ ہوگا۔ اسی طرح یہ لوگ باغی گروہ کے خلاف قتال کو بھی فتنے سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ اس کی بابت یہ لوگ اللہ تعالی کا یہ فرمان مبارک بھی سن چکے ہیں: ﴿پس بغاوت کرنے والے گروہ سے قتال کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے﴾ یہ آیت صراحت کے ساتھ تلوار اور دیگر ذرائع سے قتال کرنے کو واجب قرار دے رہی ہے۔

اسی طرح ان کا موقف ہے کہ حاکم اگر ظلم وجبر کرے اور لوگوں کو ناحق قتل کرے، تب بھی اسے ٹوکنا درست نہیں۔ البتہ حاکم کے سوا دیگر لوگوں کو زبان اور ہاتھ سے روکا جائے گا، لیکن ان کے خلاف بھی یہ تلوار اٹھانے کے قائل نہیں۔

پس یہ لوگ اس امت کے حق میں اس کے کھلے دشمنوں سے بھی زیادہ مہلک ثابت ہوئے ہیں، کیونکہ انہوں نے امت کو باغی گروہ کے خلاف قتال اور بادشاہوں کے ظلم وجبر پر انکار سے روک دیا ہے۔ ان کے اس باطل موقف کے نتیجے میں فساق وفجار غالب آئے، مجوس اور دیگر دشمنان اسلام کے تسلط کی راہ ہموار ہوئی، اسلامی سرحدات پامال ہوئیں، ظلم پھیل گیا، بستیاں برباد ہوئیں، دین ودنیا لٹ گئے اور زندقہ، غلو اور مذاہب ثنویہ، خرمیہ اور مزدکیہ پروان چڑھے۔ مسلمانوں پر یہ تمام مصائب مسلط ہونے کا سبب یہی تھا کہ وہ امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ظالم بادشاہ کو ظلم سے روکنا چھوڑ بیٹھے تھے، واللہ المستعان"۔

(أحکام القرآن للجصاص ، سورة آل عمران ، باب فرض الأمر

بالمعروف والنهی عن المنکر ۳/۴۶۷ : ۴۶۸).

یہاں امام جصاص رحمہ اللہ نے نہایت زور دے کر یہ بات بیان فرمائی ہے کہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا واجب ہے خواہ اس کا مخاطب امت کا حاکم ہو یا کوئی عام مسلمان۔ پھر اس کے بعد پاکستانی دستور کو کیسے اسلامی دستور کہا جا سکتا ہے جبکہ یہ دستور اور بعض دیگر اعلیٰ سطحی عہدیداران کو ہر قسم کی پوچھ گچھ اور روک ٹوک سے بالاتر قرار دیتا ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو قدرے چھوٹی بات ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تو ظالم حکمرانوں کے خلاف مسلح خروج کے معاملے میں بھی اپنے سخت مؤقف کے سبب معروف ہیں۔ اگر خروج کا مسئلہ یہاں خارج از بحث نہ ہوتا تو میں ضرور اللہ کی توفیق سے، اس بارے میں تفصیلی بات کرتا۔

(د) ابن حزم رحمہ اللہ کا قول

ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"الامام الواجب طاعته ما قادنا بكتاب الله تعالى وبسنة رسول الله ﷺ، الذى أمر الكتاب باتباعها، فان زاغ عن شىء منهما منع من ذلک، أو أقيم عليه الحد والحق".

"امام کی اطاعت اس وقت تک واجب ہے جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت..... جس کی اتباع کا حکم خود کتاب اللہ نے دیا ہے..... کے مطابق ہماری قیادت کرے۔ اگر وہ ان دونوں کے کسی بھی حکم سے روگردانی کرتا ہے تو اسے روکا جائے گا، یا اس پر حد قائم کی جائے گی اور اس حق وصول کیا جائے گا"۔

(الفصل فى الملل والأهواء والنحل، الكلام فى الامامة والمفاضلة ۱/۴۲۶).

ایک اور مقام پر آپ فرماتے ہیں:

"والواجب ان وقع شىء من الجور وان قل أن يكلم الامام فى ذلک ويمنع

منه، فان امتنع وراجع الحق وأذعن للقود من البشرة أو من الأعضاء ولاقامة حد الزنا والقذف والخمر عليه فلا سبيل الى خلعه، وهو امام كما كان، لا يحل خلعه. فان امتنع من انفاذ شىء من هذه الواجبات عليه ولم يراجع وجب خلعه، واقامة غيره ممن يقوم بالحق لقوله تعالى: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان﴾، ولا يجوز تضييع شىء من واجبات الشرائع".

"اگر حاکم سے کچھ ظلم واقع ہو جائے، اگرچہ کم ہی کیوں نہ ہو، تو حاکم سے اس بارے میں پوچھ گچھ کرنا اور اسے منع کرنا واجب ہے۔ پھر اگر تو وہ باز آجائے اور حق کی طرف رجوع کر لے اور اپنی جلد یا اپنے اعضاء کو بدلے کے لئے پیش کر دے؛ اور زنا، بہتان یا شراب نوشی کی صورت میں خود کو حد نافذ کئے جانے کے لئے پیش کر دے...... تو اسے خلافت کے منصب سے ہٹانا جائز نہیں اور وہ اسی طرح بطور امام باقی رہے گا جیسا کہ پہلے تھا۔ البتہ اگر وہ اپنے آپ کو ان واجبات کے نفاذ کے لئے پیش کرنے سے انکار کر دے اور حق کی طرف رجوع نہ کرے، تو اسے اس کے منصب سے ہٹانا اور کسی حق پرست حکمران کو اس کی جگہ لانا واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اور نیکی وتقویٰ کے کاموں پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، اور گناہ وسرکشی پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون مت کرو﴾ اور شریعت کے واجب کردہ امور میں سے کسی ایک حکم کو بھی ضائع کرنا جائز نہیں (لہٰذا جب کوئی حاکم شرعی واجبات کی ادائیگی پر تیار نہ ہو تو اس گناہ میں اس سے تعاون کرنا اور اسے بطور حاکم برقرار رکھنا درست نہیں)"۔

(الفصل فى الملل والأهواء والنحل، الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر ۲/۱۶).

اسی طرح حدیث **"أقيلوا ذوى الهيئات عثراتهم"** (یعنی معزز لوگوں کی لغزشوں سے درگذر کرو) پر بحث کرتے ہوئے امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وليس فيه اسقاط حد ولا قصاص. وقد قال رسول الله ﷺ: "المؤمنون تتكافؤهم". وقال تعالى: ﴿انما المؤمنون اخوة﴾. فباذا كانوا اخوة فهم نظراء فى الحكم كله. وقال رسول الله ﷺ: "انما هم كذلک بنو اسرائيل،

کانوا اذا سرق فیهم الشریف ترکوه ، واذا سرق فیهم الضعیف أقاموا علیه الحد . والذی نفسی بیده لو سرقت فاطمة بنت محمد لقطعت یدها" أو کما قال علیه الصلاة والسلام مما ذکرناه باسناده فیما خلا" .

اس حدیث سے یہ مراد لینا درست نہیں کہ صاحب حیثیت لوگوں پر سے حد اور قصاص بھی ساقط ہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

''مومنین کے خون برابر ہیں''۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں﴾

پس جب وہ بھائی بھائی ہیں تو تمام احکامات میں بھی برابر ہیں۔اسی طرح رسول اللہ ﷺ یہ بھی فرماتے ہیں:

''بنی اسرائیل بھی اسی طرح تھے، کہ جب ان میں کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی ضعیف آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کردیتے۔اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کریں تو میں ان کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں''۔(أو کما قال علیه الصلاة والسلام) یہ حدیث ہم سند سمیت پہلے ذکر کر چکے ہیں''۔

(المحلی ، مسألة رقم ۹(۲۰۹) ، اقالة ذی الهیئة عثرته ۱۰/ ۵۲۴) .

(ہ) امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ قول:

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ یہود ونصاریٰ کے متعلق بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وذلک یقتضی أن مجانبة هدیهم مطلقاً أبعد عن الوقوع فیما به هلکوا ، وأن المشارک لهم فی بعض هدیهم یخاف علیه أن یکون هالکاً . ومن ذلک أنه ﷺ حذرنا عن مشابهة من قبلنا فی أنهم کانوا یفرقون فی الحدود بین الأشراف والضعفاء ، وأمر أن یسوی بین الناس فی ذلک ، وأن کثیراً من ذوی الرأی

والسیاسة یظن أن اعفاء الرؤساء أجود فی السیاسة" .

''گویا یہود ونصاریٰ کے طور طریقوں سے مکمل اجتناب ہی ان خصلتوں سے بچنے کا واحد ذریعہ ہے جو ان کی ہلاکت کا باعث بنی تھیں۔اور جس کسی نے چند امور میں بھی یہود ونصاریٰ کی پیروی کی اس کے ہلاکت میں جا پڑنے کا اندیشہ ہے۔اسی لئے آپ ﷺ نے ہمیں پچھلے لوگوں کی اس خصلت سے بچنے کی تلقین کی ہے کہ وہ حدود کے معاملے میں معزز و بااثر لوگوں اور ضعیف درماندہ لوگوں کے درمیان تفریق کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم حدود کے معاملے میں سب کے درمیان مساوات کریں۔لیکن اس کے برعکس بہت سے صاحب رائے اور ماہر سیاست حضرات کے نزدیک قوم کے بڑوں کو معاف کردینا ہی سیاسی اعتبار سے زیادہ بہتر ہوتا ہے (جو رسول اللہ ﷺ کے حکم سے صریح متصادم ہے)''۔

پھر آپؒ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی مخزوی عورت والی حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"وکان بنو مخزوم من أشرف بطون قریش ، واشتد علیهم أن تقطع ید امرأة منهم ، فبین النبی ﷺ أن هلاک بنی اسرائیل انما کان فی تخصیص رؤساء الناس بالعفو عن العقوبات ، وأخبر أن فاطمة ابنته ـ التی هی أشرف النساء ـ لو سرقت ـ وقد أعاذها الله من ذلک ـ لقطع یدها ، لیبین ان وجوب العدل والتعمیم فی الحدود لا یستثنی منه بنت الرسول فضلاً عن بنت غیره ، وهذا یوافق ما فی الصحیحین عن عبد الله بن مرة عن البراء بن عازب رضی الله عنه قال مر علی النبی ﷺ بیهودی محمم مجلود فدعاهم ، فقال : "أهکذا تجدون حد الزانی؟" ... الحدیث" .

''بنو مخزوم قریش کی معزز ترین شاخ تھے۔ان پر یہ بات انتہائی گراں گزری کہ ان میں سے کسی عورت کا ہاتھ کاٹا جائے، لیکن نبی اکرم ﷺ نے ان پر واضح کردیا کہ بنی اسرائیل کی ہلاکت کا باعث

بھی یہی بات تھی کہ وہ قوم کے بڑوں سے خصوصی رعایت کرتے ہوئے ان کی سزائیں معاف کردیا کرتے تھے۔ نیز آپ ﷺ نے بتلادیا کہ اگر آپ ﷺ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا..... جو تمام عالم کی عورتوں سے زیادہ معزز ہیں..... اگر وہ بھی چوری کی مرتکب ہوتیں، اگرچہ اللہ نے آپؐ کو ایسے افعال سے بری کررکھا تھا، تو آپ ﷺ ان کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالتے۔ پس یہ فرما کر آپ ﷺ نے یہ حکم واضح کردیا کہ حدود اللہ کے نفاذ اور عدل وانصاف کے وجوب میں سب لوگ برابر ہیں۔ کسی اور کی اولاد تو درکنا خود رسول اللہ ﷺ بیٹی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ یہ بات صحیحین میں نقل کردی اس حدیث سے بھی موافق ہے کہ جس میں عبداللہ بن مرۃ حضرت براء بن عازب رضی اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک یہودی کو لے جایا گیا جسے منہ کالا کرکے کوڑے مارے جارہے تھے، تو آپ ﷺ نے ان سے استفسار فرمایا: کیا تم تورات میں زانی کی یہی حد پاتے ہو؟.........الخ"۔

(اقتضاء الصراط المستقیم ، فصل فی ذکر الأدلة من الکتاب والسنة والاجماع علی الأمر بمخالفة الکفار والنھی عن التشبیه بھم ۱/۱۰۶ : ۱۰۷) .

اسی طرح ایک اور مقام پر امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"ثم السلطان یؤاخذ علی ما یفعله من العدوان ویفرط فیه الحقوق مع التمکن".

"جب حاکم زیادتی کا مرتکب ہو اور قدرت رکھنے کے باوجود ادائیگی حقوق میں کوتاہی کرے تو اس کا مؤاخذہ کیا جائے گا"۔

(مجموع الفتاوی لابن تیمیة ، فصل جامع فی تعارض الحسنات والسیئات ۴/۲۴۱) .

اسی طرح آپؐ سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جو کسی معزز آدمی کو گالی دے اور اسے مارے، تو آپؐ نے فرمایا:

"وتوجب عقوبة المعتدین أیضاً وان کان شریفاً ، فقد ثبت فی الصحیحین

عن النبی ﷺ أنه قال : "انما ھلک من کان قبلکم أنھم کانوا اذا سرق فیھم الشریف ترکوه واذا سرق فیھم الضعیف أقاموا علیه الحد . والذی نفس محمد بیده لو سرقت فاطمة بنت محمد لقطعت یدھا" . وما یشرع فیه القصاص فی الدماء والأموال وغیرھا لا فرق فیه بین الشریف وغیره . قال النبی ﷺ "المسلمون تتکافأ دماؤھم ویسعی بذمتھم أدناھم" الحدیث ، واللہ أعلم" .

"زیادتی کرنے والوں کو سزا دینا واجب ہے اگرچہ وہ معزز ہی کیوں نہ ہوں۔ صحیحین میں منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"پچھلی امتوں کی ہلاکت کا باعث یہی بات تھی کہ اگر ان میں کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کردیتے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کریں تو میں ان کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں"۔

پس جان اور مال کے جن معاملات میں قصاص مشروع ہے ان میں معزز وغیر معزز کا کوئی فرق نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں اور ان کا دنیٰ ترین فرد بھی ان کی طرف سے کسی کو پناہ دے سکتا ہے.....الخ"۔(مجموع الفتاویٰ لابن تیمیة ۹/۲۲۸) .

تیسرا نکتہ:

اسلامی تاریخ سے ایسی مثالیں جہاں سلاطین نے شرعی فیصلوں کے سامنے ہتھیار ڈالے، حتی کہ ان ادوار میں بھی جو خلافت راشدہ کے سنہری دور سے بہت دور تھے اور جب فساد بھی عام ہو چکا تھا

(الف) سلطان ملک شاہ بن الپ ارسلان کی مثال

سلطان ملک شاہ بن الپ ارسلان اپنے زمانے کی عظیم ترین سلطنت کے بادشاہ تھے اور

اپنے عدل وانصاف کے سبب معروف تھے۔امام ابن کثیرؒ نے آپ کی سوانح عمری میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ:

"واستعداه رجلان من الفلاحين على الأمير خمار تكين ؛ أنه أخذ منهما مالا جزيلاً وكسر ثنيتهما ، وقالا : سمعنا بعدلك في العالم ، فان أقدتنا منه كما أمرك الله والا استعدينا عليك الله يوم القيامة ، وأخذا بركابه ، فنزل عن فرسه ، وقال لهما خذا بكمي واسحباني الى دار نظام الملك ، فهابا ذلك ، فعزم عليهما أن يفعلا ما أمرهما به ، فلما بلغ النظام مجيء السلطان اليه خرج مسرعاً ، فقال له الملك : انى انما قلدتك الأمر لتنصف المظلوم ممن ظلمه ، فكتب من فوره فعزل خمارتكين وحل أقطاعه ، وأن يرد اليهما أموالها ، وأن هقلعا ثنيتيه ان قامت عليه البينة ، وأمر لهما الملك من عنده بمائة دينار".

''ایک مرتبہ دو کسانوں نے آپ سے خمارتکین نامی امیر کے خلاف شکایت کی کہ اس نے ان کا بہت سا مال چھین لیا ہے اور ان دونوں کے سامنے والے دو دو دانت توڑ ڈالے ہیں۔ان کسانوں نے سلطان سے کہا کہ ہم نے پوری دنیا میں آپ کے عدل کا چرچا سنا ہے۔پس اگر تو آپ نے ہمیں اللہ کے حکم کے مطابق بدلہ دلوادیا تو ٹھیک ،ورنہ قیامت کے دن ہم اللہ کی عدالت میں آپ کے خلاف مقدمہ دائر کریں گے۔پھر انہوں نے بادشاہ کے گھوڑے کی رکاب تھام لی۔بادشاہ گھوڑے سے نیچے اتر آیا اور ان سے کہا: میری آستین پکڑلو اور مجھے گھسیٹتے ہوئے وزیر کے گھر لے چلو۔یہ بات سن کر وہ دونوں گھبرا گئے ،لیکن جب بادشاہ نے انہیں قسم دے کر کہا تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔جب وزیر کو بادشاہ کے اس طرح آنے کی خبر ملی تو وہ فوراً باہر نکل آیا۔بادشاہ نے اس سے کہا: میں نے تمہیں اس لئے اس منصب پر بٹھایا تھا کہ تم مظلوم کو ظالم سے انصاف دلاؤ! یہ سن کر وزیر نے فوری طور پر خمارتکین کی معزولی اور اس کی جاگیری کی ضبطی کا پروانہ جاری کیا۔نیز یہ حکم بھی دیا کہ ان کسانوں کا مال واپس لوٹایا جائے اور ثبوت ملنے کی صورت میں یہ دونوں کسان خمارتکین کے سامنے والے اوپر اور نیچے کے دو دو دانت توڑ ڈالیں۔پھر بادشاہ نے بھی ان دونوں سو دینار دیئے جانے کا حکم جاری کیا''۔

(البداية والنهاية ، ثم دخلت سنة خمس وثمانين وأربع مائة ، وممن توفي فيها من الأعيان ، السلطان ملك شاه جلال الدين والدولة ۱۲/۱۶۲).

(ب) سلطان عادل نورالدین بن زنگی شہید رحمہ اللہ کی مثال

سلطان عادل نورالدین بن زنگی شہید رحمہ اللہ کے حوالے سے ابوشامہ المقدسی، ابن اثیر کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

"وكان عارفا بالفقه عل مذهب الامام أبي حنيفة رضي الله عنه ، ليس عنده تعصب ، بل الانصاف سجيته في كل شيء . وسمع الحديث وأسمعه طلبا للأجر . وعلى الحقيقة فهو الذي جدد للملوك اتباع سنة العدل والانصاف ، وترك المحرمات من المأكل والمشرب والملبس وغير ذلك ؛ فانهم كانوا قبله كالجاهلية : هم أحدهم بطنه وفرجه ، لا يعرف معروفاً ولا ينكر منكراً ، حتى جاء الله بدولته ، فوقف مع أوامر الشرع ونواهيه ، وألزم بذلك أتباعه وذويه ، فاقتدى به غيره منهم ، واستحيوا أن يظهر عنهم ما كانوا يفعلونه .

ومن عدله أنه كان يعظم الشريعة المطهرة ويقف عند أحكامها ويقول نحن شحن لها نمضي أو امرها . فمن اتباعه أحكامها أنه كان يلعب بدمشق بالكرة ، فرأى انسانا يحدث آخر ويومىء بيده اليه ، فأرسل اليه يسأله عن حاله . فقال : لى مع الملك الفلانى . فعاد اليه ، ولم يتجاسر أن يعرفه ما قال ذلك الرجل ، وعاد يكتمه ، فلم يقبل منه غير الحق ، فذكر له قوله . فألقى الجو كان من يده ، وخرج من الميدان ، وسار الى القاضي ، وهو حينئذ كمال الدين بن الشهر زوري ، وأرسل الى القاضي يقول له انني قد جئت محاكمًا ، فاسلك معي مثل ما تسلكه مع غيري . فلما حضر ساوى خصمه ، وخاصمه وحاكمه ، فلم يثبت عليه حق ؛ وثبت الملك لنور الدين فقال نور الدين حينئذ للقاضي ولمن حضر : هل ثبت له عندي حق ؟ قالوا

لا فقال : اشهدوا أننى قد وهبت له هذا الملك ، الذى قد حاكمنى عليه ، وهو له دونى ؛ وقد كنت أعلم أن لا حق له عندى ، وانما حضرت معه لئلا يظن بى أنى ظلمته ، فحيث ظهر أن الحق لى وهبته له . قال ابن الأثير : وهذا غاية العدل والانصاف ، بل غاية الاحسان ، وهى درجة وراء العدل . فرحم الله هذه النفس الزكية الطاهرة ، المنقادة للحق ، والواقفة معه .

قلت : وهذا مستكثر من ملك متأخر بعد فساد الأزمنة وتفرق الكلمة ؛ والا فقد انقاد الى المضى الى مجلس الحكم جماة من المتقدمين مثل عمر وعلى ومعاوية رضى الله عنهم ، ثم حكى نحو ذلك عن أبى جعفر المنصور وقد نقلنا ذلك كله فى التاريخ الكبير ، وفيه عن عبد الله بن طاهر قريب من هذا ، لكنه أحضر الحاكم عنده ولم يمض اليه . وقد بلغنى أن نور الدين رحمه الله تعالى استدعى مرة أخرى بحلب الى مجلس الحكم بنفسه أو نائبه ؛ فدخل حاجبه عليه متعجبا ، وأعلمته أن رسول الحاكم بالباب ، فأنكر عليه تعجبه وقام ــ رحمه الله ــ مسرعا ، ووجد فى أثناء طريقه ما منعه من العبور من حفر جب بعض الحشوش واستخراج ما فيه ؛ فوكل من ثم وكيلاً ، وأشهد عليه شاهدين بالتوكل ورجع".

"آپ مذہب امام ابوحنیفہؒ کی فقہی آراء کا گہرا علم رکھتے تھے۔ آپ کے یہاں تعصب نام کی کوئی چیز نہ تھی، بلکہ ہر معاملے میں عدل وانصاف ہی آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ آپ نے اجروثواب کی خاطر حدیث کا علم بھی سیکھا اور سکھایا۔ درحقیقت آپ ہی نے بادشاہوں میں عدل وانصاف کی [illegible] تازہ کی اور کھلنے، پینے اور لباس وغیرہ میں حرام امور ترک کرنے [illegible] زندہ کیا۔ آپ سے پچھلے حکمرانوں میں جاہلیت کے طور طریقے رائج ہو چکے تھے اوران کی تمام تر توجہ کا مرکز بس ان کا پیٹ اور شرم گاہ تھی۔ وہ نہ تو بھلائی کو بھلائی سمجھتے تھے، نہ ہی برائی کو برائی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نورالدین زنگی رحمہ اللہ کو برسراقتدار لائے اور انہوں نے شریعت کے اوامر ونواہی کی پابندی کی اور اپنے متبعین اور اہل خانہ کو

بھی اس کا پابند بنایا۔ پس یہ دیکھ کر دیگر لوگ بھی آپ کی پیروی کرنے لگے اور اپنے سابقہ اعمال جاری رکھنے سے شرمانے لگے۔

.....آپ کے عدل وانصاف پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ آپ شریعت مطہرہ کی تعظیم کرتے تھے، اس کے احکام کے سامنے توقف اختیار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم تو شریعت کی نگہبان فوج ہیں، ہمارا تو کام ہی شرعی احکامات کو جاری کرنا ہے۔

آپ کی اتباع شریعت کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ دمشق میں گیند سے کھیل رہے تھے کہ آپ نے دیکھا: ایک دوسرے فرد سے بات چیت کررہا ہے اور اپنے ہاتھ سے آپ کی طرف اشارہ کررہا ہے۔ یہ دیکھ کر آپ نے اس شخص کا معاملہ دریافت کرنے کے لئے ایک کارندہ اس کی طرف بھیجا۔ اس شخص نے آپ کے کارندے سے کہا کہ: اس عادل بادشاہ کے خلاف میرا ایک مقدمہ ہے، اور میرے ساتھ موجود یہ دوسرا شخص قاضی کا لڑکا ہے۔ اسے چاہئے کہ سلطان کو عدالت میں طلب کرے تاکہ اس کے خلاف میرا مقدمہ چلایا جاسکے۔ سلطان کا کارندہ جب واپس لوٹا تو اسے یہ جسارت نہ ہوئی کہ اس شخص کی بات سلطان کو بتلائے اور وہ بات چھپانے لگا، لیکن جب سلطان نے زور دے کر کہا کہ مجھے سچ سچ بات بتادو تو اس نے پوری بات بتلادی۔ اس کی بات سن کر سلطان نے فوراً لاٹھی اپنے ہاتھ سے پھینکی اور میدان سے نکل کر قاضی کے پاس پہنچ گئے جو کہ اس وقت کمال الدین شہرزوری تھے۔ آپ نے اس سے کہا کہ: میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ میرے خلاف مقدمہ ہے لہٰذا میرے ساتھ بھی وہی رویہ اختیار کرنا جو تم دوسروں کے ساتھ روا رکھتے ہو۔ چنانچہ جب مقدمہ پیش ہوا تو قاضی نے انہیں مخالف فریق کے ساتھ ہی کھڑا کیا۔ پھر ان سے پوری پوچھ گچھ اور معاملے کی جانچ پڑتال کی گئی، لیکن سلطان کے خلاف کوئی بات ثابت نہ ہوسکی اور زیر بحث چیز کی ملکیت سلطان ہی کے لئے ثابت ہوئی۔ اس موقع پر نورالدینؒ نے قاضی اور تمام حاضرین سے مخاطب ہوکر پوچھا: کیا اس شخص کا مجھ پر کوئی حق ثابت ہوا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ تو بادشاہ نے کہا: تم سب گواہ رہنا کہ جس چیز کی خاطر اس شخص نے میرے خلاف مقدمہ کیا تھا، میں نے اس کی ملکیت اسے بخش دی، یہ اب میری نہیں بلکہ اس کی ملکیت

ہے۔ مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ میں نے اس کا حق غصب نہیں کیا لیکن اس کے باوجود میں یہاں حاضر ہوا تا کہ یہ نہ سمجھا جائے کہ میں نے اس پر ظلم کیا ہے۔ چنانچہ اب جبکہ یہ بات ظاہر ہوگئی ہے کہ میں حق پر ہوں ،میں یہ چیز اسے ہی بخشتا ہوں''۔

ابن اثیر فرماتے ہیں:

''یہ تو عدل وانصاف کی انتہاء ہے، بلکہ احسان کی انتہاء ہے جو کہ عدل سے بھی اونچا درجہ ہے !اللہ تعالیٰ اس پاکیزہ نفس پر رحم فرمائے جو حق کے سامنے جھکنے اور حق پر ٹھہر جانے والا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ فساد زمانہ اور تفریق وحدت کے بعد آنے والے ایک بادشاہ سے ایسا عدل وانصاف ظاہر ہونا بہت بڑی بات ہے، ورنہ خود عسالت تک چل کر جانا اور اس کے فیصلوں کو قبول کرنا تو بس سلف میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ جیسے جلیل القدر خلفاء کی شان تھی۔ اور بعد کے ادوار میں خلیفہ ابو جعفر منصور کے بارے میں ایسی روایات ملتی ہیں۔ ہم نے ''التاریخ الکبیر'' میں یہ تمام روایات نقل کر دی ہیں۔ ان میں عبداللہ بن طاہر کے متعلق بھی اسی قسم کی حکایت موجود ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ اس نے قاضی کو اپنے پاس بلایا تھا، خود قاضی کی عدالت میں نہیں گیا تھا۔ اسی طرح مجھے نورالدین زنگی کے متعلق یہ روایت بھی ملی ہے کہ ایک مرتبہ انہیں حلب کی عدالت میں طلب کیا گیا کہ وہ خود آئیں یا اپنے نائب کو وہاں بھیجیں۔ آپ کا دربان یہ پیغام لے کر انتہائی تعجب کے ساتھ اندر داخل ہوا اور آپ کو بتایا کہ قاضی کا قاصد دروازے پر کھڑا ہے۔ نورالدین رحمہ اللہ نے دربان کو اس اظہار تعجب پر ٹوکا اور فوراً روانگی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ البتہ راستے میں کچھ کھدائی کا کام جاری تھا جس کی بناء پر آپ آگے نہ جا سکے لیکن وہیں پر آپ نے دو گواہوں کی موجودگی میں اپنا وکیل مقرر کیا (تا کہ وہ عدالت میں آپ کی جگہ حاضری دے) اور خود واپس پلٹ آئے''۔

(الروضتين فی أخبار الدولتين النورية والصلاحية ۸/۱، اسی طرح رجوع کیجئے، الكامل لابن الأثير، ثم دخلت سنة تسع وستين وخمس مائة، ذكر وفاة نور الدين محمود بن زنكی ۱۲۵/۵).

آپ ہی کے متعلق ابن اثیر فرماتے ہیں:

"وبنى دار العدل فی بلاده، وكان يجلس هو والقاضی بها ينصف المظلوم، ولو أنه يهودی، من الظالم، ولو أنه ولده أو أكبر أمير عنده".

''انہوں نے اپنی مملکت میں دارالعدل بنوایا تھا جس میں وہ خود بھی قاضی کے ہمراہ بیٹھتے تھے۔ پھر مظلوم کو، اگرچہ وہ یہودی ہی کیوں نہ ہو، انصاف مہیا کرتے اور ظالم سے اس کا حق دلواتے اگرچہ وہ ظالم ان کا سگا بیٹا یا کوئی بڑے سے بڑا امیر ہی کیوں نہ ہو''۔

(الكامل لابن الأثير، ثم دخلت سنة تسع وستين وخمس مائة، وذكر وفاة نور الدين محمود بن زنكی ۱۲۵/۵).

(ب) دوسرا مبحث

دستور پاکستان کی وہ دفعات

جو بعض شخصیات کو محاکے اور محاسبے سے بالاتر قرار دیتی ہیں

دفعہ ۴۸

دستور پاکستان کی دفعہ ۴۸ یہ کہتی ہے کہ اپنے فرائض اور دیگر امور کی انجام دہی میں صدر پاکستان کو کابینہ یا وزیر اعظم کے مشورے کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔

پھر اسی دفعہ کی دوسری شق میں یہ تفصیل بیان کی گئی ہے کہ پہلی شق میں بیان کردہ اصول کے باوجود، جن امور میں صدر کو اپنے صوابدیدی اختیارات استعمال کرنے کا حق حاصل ہے وہاں وہ اپنی صوابدید سے عمل کرے گا؛ اور جو کام صدر نے اپنی صوابدید پر کئے ہوں ان پہ کسی بھی وجہ سے، خواہ کچھ بھی ہو، اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

پھر اسی دفعہ کی چوتھی شق میں یہ تفصیل بھی ملتی ہے کہ کسی قسم کی عدالت، ٹریبونل یا ہیئت مجازیہ (یعنی کوئی اور مجاز ادارہ) تفتیش کرنے کا حق نہیں رکھتا کہ کابینہ، وزیر اعظم، کسی وزیر یا وزیر مملکت نے

صدر کو مشورہ دیا تھا یا نہیں: اور اگر دیا تھا تو کیا مشورہ دیا تھا۔

اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

"President to action advice, etc.

48. (1) in the exercise of this function, the president shall act in accordance with the advice of the cabinet or the prime Minster

Provided that president may require the cabinet or, as the case may be, the prime minister to reconsider such advice, either generally or otherwise, and the president shall act in accordance with the advice tendered after such reconsideration.

(2) Notwithstanding anything contained in clause (1) the president shall act in this discretion in respect of which he is empowered by the constitution to do so and the validity of anything done by the president in this discretion shall not be called in question on any ground whatsoever.

(4) The question whether any and if what advice was tendered to the president by the cabinet the prim Minister or minister of state shall not be inquired into in, or by any court tribunal or other authority "[PART III the Federation of Pakistan .CHAPTER I –THE PRESIDENT, Article -48]

گویا اگر صدر پاکستان فوج کو یہ حکم دے کہ قبائل پر حملہ کر کے انہیں رند ڈالو، یا اپنے خفیہ اداروں کو یہ حکم دے کہ ایسی تمام معلومات امریکیوں کے حوالے کر دی جائیں جو انہیں افغانستان پر حملے یا عرب و غیر عرب مجاہدین کو گرفتار کرنے کے لئے درکار ہیں یا اسی طرح انہیں حکم دے کہ گرفتار شدہ مجاہدین امریکہ کے حوالے کردہ... تو اسے یہ سب احکامات صادر کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ پھر اگر کوئی وزیر، صدر کو یہ نصیحت کرے کہ یہ تمام افعال اسلام، اخلاق اور مروت کے منافی ہیں، اور ان کے نتیجے میں پاکستان مصائب کا شکار ہوگا، لیکن صدر پھر بھی ان تمام جرائم کی تنفیذ پر مصرر ہے، تو نہ اس سے پوچھ گچھ ممکن ہے، نہ ہی اس کے خلاف یہ حجت قائم کرنا ممکن ہے کہ اس پر جرم اچھی طرح واضح کر دیا گیا تھا پھر بھی اس نے اس کا ارتکاب کیا۔

نیز یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ دفعہ ۴۸ کی عبارت میں عموم اور اطلاق پایا جاتا ہے۔ یہ دفعہ ان دو قسم کے مسائل میں تفریق نہیں کرتی؛ ایک وہ مسائل جن میں اجتہاد کی گنجائش موجود ہے اور مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے صدر ان میں اجتہاد کر سکتا ہے، اور دوسرے وہ جن میں اپنی عقل لڑانا اور کمی بیشی کرنا حرام ہے، اور ایسا کرنا کبھی فسق تک لے جاتا ہے اور کبھی کفر تک۔ الغرض یہ دفعہ صدر کو اس کے ہر فعل میں کھلی چھوٹ اور تحفظ فراہم کرتی ہے، خواہ اس کا فعل شریعت سے موافق ہو یا شریعت کے مخالف۔

دفعہ ۱۴۸

آئین پاکستان کی دفعہ ۱۴۸ اصدر پاکستان، وزیر اعظم، صوبوں کے گورنر، وزرائے اعلی اور وفاقی وصوبائی وزراء کے ان تمام افعال کو مطلق طور پر ہر قسم کی عدالتی جوابدہی سے مستثنی قرار دیتی ہے جو انہوں نے اپنے فرائض کی انجام دہی کے دوران کئے ہوں۔

بالخصوص صدر اور گورنر کے خلاف نہ تو کسی قسم کی قانونی کاروائی کی جاسکتی ہے، نہ ان کی گرفتاری کے حکم نامے جاری ہو سکتے ہیں، نہ ہی کسی شرعی یا غیر شرعی عدالت کے قاضی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ صدارت و گورنری کے دوران انہیں عدالت میں طلب کرے۔

اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

248 protection to president, Governor, Minister, etc

248 (1) the president, a Governor, the prim Minister, a federal Minister, Minister of state, the Chief Minister and a provincial Minister shall not be answerable to any court for the exercise of powers and performance of function of their respective offices or for any act done or purported to be done in the exercise of those power and performance of those functions.

Provided that nothing in this clause shall be construed as restricting the right of any person to bring appropriate proceedings against the federation or a province.

(2)) No criminal proceedings whatsoever shall be instituted or continued against the president or a Governor in any court during this term of office.

(3) No process for the arrest or imprisonment of the president or a Governor shall issue from any court during his term of office.

(4) No civil proceeding in which relief is claimed against the president or a Governor shall be instituted during his term of office in respect of any thing done or not done by him in

his personal capacity whether before or after the enters upon his office unless ,at least sixty days before the proceeding are instituted notice in writing has been delivered to him ,or sent to him in the manner prescribed by law stating the nature of the proceedings ,the cause of action the name ,description and place of residence of the party by whom the proceeding are to be instituted an the relief which the party claims [PART XII Miscellaneous ,CHAPTER 4 GENERAL ,Article 248]

معروف قانون دان محمد رفیق بٹ اس دفعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''یہ دفعہ اس عموی قاعدے سے استثناء کی حیثیت رکھتی ہے کہ کوئی شخص بھی قانون سے بالاتر نہیں''۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, with commentary comment on article 248p:417

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں یہ اشکال پیدا ہونا ممکن ہے کہ: دفعہ ۲۴۸ تو ان عہدیدران کو صرف ان کے فرائض کی انجام دہی سے متعلق تحفظ فراہم کرتی ہے، نہ کہ انہیں قانون و دستور کی مخالفت کا اختیار دیتی ہے۔ پس جب انہیں پاکستان کے اس اسلامی دستور و قانون کی مخالفت کا اختیار دیا جارہا تو پھر کیا شرعی قباحت باقی رہ جاتی ہے؟

اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے میں عرض کروں گا کہ:

(الف) پہلی بات تو یہ ہے کہ پاکستان کا دستور اور قانون دونوں ہی خلاف شرع امور سے پر

ہیں اور کسی صاحب عقل وفہم کے لئے اس امر میں شک کرنا ممکن نہیں۔ اسی مناسبت سے ذکر کرتا چلوں کہ مفتی محمود رحمہ اللہ نے ۱۹۶۹ء میں یہ اعلان کیا تھا کہ:

''حکومتی ٹولے نے قیام پاکستان کے ۲۲ سال گزر جانے کے بعد بھی شرعی نظام نافذ نہیں کیا اور پاکستانی عدالتیں مسلسل استعماری عیسائیوں کے وضع کردہ قوانین کے مطابق فیصلے دیتی چلی آرہی ہیں''۔

(تحقیق زاد المنتهى شرح الجامع الترمذی . مقدمة الشيخ شير علی شاه ۱۶).

پس اگر ۱۹۶۹ء میں آپ کا تبصرہ یہ تھا، تو اب سن ۲۰۰۹ء میں کیا کہنا چاہئے جب کہ حکومت پاکستان اسلام کے خلاف لڑی جانے والی صلیبی جنگ میں پوری طرح شریک ہو چکی ہے؟ بلاشبہ آج بھی اس دستور قانون کی پیروی کرتے رہنا بہت خطرناک شرعی مخالفتوں میں مبتلا ہونے کے مترادف ہے۔

(ب) اگر ایک لمحے کے لئے اس دستور و قانون کو اسلامی دستور و قانون مان لیا جائے، تب بھی دفعہ ۲۴۸ کی عبارت کچھ یوں ہونی چاہئے تھی:

''مذکورہ اشخاص اپنے فرائض انجام دہی کے دوران دستور و قانون کے موافق جو افعال سر انجام دیں گے، ان پر کسی قسم کی سزا نہیں ہوگی''۔

لیکن دفعہ ۱۴۸ تو عدالتوں کو یہ اختیار بھی نہیں دیتی کہ وہ ان اشخاص کو اپنے پاس طلب کریں اور دیکھیں کہ ان کے کون سے افعال موافق دستور ہیں اور کون سے مخالف۔ اگر یہ لوگ واقعی بے قصور ہیں اور انہوں نے ہر کام حسن نیت کے ساتھ دستور و قانون کے موافق کرنے کی کوشش کی ہے، تو پھر یہ عدالتی کاروائی کا سامنا کرنے سے کیوں ڈرتے ہیں؟ کیوں کہ یہ ایسی قانونی عبارتوں کا سہارا لینے پر مصر ہیں جو انہیں ہر قسم کی پوچھ گچھ سے مکمل تحفظ فراہم کرتی ہیں؟

(ج) دستور میں یہ بات تو درج ہے کہ مذکورہ اشخاص اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی کے دوران میں جو افعال بھی کریں ان کے بارے میں پوچھ گچھ نہیں کی جا سکتی ......لیکن ایسی کوئی شرط مذکور نہیں کہ ان افعال کا شریعت سے موافق ہونا لازم ہے، نہ ہی ایسی کوئی تصریح کی گئی ہے کہ یہ قانونی

تحفظ محض اجتہادی امور کے دائرے تک محدود ہے۔ دفعہ ۱۴۸ تو شریعت سے متعلقہ کسی قید کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں کرتی۔

(د) جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں، شریعت اسلامیہ میں یہ تصور سرے سے پایا ہی نہیں جاتا کہ کسی خاص شخصیت کو عدالت میں حاضری سے بالاتر سمجھا جئے۔ شریعت تو ہر وزیر، حکمران یا صدر پر واجب کرتی ہے کہ جب اسے عدالت میں طلب کیا جائے تو وہ حاضر ہو اور دلائل سے یہ بات ثابت کرے کہ اس نے جس فعل کا ارتکاب کیا ہے وہ شرعی احکامات کے موافق ہے یا وہ ان امور میں سے جن میں اجتہادی کی اجازت ہماری شریعت میں موجود ہے۔ پھر یہ معاملہ شرعی عدالت کے سپرد کیا جائے وہ اس کے تصرفات کو صحیح یا غلط قرار دے اور اس کے نتیجے میں اسے بری کرے یا سزا کا مستحق پائے۔

(ہ) یہاں یہ نکتہ بھی ذہن نشین ہے کہ کوئی بھی حکومتی ذمہ دار خواہ وہ کتنے ہی بلند منصب پر کیوں نہ فائز ہو، اس کا شرعی عدالت میں پیش ہونے سے انکار کرنا بذات خود ایک شرعی جرم ہے، چاہے وہ اس جرم سے بالکل بری ہو جس کے الزام میں عدالت نے اسے طلب کیا ہو۔

چنانچہ یہ بات تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ دستور پاکستان کی دفعہ ۱۴۸ جو بعض حکومتی عہدیداران کو عدالت میں پیشی سے تحفظ فراہم کرتی ہے، شریعت سے صراحتاً متصادم ہے۔ اور یہ بات تو ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ شریعت کی مخالفت کو قانون کی شکل دینا کفر ہے، اگر چہ وہ مخالفت بذات خود صرف فسق ہی ہو۔

دوسرا باب

پہلی فصل

آگے آنے والی مثالوں سے قارئین پر یہ بات بھی واضح ہو جائے گی کہ دفعہ ۲۴۸ میں بیان کردہ یہ غیر شرعی اصول محض دستور کے صفحات تک محدود نہیں ، بلکہ یہ تو ایک قاعدہ بن چکا ہے۔ جب بھی فوج کا کوئی سربراہ حکومت کا تختہ الٹتا ہے تو ایمرجنسی نافذ کر کے اپنی مرضی کے قوانین ، احکام اور ضابطے صادر کرتا ہے۔ پھر یہ مرحلہ گزرنے کے بعد وہ مختلف شیطانی حیلے استعمال کر کے پارلیمان سے ان تمام کرتوتوں پر عام معافی حاصل کر لیتا ہے جو اس سے ایمرجنسی کے دوران صادر ہوئیں اور یہ عام معافی اسے ہر قسم کی عدالتی کاروائی سے مکمل تحفظ فراہم کرتی ہے۔ حضرات! یہ ہے پاکستان کا اسلامی دستور!

﴿ساء ما یحکمون﴾ [الأنعام:۱۳۶].

دستور کی یہ دفعہ ہمیں تاریخ کا ایک انوکھا لطیفہ یاد دلاتی ہے۔ جب اموی خلیفہ یزید بن عبدالملک کو خلافت کا منصب حاصل ہوا تو اس نے اپنے پیش رو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے صالح طور طریقوں پر چلنے کا ارادہ کیا۔ اس کے بعد ہم نشینوں نے اسے اس نیک ارادے سے باز رکھنے کے لئے بیس علماء.... اور ایک روایت کے مطابق چالیس علماء.......کو جمع کیا جنہوں نے اللہ کی قسم کھا کر اسے یقین دلایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو خلیفہ بناتا ہے تو اس کی نیکیاں قبول کرتا ہے اور اس کے گناہوں سے درگزر فرماتا ہے۔ (بالکل اسی طرح آج دستور پاکستان بھی پاکستانی حکمرانوں کے تمام جرائم پر پردے ڈالتا ہے اور انہیں مکمل قانونی تحفظ فراہم کرتا ہے تاکہ وہ ہر قسم کے محاسبہ سے بے خوف ہو کر گناہ بلکہ کفر تک کے مرتکب ہوں)۔

(منهاج السنة النبوية لابن تيمية ، فصل : والقاعدة الكلية في هذا أن لا نعتقد أحداً معصوماً بعد النبي ﷺ ۲/ ۲۰۰ . البداية والنهاية لابن كثير ، ثم دخلت سنة خمس ومائة ، ترجمة يزيد بن عبد الملك ۹/ ۲۵۹ . تاريخ الخلفاء للسيوطي

یزید بن عبد الملک بن مروان ۱/ ۱۰۰).

۱۴۵

دستور کی دفعہ ۲۴۵ کے مطابق مسلح افواج کا فرض ہے کہ وہ کسی بھی بیرونی حملے یا خطرہ جنگ کی صورت میں وفاقی حکومت کے احکامات کے مطابق پاکستان کا دفاع کریں ، اور جب انہیں شہری انتظامیہ کی مدد کرنے کے لئے طلب کیا جائے تو اس کی مدد کریں۔

پھر اسی دفعہ کی شق دوم میں کہا گیا ہے کہ اس حوالے سے وفاقی حکومت جو احکامات بھی جاری کرے، ان کی صحت کو کسی عدالت میں زیر بحث نہیں لایا جا سکتا۔

اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے؟

Function of Armed forces

245.(1) The Armed Force shall ,under the direction of the federal Government defend Pakistan against external aggression or threat of war and subject to law ,act in aid of civil power when called upon to do so.

(2) The validity of any direction issued by Federal Government under clause (1) shall not be called in question in any court [PART XII Miscellaneous, CHAPRTER 2 – ARMED FORCE Article 245]

یعنی پاکستان بھر کو امریکہ کی خدمت پر مامور کرنا اور اس کے تمام افرادی و مالی وسائل صلیبی قوتوں کے تابع کرنا پرویز مشرف کا دستوری حق تھا۔ اس گھناؤنے جرم کو سند جواز عطا کرنے کے لئے بس یہی دلیل کافی سمجھی گئی کہ ''اگر ہم ایسا نہ کرتے تو امریکہ پاکستان کو تباہ کر ڈالتا'' اور یہی باطل دلیل پرویز نے اپنی یادداشتوں پر مشتمل کتاب میں بھی ذکر کیا ہے۔

In the line of fire a memoir part 5: The war on terror chapter 20: one day that changed the work

اسی طرح دستور پاکستان ہی نے پرویز کو یہ اختیار بخشا کہ وہ پاکستانی فوج کو صلیبی اتحاد کا حصہ بنائے اور اس اور اس مسلمان، پڑوسی دوست ملک افغانستان کو تباہ کرنے کا حکم دے، جس نے روسی حملے کا مقابلہ کرتے ہوئے لاکھوں شہداء کی قربانی پیش کی یہاں تک کہ پاکستان روس کے شر سے محفوظ ہوگیا۔

اسی 'اسلامی' دستور سے وفاداری نبھاتے ہوئے پاکستانی مسلح افواج، پولیس اور خفیہ ادارے افغانستان کے مسلمانوں کے قتل عام، امارت اسلامیہ کے خاتمے، اس کی قیادت اور ذمہ داران کی جلاوطنی اور اس کے عرب وغیر عرب انصار کے قتل، گرفتاری، تعذیب اور پھر امریکہ کے حوالے کردینے جیسے گھناؤنے جرائم کے مرتکب ہوئے۔ پھر اسی پر بس نہیں، بلکہ اس کے بعد پرویز نے انہی اداروں کو داخل پاکستان بھی مسلمانوں کو قتل کرنے، ان کے گھر اور بستیاں برباد کرنے، اسلام آباد میں لال مسجد اور جامعہ حفصہ پر بمباری کرنے، اس کے طلبہ وطالبات کو بے دردی سے قتل کرکے ان کی قبریں تک چھپادینے کے احکامات دیئے۔ لیکن یہ سب قیامتیں لوٹنے کے بعد بھی 'اسلامی' جمہوریہ پاکستان کا 'اسلامی' دستور پرویز مشرف کو مکمل تحفظ دیئے، آج تک اس کے محاسبہ کی راہ میں حائل ہے۔ پس نہ تو کوئی شرعی عدالت، نہ ہی کوئی شیطانی عدالت پرویز کو طلب کرنے اور محض عدالت میں پیشی پر مجبور کرنے کی جرأت رکھتی ہے۔

پھر بھی یہ کہتے ہیں کہ 'ہمارا دستور اسلامی ہے'..... یاللعجب!

﴿كبرت كلمة تخرج من أفواههم ان يقولون الا كذبا﴾ [الكهف : ۵]

"بہت سخت بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے (اور کچھ شک نہیں کہ) یہ جو کچھ کہتے ہیں وہ محض جھوٹ ہے"۔

آیئے ذرا دستور پاکستان میں موجود ان انحرافات کو امام ابوبکر جصاص کی پہلے ذکر کردہ عبارت کے ساتھ ملا کر دیکھتے ہیں، جہاں آپ نے یہ امر واضح کیا ہے کہ حکمرانوں کے جرائم پر خاموشی اختیار کرنا اور انہیں نیکی کا حکم نہ دینا اور برائی سے نہ روکنا کیسے خطرناک مفاسد اور نقصانات کا باعث بنتا

ہے۔ فائدے کے پیش نظر ہم ان کا کلام یہاں دہرائے دیتے ہیں:

"پس یہ لوگ (۹) اس امت کے حق میں اس کے کھلے دشمنوں سے بھی زیادہ مہلک ثابت ہوئے ہیں، کیونکہ انہوں نے امت کو باغی گروہ کے خلاف قتال اور بادشاہوں کے ظلم وجبر پر انکار سے روک دیا ہے۔ ان کے اس باطل مؤقف کے نتیجے میں فساق وفجار غالب آئے، مجوس اور دیگر دشمنان اسلام کے تسلط کی راہ ہموار ہوئی، اسلامی سرحدات پامال ہوئیں، ظلم پھیل گیا، بستیاں برباد ہوئیں، دین ودنیا لٹ گئے اور زندقہ، غلو اور مذاہب ثنویہ، خرمیہ اور مزدکیہ پروان چڑھے۔ مسلمانوں پر یہ تمام مصائب مسلط ہونے کا سبب یہی تھا کہ وہ امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ظالم بادشاہ کو ظلم سے روکنا چھوڑ بیٹھے تھے، واللہ المستعان"۔

(أحكام القرآن للجصاص . سورة آل عمران . باب فرض الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر ۴۶۷/۳ : ۴۶۸)

دفعہ ۲۷۰

دستور کی دفعہ ۲۷۰ کے مطابق ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء سے لے کر ۱۹ دسمبر ۱۹۷۱ء تک صادر ہونے والے تمام صدارتی فرامین، مارشل لاء ضوابط، اور دیگر قوانین پر کسی عدالت میں اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

Temporary validation of certain laws; etc

270 (1) Msjlis-e- shoora (parliament) may by law made in the manner prescribed for legislation for a matter in part 1 of the Federal legislative list validate all proclamation, president's Order, Martial law Regulation, Martial law Orders and other laws made between the twenty-fifth day of march one thousand nine hundred and sixty nine and the

nineteenth day of December, one thousand nine hundred and seventy one (both days inclusive)

(2) Notwithstanding a judgment of any court a law made by Msjlis-e- shoora (parliament) under clause (1) shall not be questioned in any court on any ground whatsoever.

(3) Notwithstanding the provisions of clause (1) and a judgment of any court to the contrary for a period of two years from the commencing day the validity of all such instrument as are referred to in clause (1) shall not be called in question before any court on any ground whatsoever.

(4) All order orders made proceeding taken and acts done by any authority ,or person which were made, taken or done ,or purported to have been made, taken or done , between the twenty- fifth day of March ,one thousand nine hundred and sixty- nine and nineteenth day of December ,one thousand nine hundred and seventy one (both, days inclusive) in exercise of power derived from any president's orders ,Martial law regulation ,Martial law orders, enactment notifications, rules order or bye laws, or in execution of any order made or sentence passed by

authority in the exercise or purported exercise of power as aforesaid shall, notwithstanding any judgment of any court, be deemed to be and always to have been validly made, taken or done, so however that any such order, proceeding or act may be declared invalid by 1[(parliament)] at any time w Msjlis-e- shoora ithin a period of two years from the commencing day by resolution of both Houses, or in case of disagreement between the two Houses, by such resolution passed at a joint sitting and shall not be called in question before any court on any ground, whatsoever. [PART XII Miscellaneous, CHAPTER 7 TRANSITIONAL, Article270].

دفعہ ٢٦٩

پاکستانی دستور کی دفعہ ٢٦٩ کہتی ہے کہ ٢٠ دسمبر ١٩٧١ء سے لے کر ٢٠ اپریل ١٩٧٢ء کے درمیان جاری ہونے والے تمام صدارتی فرامین ، مارشل لاء ضوابط ، اور دیگر قوانین کے خلاف کسی عدالت میں مقدمہ نہیں دائر کیا جا سکتا۔

اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

269. Validation of law act, etc

269. (1) all proclamation, president orders Martial law regulations, Martial law order and all other law made between the twentieth day December, one thousand nine

hundred and seventy –one and the twentieth day of April one thousand nine hundred and seven tow (both days inclusive), are hereby declared notwithstanding any judgment of any court, to have been validly made by competent authority and shall not be in question in any court on any ground whatsoever

(2) All orders made , proceedings taken and acts done by any authority or by person, which were made taken or done or purported to have been made taken or done ,between the twentieth day of December ,one thousand nine hundred and seventy one and the twentieth day of April one thousand nine hundred and seventy (both day inclusive)

In exercise of the power derived from any president orders, Martial law regulations .Martial law orders, enactments notifications, rules order or be-law or in execution of any orders made or sentences passed by any authority in the exercise or purported exercise of power as aforesaid. Shall notwithstanding any judgment of any court be deemed to be and always to have been validly made taken or done and be called in question in any court on any ground whatsoever

(3) No suit or other legal proceedings shall lie in any court against any authority or any person for or on account of or in respect of any order made proceeding taken or act done whether in the exercise or purported exercise of the power referred to in clause (2) or in execution of or in compliance with order made or sentence passed in exercise or purported exercise of such power [PART XII Miscellaneous, CHARTER 7 TRANSITIONAL, Article 269]

دفعہ ۲۷۰، الف

دفعہ ۲۷۰ الف کی رو سے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کا علان، تمام صدارتی فرامین، مارشل لاء ضوابط واحکابات، ۱۹۸۴ء کے ریفرنڈم، دستور کی دوسری اور تیسری ترامیم اور اس کے علاوہ وہ تمام احکامات وقوانین جو ۵ جولائی ۱۹۷۷ء سے لے کر اس دفعہ کے نفاذ تک صادر ہوئے .....ان تمام پر ان کے نتائج واثرات سمیت کسی بھی عدالت میں اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

270A .Affirmation of president's Order, etc

270A-(1) the proclamation of the fifth day of July, 1977, all president's orders, ordinances Martial law regulation. Martial law Order including the referendum order, 1984(P.O NO 11 of 11984) under which in consequence of the result of the, referendum held on the nineteenth day of December 1984 General Mohammad Zia-ul- Haq become the

president of Pakistan on the day of the first meeting of the Majlis-e- shoora (parliament) in joint sitting for the term specified in clause (7) of Article 41 the Revival of the constitution of 1973 order. 1985 (P.O No 14 of 1985) the constitution (second Amendment) order 1985 (P.O No 20 of 1985)the constitution(third Amendment) order 1985 (P.O No 24 of 1985) and all other laws made between the fifth day of July 1977 ,and the date on which this Article comes into force are hereby affirmed adopted and declared notwithstanding any judgment of any court, to have constitution ,shall not be called in question in any court on any ground whatsoever :

(2) All orders made, proceeding taken and acts done by any authority or by any person. which were taken or done or purported to have been made taken or done ,between the fifth day of July 1977 ,and the date on which this Article comes into force ,in exercise of the powers derived from any proclamation president's order ordinances ,Martial law regulation .Martial law orders enactments notification ,rules orders or bye –laws ,or in execution of or purported exercise of powers as aforesaid, shall notwithstanding any

judgment of any court ,be deemed to be always to have been validly made .taken or done and shall not be called in question in any court any ground whatsoever .

(4) No suit, prosecution or other legal proceeding shall lay any court against any authority or any person for or on account of or respect of any order made, proceedings taken or act done whether in the exercise or purported exercise of the powers referred to in clause (2) or in execution of or in compliance with orders made sentences passed in exercise or purported exercise of such powers [CHARTER 7 – TRASITIONAL, Article 270] .

لیکن سپریم کورٹ نے دفعہ ۲۷۰الف کے حوالے سے اپنا ایک فیصلہ سناتے ہوئے (1990 CLC 1683) کہا ہے کہ قرارداد مقاصد میں شامل تمام احکامات اور اصول دستور کا اساسی اور نافذ العمل حصہ ہیں اور ریاست کے کسی اہلکار کو بھی قرارداد مقاصد کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں۔ جو ریاستی اہلکار بھی ان حدود سے تجاوز کرے تو اس کے اس عمل کو قرآن وسنت سے ثابت شدہ حدود الٰہی اور اسلامی تقاضوں کی مخالفت کے سبب غیر قانونی سمجھا جائے گا۔ اسی طرح وہ آخری مارشل لائی احکامات جنہیں دستور کی دفعہ ۲۷۰الف کی بنیاد پر تحفظ فراہم کیا گیا ہے، اگر وہ بھی اسلام اور قرارداد مقاصد سے متعارض ہوں تو عدالتیں اس بات کی پابند ہیں کہ اس دفعہ سے صرف نظر کرتے ہوئے ان احکامات پر وہی فیصلہ لاگو کریں جو اللہ مالک الملک سبحانہ وتعالٰی کے قانون اعلیٰ سے مطابق نہ رکھنے والے احکامات پر صادر ہوتا ہے۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973 , with

commentary ,comments on article 277; 384

اس فیصلے پر تفصیلی بحث تو ہم ان شاءاللہ پہلی فصل کے تیسرے باب میں کریں گے جہاں ہم نے پاکستانی عدالتوں کے فیصلوں کی روشنی میں قرارداد مقاصد اور دستور کی دفعہ ۲ الف کا جائزہ لیا ہے۔

البتہ یہاں ہم اس فیصلے کے حوالے سے چند مختصر گزارشات کرنا ضروری سمجھتے ہیں:

(الف) عدالت کا فرض تھا کہ وہ دفعہ ۲۷۰ الف میں بیان کردہ اصول کو، جو کہ کئی دیگر دفعات میں بھی بیان کیا گیا ہے، باطل قرار دے کیونکہ شریعت میں کسی کو بھی عدالتی پیشی سے کوئی تحفظ حاصل نہیں، خواہ وہ حاکم یا محکوم، ادنی ہو یا اعلی، سبھی پر عدالت میں مقدمہ کیا جاسکتا ہے۔

(ب) عدالت نے قرارداد مقاصد کے ساتھ یوں معاملہ کیا ہے گویا وہ شرعی احکامات کے مترادف ہے، حالانکہ ان دونوں کے درمیان کئی بنیادی فرق ہیں جن کی وضاحت ضروری ہے:

(۱) قرارداد مقاصد انسانوں کے وضع کردہ ایک دستور کی عبارت ہے جسے پہلی دستور ساز کمیٹی نے غالب اکثریت سے منظور کیا تھا اور اس کے بعد اسی اسلوب سے یہ مختلف دساتیر کا حصہ بنی، جبکہ شریعت تو وحی الٰہی ہے اور اپنی منظوری کے لئے کسی بھی انسان کی موافقت کی محتاج نہیں۔

(۲) قرارداد مقاصد اور تمام دستوری دفعات قانونی حیثیت تبھی حاصل کرتی ہیں جب انہیں استصواب رائے یا ایسے دیگر ذرائع سے عوامی تائید حاصل ہو، جبکہ شریعت کو اسی وقت یہ حیثیت مل جاتی ہے جب اللہ تعالیٰ اسے نازل فرماتے ہیں۔ شریعت کی حیثیت منوانے کے لئے کسی قسم کا استصواب رائے کرانا قطعاً قابل قبول نہیں۔ شریعت تو انسانوں پر حاکم بن کر آتی ہے، نہ کہ انسانی آرا کی محکوم۔ اسی لئے شریعت کو قبول کرنے، نہ کرنے کے معاملے پر عوام سے رائے لینا یا استصواب رائے کروانا خود شریعت سے بغاوت کے مترادف ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی أنفسهم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیماً﴾ [النساء :۶۵] .

''تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک (اے نبی) تمہیں اپنے

باہمی تنازعات میں منصف نہ بنا لیں اور جو فیصلہ تم کردو اس پر اپنے دل میں تنگی بھی محسوس نہ کریں اور اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیں''۔

اسی طرح اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿فاستقم کما أمرت ومن تاب معک ولا تطغوا انه بما تعملون بصیر﴾

''(اے پیغمبر ﷺ!) جیسا آپ کو حکم ہوا ہے، (اس پر) آپ اور جو آپ کے ساتھ تائب ہوئے ہیں قائم رہئے اور حد سے تجاوز نہ کیجئے، وہ آپ کے سب اعمال کو دیکھ رہا ہے''۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی اللّٰه ورسوله أمراً أن یکون لهم الخیرة من أمرهم ومن یعص اللّٰه ورسوله فقد ضل ضلالا مبیناً﴾ [الأحزاب : ۳۶] .

''اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار باقی سمجھیں، اور جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ صریح گمراہی میں جا پڑا''۔

(۳) اسی طرح پارلیمان کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی بھی دستوری عبارت میں مکمل آزادی کے ساتھ ترمیم کر سکے، جیسا کہ ہم پہلے باب میں وضاحت کر چکے ہیں، جبکہ شرعی احکامات میں کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی۔ پس شریعت کو کسی قابل تغیر دستاویز کے درجے پر رکھنا شریعت کی توہین ہے۔

دفع ۲۷۰ الف کے حوالے سے یہ عدالتی فیصلہ پڑھنے کے بعد میرا دل یہ کہتا ہے کہ یہ فیصلہ سنانے والے جج کا قلب شریعت کی محبت و تعظیم اور غیرت دینی کے جذبات سے معمور تھا......کونکہ ایسا ملغوبہ نما حل بالعموم وہی لوگ نکالتے ہیں، اس جمہوری نظام میں رہنا جن کی مجبوری ہوتی ہے اور اسلامی نظام کے تقاضے پورے ہوتے دیکھنا جن کی قلبی تمنا۔ اب چونکہ یہ دونوں نظام دو یکسر مختلف عقیدوں سے پھوٹتے ہیں لہٰذا ایسی کوششوں کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں نکلتا کہ کفر و اسلام کا ایک مضحکہ خیز سا مرکب وجود میں آجاتا ہے۔ ''جمہوریت'' کا تو بنیادی عقیدہ ہی یہ ہے کہ انسان اپنے تمام افعال میں آزاد ہے

اوراپنے لئے سامان تعیش اور سرمایہ دنیا جمع کرنے میں کسی کا پابند نہیں۔اس مادر پدر آزادی کے پیچھے ظالم جاگیرداروں، سرکش بادشاہوں اور منحرف کلیسا کی مکروہ مثلث اور مغربی عوام کے درمیان کشمکش پر مشتمل ایک طویل اور تلخ تاریخ ہے۔ یہ کشمکش بالآخر جمہوریت اور مظلوم عوام کی فتح پر منتج ہوئی اور یہ طے پایا کہ حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ اب سے عوامی اکثریت کا حق ہے۔

یہ تو ہے مغرب کی تاریک تاریخ سے پھوٹنے والا باطل عقیدہ! اس کے برعکس اسلامی تصور ''خلافت'' تنہا اللہ رب العالمین کی بندگی وغلامی اور ہر غیر اللہ کی عبودیت سے مکمل آزادی کے عقیدے پر قائم ہے۔ یہاں محبت وفاداری بھی اللہ ہی سے نبھائی جاتی ہے اور ذلت وعاجزی بھی اسی کے سامنے اختیار کی جاتی ہے۔ یہ نظام انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے آزاد ہونے کا درس دیتا ہے اور تنہا اللہ کے سامنے جھکنا سکھاتا ہے۔ اسلام کے عطا کردہ اس عقیدے کی تاریخی بنیادوں کا کھوج لگائیں تو اس کے رشتے وحی سے جاکر ملتے نظر آتے ہیں۔ اسلام تو اللہ کی جانب سے پوری انسانیت کے لئے توحید کا آخری پیغام ہے جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے۔ اسلام کا عطا کردہ نظام تو عدل وانصاف، مسلمانوں کے درمیان بھائی چارے، باہمی مشورے اور حکمرانوں کے احتساب جیسی روشن اقدار کا حامل نظام ہے، جو کہ اسے خلافت راشدہ کے مثالی دور سے ورثے میں ملی ہیں۔ پھر یہی اقدار اسلامی فتوحات میں بھی ایک اہم عامل کے طور پر سامنے آتی ہیں اور انہی فتوحات کی بدولت انسانیت مخلوق کی غلامی سے نجات پاکر مخلوق کے رب کی بندگی سے سرفراز ہوتی ہے۔ الغرض اسلامی نظام خلافت میں حاکمیت صرف اور صرف اللہ کی نازل کردہ شریعت کا حق ہوتی ہے، کسی دستور اور قرارداد مقاصد کا نہیں۔

(ج) قرارداد مقاصد ......جس پر سپریم کورٹ نے اپنے اس فیصلے میں مکمل انحصار کیا ہے ......کا حجت ہونا خود ایک متنازعہ امر ہے۔ اسی لئے تو پاکستانی عدالتوں میں اس کی حیثیت سے متعلق متضاد آراپائی جاتی ہیں۔اس تنازعے واختلاف کی تفصیل ان شاء اللہ تیسرے باب کی پہلی فصل میں پیش کی جائے گی۔

(د) جہاں ایک طرف زیر بحث عدالتی فیصلے میں دفعہ ۲۷۰ الف میں مذکورہ احکامات وقوانین

وغیرہ کو تحفظ دینے کی نفی کی گئی ہے جبکہ وہ قرارداد مقاصد سے متصادم ہوں، وہیں انہی پاکستانی عدالتوں سے متعدد ایسے فیصلے بھی صادر ہوئے ہیں جن سے اس دفعہ میں مذکور قانونی تحفظ کی تائید ہوتی ہے۔ انہی فیصلوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سپریم کورٹ نے دفعہ ۲۷۰ الف کی بناء پر عدالتوں کو سود کے بطلان کا فیصلہ دینے سے روک دیا اور یہ موقف اختیار کیا کہ اگرچہ سود پاکستانی قانون کی بعض دفعات (۱۶) کی رو سے باطل ہے، لیکن مذکورہ دستوری دفعہ کے تحت اسے قانونی تحفظ حاصل ہے اور عدالتوں کو اس معاملے پر فیصلہ دینے کا کوئی اختیار نہیں۔

PLD 1987 Kar.612, اسی طرح درج ذیل فیصلے بھی:

pld 1986 Kar. 301, 1987 MLD 312, PLD 1987 Kar. 291 and 1987 MLD 279. [THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on article 270Ap:444&445]

(ہ) اسی طرح بعض عدالتی فیصلوں میں مذکورہ بالا دونوں آرا سے بچتے ہوئے ایک درمیانی راہ بھی نکالی گئی ہے۔ مثلاً لاہور ہائی کورٹ نے اپنے ایک فیصلے میں... جس کی تائید سپریم کورٹ نے بھی کی ہے، وہ تحفظ اس صورت میں باقی نہیں رہتا جب وہ اقدامات اپنے دائرہ اختیار سے باہر نکل کر، یا اختیارات کا غلط استعمال کرتے ہوئے، یا بدنیتی سے کئے گئے ہوں۔

PLD 1988 Lah.49 & PLD 1988 S.C.26.

میرے خیال میں یہ رائے اس تضاد کو واضح کرتی ہے جو دستور کو اپنے لئے واجب الاتباع مصدر اختیارات وقانون قرار دینے والا جج محسوس کرتا ہے۔ وہ بے چارہ ایک طرف تو اپنے آپ کو دستور کا پابند سمجھتا ہے جب کہ دوسری جانب اسے ایسی دستوری دفعات سے واسطہ ہے جو عقل وضمیر دونوں ہی کے خلاف ہیں، چنانچہ چاروناچار وہ کوئی درمیانی رستہ نکالنے پر مجبور ہوتا ہے۔

اگر یہ جج شریعت کو ہی مقتدر اعلیٰ سمجھتا اور اس بات پر ایمان رکھتا کہ شریعت کے مقابلے میں

کسی دستور کی کوئی حیثیت نہیں، تو اسے اپنی عقل وضمیر کی خلش کا شافی جواب مل جاتا۔ رب تعالی کی شریعت میں تو کسی شخص کو بھی شرعی احکام سے بالاتر اور عدالتی محاسبے سے مستثنی قرار نہیں دیا گیا۔ یہ تو اللہ جل جلالہ کی صفت ہے کہ اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اپنے لئے یہ صفت پسند کرنے والا شخص تو گویا خدائی اختیارات کا مالک بننے کا خواہاں ہے۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿ام اتخذوا آلهة من الارض هم ينشرون . لو كان فيهما آلهة الا الله لفسدتا فسبحن الله رب العرش عما يصفون . لا يسئل عما يفعل وهم يسئلون﴾ [الأنبياء: ۲۱. ۲۳].

"تو کیا انہوں نے زمین سے ایسے معبود بنالئے ہیں جو انہیں (مرنے کے بعد) زندہ اٹھائیں گے؟ اگر زمین وآسمان میں اللہ کے سوا اور معبود بھی ہوتے تو زمین اور آسمان درہم برہم ہو جاتے۔ اللہ تعالی جو عرش کا مالک ہے، ان امور سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ وہ جو کچھ کرتا ہے؛ کوئی اس سے باز پرس نہیں کرسکتا جبکہ دوسروں سے باز پرس کی جاسکتی ہے"۔

دفعہ ۲۷۰ الف الف

یہ دفعہ ان تمام قوانین، حکم ناموں اور ضابطوں کو قانونی چارہ جوئی سے تحفظ فراہم کرتی ہے جو ۱۹۹۹ء سے لے کر اس دفعہ کے نفاذ تک صادر کئے گئے۔ انہی احکامات میں ۱۹۹۹ء کا عبوری آئینی حکم [Provisional Constitution Order No.1 of 1999] اور ۲۰۰۲ء میں منظور ہونے والی ترمیم "ایل۔ایف۔او" اور اس کے بعد والی ترامیم بھی... اپنے نتائج واثرات سمیت..... شامل ہیں۔

اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

270AA, Validation and affirmation of laws etc

270 AA .(1): The proclamation of emergency, of the fourteenth day of October ,1999all president's orders,

ordinances ,chief Executive's orders. Including the provisional constitution order No 1 of 199 the oath of office (judges) order,2000(No 1 of 2000) chief Executive's order No 12 of 2002, the amendments made in the constitution through the legal framework order 2002 (chief Executive's order No 24 of 2002) the legal framework (Amendment) order ,2002 (chief Executive's order No 29 of 2002)the legal framework (second Amendment) order 2002(chief Executive's order No 32 of 2002)and all other laws made between the twelfth day of October ,one thousand nine hundred and ninety nine and the date on which this article comes into force (both days inclusive),having been duty made are accordingly affirmed adopted and declared to have been validly made by the competent authority and notwithstanding any contained in the constitution shall not be called in question in any court or forum on any ground whatsoever .

(2) All order made proceeding taken appointments made including second amendments and deputations, and acts done by any authority ,or by person which were ,made taken or done or purported to have been made ,taken or

done, between the twelfth day of October, one thousand nine hundred and ninety-nine, and the day on which this Article comes into force (both days inclusive),in exercise of the powers derived from Any proclamation president's orders ordinances, chief Executive's orders, enactment's including amendments in the constitution notification rules orders bye laws, or in execution of in comported exercise of powers as aforesaid shall notwithstanding any judgment of any court be deemed to be and always to have been validly made taken or done and be called in question in any court or forum on any ground whatsoever.

---

(4) No suit prosecution or other legal proceeding including writ petitions shall lie in any court or forum against any authority or any person for or on account of or in respect of any order made Proceedings taken or act done whether in the exercise or purported exercise of the power referred

to in clause (2) or in execution of or in compliance with order made or sentences passed in exercise of purported of such powers. [PART XII Miscellaneous CHAPTER 7 TRANSITIONAL ,Article 270 AA]

دفعہ ٦٦

اس دفعہ کے تحت پارلیمان کے ہر رکن اور ہر اس شخص کو جو پارلیمان میں بات کرنے کا اختیار رکھتا ہے، یہ تحفظ فراہم کیا گیا ہے کہ وہ پارلیمان میں جو بات بھی کرے اس کے خلاف کسی بھی عدالت میں کوئی چارہ جوئی نہیں کی جا سکتی۔ لیکن اسی دفعہ کی شق ٣ میں یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ جو رکن پارلیمان بھی کسی پارلیمانی کمیٹی کے سامنے، کمیٹی کے سربراہ کے مطالبے کے باوجود، اپنی دستاویزات یا دیگر ثبوت پیش کرنے سے انکار کرے، اسے سزا دینے کے لئے قانون سازی کی جائے۔

Privileges of member etc.

66.(1) subject to the constitution and to the rules of procedure of Majlis e Shoora (parliament)there shall be freedom of speech in Majlis e Shoora (parliament) and no member shall be liable to any proceeding in any court in respect of anything said or any vote given by him in Majlis e Shoora (parliament) and no person shall be so liable in respect of the publication by or under authority of Majlis e Shoora (parliament)of any report ,paper votes or proceedings.

(2) In other respects ,the powers, immunities and privileges

of Majlis e Shoora (parliament) shall be such as may from time to time be defined by law and . until so defined ,shall such as were immediately before the commencing day enjoyed by the National Assembly of Pakistan and the committees thereof and its members.

(3) Provision may be made by law for the punishment by a House of persons who refuse to give evidence or produce documents before committee of the House when duly required by the chairman of the committee so to do:

Provided that any such law

(a) may empower a court to punish a person who refuses to give evidence or produce documents ; and

(b) shall have effect subject to such order for safeguarding confidential matters from disclosure as may be made by the president .

(4) the provisions of this Article shall apply to persons who have the right to speak in and otherwise to take part in the proceedings of Majlis e Shoora (parliament) as they apply to members

(5) In this article Majlis e Shoora (parliament) member either House or a joint sitting or a committee thereof [

CHAPTER 2 – THE MAJLIS-E-SHOORA (PARLIAMENT)] Article 66]

یعنی پارلیمان کے ہر رکن اور پارلیمان میں گفتگو کا حق رکھنے والے ہر شخص کو اجازت ہے کہ پارلیمان میں جو چاہے کہے، جس پر چاہے زیادتی کرے، جس چیز کا چاہے مطالبہ کرے، جس چیز کی چاہے ترغیب دلائے، یہ دفعہ اسے مکمل تحفظ دیتی ہے۔ اسے دوسروں کی عزت اچھالنے، بہتان تراشی کرنے، گناہوں پر ابھارنے، کفر بکنے، اسلامی کا مذاق اڑانے اور ملکی راز افشا کرنے کی کھلی چھوٹ ہے.....اور اس سبب پر شرعی محاسبہ تو دور کی بات، عدالتی محاسبہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔

صرف یہی نہیں، بلکہ دستور لکھنے والوں کو اس بات پر بھی حیاء نہ آئی کہ اسی دفعہ کے تحت پارلیمان سے اپنے راز یا دستاویزات پوشیدہ رکھنے والوں کی سرزنش کا مطالبہ تو کیا جائے......لیکن لوگوں کی عزت وناموس پہ زبان درازی کرنے اور اسلام پر کیچڑ اچھالنے والوں پر کوئی گرفت نہ ہو۔ اظہار رائے کی ایسی مطلق و گستاخانہ آزادی دینے کے بعد بھی ان کے ضمیر اور جذبات میں کوئی ہل چل پیدا نہ ہوئی! یہی دراصل وہ انگریزی ثقافت ہے جس میں اسلام، اسلامی اقدار، اسلامی احکام اور مسلمانوں کی عزت وناموس کا کوئی پاس ولحاظ نہیں، البتہ ان کے سوا ہر شے محترم ومقدس ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

ممکن ہے یہاں کوئی اعتراض کرے کہ دفعہ ۶۳، شق (g) اس رکن پارلیمان کی رکنیت کو منسوخ قرار دیتی ہے جو پاکستان کے نظریے، پاکستان کی سلامتی یا اخلاقیات وغیرہ کے برخلاف کوئی کام کرے۔

Disqualifications for memberships [Majlis e Shoora (parliament)]

63 (1) A person shall be disqualified from being elected or chosen as, and from being a member of the Majlis e

Shoora (parliament) if-

(g) He is propagating any opinion or acting in any manner prejudicial to the ideology of Pakistan or the sovereignty integrity or security of Pakistan or morality or the maintenance of public order or the integrity or independence of the judiciary of Pakistan or which defames or brings into ridicule the judiciary or the Armed Force of Pakistan PART III The Federation of Pakistan CHAPTER 2 – THE [MAJLIS –E-SHOORA (PARLIAMENT) . Article 63] .

اور یہ کہ ریاست پاکستان تو اسلام اور اسلامی احکامات کے التزام کے نظریے ہی پر قائم ہے

اس ممکنہ اعتراض کا جواب دیتے ہوئے میں عرض کرنا چاہوں گا کہ:

اولاً: ہم یہ بات تسلیم ہی نہیں کرتے کہ ریاست پاکستان اسلام کے التزام اور اسلامی احکامات کے احترام کے نظریے پر قائم ہے۔ یہ کتا اسی جھوٹے دعوے کی قلعی کھولنے کے لئے لکھی گئی ہے

ثانیاً: اگر ایک لمحے کے لئے یہ مان بھی لیا جائے کہ ریاست پاکستان اسلام اور اسلامی احکامات کے التزام کے نظریے پر کھڑی ہے، تو پھر بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا دستور پاکستان کی رو سے پارلیمان میں خلاف شرع گفتگو کرنے والے شخص کے خلاف کسی قسم کی کاروائی کرنا ممکن ہے؟ اس حوالے سے ہمیں زیادہ سے زیادہ دفعہ ۶۳ کی دوسری اور تیسری شق ملتی ہے، جن میں درج ہے کہ جب

کبھی کسی رکن پارلیمان کی اہلیت پر سوال اٹھے تو اسمبلی کے سپیکر کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس معاملے کو چیف الیکشن کمشنر کے سپرد کرے اور وہ اس معاملے کو الیکشن کمیشن کے سامنے پیش کرے گا تاکہ اس کی چھان بین کرنے کے بعد اس حوالے سے کوئی قطعی فیصلہ کیا جائے۔

Disqualifications for membership of Majlis-e-shoora (Pakistan)

63

----

(2) if any question arises whether a member of Majlis-e-Shoora (Pakistan)has become disqualified from being a member, the speaker or as the case may be chairman shall.Within thirty days from rising of such question refer the question to the Chief Election Commissioner.

(3)Where a question is referred to the Chief Election Commissioner under clause (2) he shall lay such question before the Election Commissioner which shall give its decision thereon not later than three from months from its receipt by the Chief election Commissioner. [PART III The Federation of Pakistan . CHPTER 2 –THE [MAJLIS-E-SHOORA (PARLIAMENT)]. Article 63]

الیکشن کمیشن ......جو خود بھی ایسے حضرات پر مشتمل ہوتا ہے جن کی تاقرری کے لئے نہ تو

مسلمان ہونا شرط ہے، نہ پابند شرع یا امین ہونا (چیف الیکشن کمشنر کی بنیادی شرائط کے لئے دیکھئے آئین کی دفعہ نمبر ۱۱۳ کی شق نمبر ۲ جبکہ ارکان الیکشن کمیشن کی شرائط کے لئے دیکھئے دفعہ نمبر ۱۱۸ کی شق نمبر ۲ کا جزوب)..... وہ زیادہ سے زیادہ اسی بات کا اختیار رکھتا ہے کہ اس رکن پارلیمان کی رکنیت منسوخ کردے۔ پھر اس کے بعد اسے دفعہ ۶۶ کے تحت ہر قسم کے محاسبہ اور قانونی چارہ جوئی سے تحفظ حاصل ہوتا ہے۔

کیا اس سب کے بعد بھی یہ کہنے کی گنجائش باقی بچتی ہے کہ ریاست پاکستان اسلام کے التزام اور احکام شرع کے احترام پر قائم ہے۔

ممکن یہ کہ یہاں یہ حجت بھی پیش کی جائے کہ ارکان پارلیمان کو قانونی جوابدہی سے مستثنیٰ قرار دیئے جانے کا مقصد دراصل یہ ہے کہ اعلیٰ مناصب کے حامل افراد ہر قسم کی انتقامی کاروائی اور دھونس ودھمکی سے بے خوف ہوکر اپنی ذمہ داریاں ادا کریں؛ اور ارکان پارلیمان بھی اپنے آپ کو قانون نافذ کرنے والے اداروں کے دباؤ سے آزاد اور محلاتی سازشوں سے بچتے ہوئے اپنے ضمیر کی آواز پر اطمینان سے لبیک کہ سکیں۔

اس حجت پر تو یہ ضرب المثل صادق آتی ہے کہ ''عذر گناہ بدتر از گناہ''! دھونس، دھمکی، انتقامی کاروائیوں اور محلاتی سازشوں سے تحفظ دینے کا طریقہ تو یہ تھا کہ آزاد، امانت دار اور غیر جانب دار عدلیہ تشکیل دی جاتی، اسے تمام اداروں کے دباؤ سے تحفظ فراہم کیا جاتا اور ارکان پارلیمان سمیت سبھی کو ان عدالتوں کے سامنے جوابدہ بنایا جاتا..... کوئی وجہ نہیں کہ اس کے بعد بھی ان سے ناانصافی ہوتی۔ یہ تو کوئی علاج نہ ہوا کہ حکومتی عہدیداران کو جوابدہی سے مستثنیٰ قرار دے کر شریعت اسلامی کی واضح مخالفت کی جائے اور لوگوں کو عملاً دو گروہوں میں تقسیم کر دیا جائے: ایک وہ جو محاسبہ اور سزا کا نشانہ بنیں، اور دوسرے وہ جو ان دونوں سے ہی مبرا قرار پائیں۔ یہ دوسرا گروہ اپنے دفاع میں جو دلیل پیش کرتا ہے..... یعنی یہ کہ اگر انہیں بھی حکم شریعت کے سامنے دوسروں کے برابر کھڑا کر دیا گیا تو انہیں ظلم و ناانصافی کا اندیشہ ہے ..... یہ تو وہی دلیل ہے جو اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں منافقین کے حوالے سے بیان فرمائی ہے:

﴿ویقولون آمنا باللّٰہ وبالرسول وأطعنا ثم یتولی فریق منھم من بعد ذلک وما أولئک بالمؤمنین . واذا دعوا الی اللّٰہ ورسولہ لیحکم بینھم اذا فریق منھم معرضون . وان یکن لھم الحق یأتوا الیہ مذعنین . أفی قلوبھم مرض أم ارتابوا أم یخافون أن یحیف اللّٰہ علیھم ورسولہ بل أولئک ھم الظالمون . انما کان قول المؤمنین اذا دعوآ الی اللّٰہ ورسولہ لیحکم بینھم أن یقولوا سمعنا وأطعنا وأولئک ھم المفلحون﴾ [النور : ۴۷. ۵۱] .

''اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور (ان کا) حکم مان لیا، پھر اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ پھر جاتا ہے، اور یہ لوگ اہل ایمان نہیں ہیں۔ اور جب انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے تا کہ ان کے درمیان فیصلہ کریں، تو ان میں سے ایک گروہ منہ پھیر لیتا ہے۔ اور اگر معاملہ ان کے حق کا ہو تو مطیع و فرمانبردار بن کر ان کی طرف چلے آتے ہیں۔ کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے، یا یہ شک میں پڑے ہیں، یا ان کو یہ خوف ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ان کے حق میں ظلم کریں گے۔ (نہیں!) بلکہ یہ خود ظالم ہیں۔ مومنوں کی بات تو یہ ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلائے جائیں تا کہ وہ ان میں فیصلہ کریں تو کہتے ہیں کہ ہم نے (حکم) سنا اور مان لیا، اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں''۔

تیسرا تضاد

سربراہ ریاست (یعنی صدر) کو
ہر قسم کے جرائم معاف کرنے کا حق حاصل ہے

دستور کی دفعہ ۴۵ صدر پاکستان کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ کسی بھی عدالت، ٹریبونل یا دیگر ہیئت مجاز کی دی ہوئی سزا، بشمول سزائے موت کو معاف، کم، ملتوی، معطل یا تبدیل کردے۔

President's power to grant pardon, etc

45, The president shall have to power to grant pardon, reprieve and to remit, suspend or commute any sentence passed by any court, tribunal or other authority. [PART III The Federation of Pakistan, CHAPTER I – THE PRESIDENT ,Article 45]

یعنی یہ دستور ایک ایسا دین پیش کرتا ہے جس میں حاکم اعلیٰ سربراہ ریاست ہے، نہ کہ مالک کائنات! اس دستوری دفعہ پر پاکستان کے قانونی حلقوں میں بڑی لے دے ہوئی ہے، خصوصا جب دسمبر ۱۹۸۸ء میں صدر پاکستان نے مذکورہ دفعہ سے حاصل شدہ اختیارات استعمال کرتے ہوئے سزائے موت کے تمام فیصلوں کو عمر قید میں تبدیل کر ڈالا۔

THE CONSITUTION OF PAKISTAN 1973 with Commentary, comiments on article 2-A P: 54 to 56 and comments on article 45p: 115,

صدر کا یہ دستوری حق شریعت سے صراحتا متصادم ہے۔ شریعت تو یہ حق صرف مقتول کے ورثاء کو دیتی ہے کہ وہ قصاص لیں یا قصاص کی جگہ دیت قبول کریں یا مطلق طور پر معاف کردیں۔ ۱۹۸۸ء میں اٹھنے والی یہ بحث آہستہ آہستہ زور پکڑتی گئی یہاں تک کہ ساری توجہ ان دستوری دفعات پر مرکوز ہوگئی جو قوانین پاکستان کو شریعت کے موافق ڈھالنے کا مطالبہ کرتی ہیں۔ اب اساسی سوال یہ بن گیا کہ کیا یہ دفعات صرف ہدایات اور مشوروں کا درجہ رکھتی ہیں جن پر عمل ضروری نہیں یا یہ ایسے احکامات واوامر ہیں جن پر عمل بھی لازم ہے؟ کیا یہ دفعات دستور سے بالاتر کوئی حیثیت رکھتی ہیں؟ یا سرے سے دستور کا جزو ہی نہیں؟

یہ بحث ۱۹۹۲ء تک جاری رہی، یہاں تک کہ بالآخر سپریم کورٹ نے اپنا تاریخی فیصلہ سنا کر یہ بحث ہی ختم کردی۔ سپریم کورٹ نے کہا کہ عدالت کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ کسی قانون کو اس بنا پر غلط قرار دے کہ وہ اللہ کی قائم کردہ حدود سے متجاوز ہے۔ نیز یہ کہ دستور کی دفعہ ۲ الف عدالتوں کو مخاطب نہیں

کرتی، وہ تو عدالتی نمائندوں کو قانون سازی کے حوالے سے کچھ ہدایات دیتی ہے۔ اس بحث کی اہمیت کے پیش نظر ہم تیسرے باب میں دستور کے دیباچے اور دفعہ ۲ الف پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کا تفصیلی جائزہ لیں گے، انشاءاللہ تعالیٰ۔

یہاں تو صرف یہ نکتہ سمجھانا مقصود ہے کہ باوجود اس کے کہ دفعہ ۴۵ کے حوالے سے مختلف باہم متعارض عدالتی فیصلے موجود ہیں ـــــ کوئی فیصلہ صدر کو عطا کردہ اس دستوری حق کی حمایت کرتا ہے تو کوئی مخالفت، کوئی فیصلہ تمام قوانین کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کی متقاضی دفعات کو واجب العمل قرار دیتا ہے اور کوئی اس کے برعکس ـــــ لیکن اس باہمی اختلاف کے باوجود بھی یہ تمام فیصلے ایک امر پر متفق ہیں، یعنی کہ یہ دستور کی دفعہ ۴۵ جو صدر پاکستان کو ہر قسم کی سزا معاف کرنے کا اختیار دیتی ہے، اسلامی شریعت سے متعارض ومتصادم ہے۔

چوتھا تضاد

قاضی کے لیے عادل ہونے کی شرط نہیں لگائی گئی، اور مسلمان ہونے کی شرط بھی محض شرعی عدالت کے قاضی کے لیے عائد کی گئی ہے

(الف) اسلام میں قاضی کے لیے مسلمان اور عادل ہونا شرط ہے

اس بات پر تمام فقہائے اسلام کا اجماع ہے کہ قاضی بننے کے لیے مسلمان ہونا اور پھر عادل ہونا شرط ہے (عادل کا لفظ یہاں شرعی اصطلاح کے طور پر استعمال ہو رہا ہے) امام کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فصل : وأما بيان من يصلح للقضاء فنقول: الصلاحية للقضاء لها شرائط منها العقل، ومنها البلوغ، ومنها الاسلام، ومنها الحرية، ومنها البصر، ومنها النطق، ومنها سلامة عن حد القذف، لما قلنا فى الشهادة، فلا يجوز تقليد المجنون والصبى والكافر والعبد والاعمىٰ والأخرس والمحدود فى القذف، لأن القضاء من

باب الولاية ، بل هو أعظم الولايات ، وهؤلاء ليست لهم أهلية أدنى الولايات . وهى الشهادة . فلأن لا يكون لهم اهلية أعلاها أولى".

"رہا یہ معاملہ کہ کون شخص قاضی بننے کا اہل ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ اس منصب کا اہل ہونے کے لیے انسان میں کچھ شرائط کا پایا جانا لازم ہے۔ مثلاً اس کا عاقل، بالغ، مسلمان، آزاد، بینا، متکلم، اور حد قذف سے پاک ہونا (یعنی عادل) یہ شرائط عائد کرنے کے اسباب ہم گواہی کے باب میں ذکر کر چکے ہیں۔ ان شرائط کی رو سے کسی پاگل، نابالغ، بچے، کافر، غلام، اندھے، بہرے یا حد قذف میں سزا یافتہ شخص کو قاضی بننا جائز نہیں۔ کیونکہ قضاء بھی ایک طرح کی ذمہ داری ہے، بلکہ عظیم ترین ذمہ داری ہے، جبکہ مذکورہ لوگ تو گواہی جیسی چھوٹی ذمہ داری بھی ادا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ پس اس سے بڑی ذمہ داری کے تو وہ کسی طرح مستحق ہو ہی نہیں سکتے۔"

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع . كتاب آداب القاضى ، فصل فى بيان من يصلح للقضاء ۷/ ۳) .

(ب) دستور پاکستان میں مسلمان ہونے کی شرط محض شرعی عدالت کے قاضی کے لیے ہے

پاکستانی دستور صرف وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کے شریعت مرافعہ بنچ کے قاضیوں کے لیے مسلمان ہونے کی شرط عائد کرتا ہے باقی تمام عدالتوں کے قاضیوں کے لیے دستور ایسی کوئی شرط عائد نہیں کرتا۔ جبکہ عادل (یعنی پابند شریعت) کی شرط تو وفاقی شرعی عدالت سمیت کسی عدالت کے لیے عائد نہیں کی گئی۔ گویا پاکستان میں کسی چھوٹی سی عدالت سے لے کر عدالت عظمیٰ تک کا قاضی بننے کے لیے حتی کہ 'چیف جسٹس' بننے کے لیے بھی نہ تو مسلمان ہونا شرط ہے اور نہ ہی حد قذف سے پاک ہونا۔

چیف جسٹس سمیت سپریم کورٹ کے جج حضرات کی شوط جاننے کے لئے دفعہ ۱۷۷ کی شق ۲ دیکھئے جس کی اصل عبارت یہ ہے:

Appointment of Supreme court Judge

177--------------

(2) A person shall not be appointed a judge of the Supreme Court unless he is a citizen of Pakistan and-

(a) Has for a period of, or for periods aggregating, not less five years been a judge of a High court (including a High court which existed in Pakistan at time before the commencing day); or

(b)Has for period of or for periods aggregating , not less than fifteen years been an advocate of a High Court which existed in Pakistan at any time before the commencing day)PART VII the judicature CHAPTER 2- THE SUPREM COURT OF PAKISTAN. Article 177]

ہائی کورٹ کے ججوں کی شرائط کے لئے دفعہ ۱۹۳ کی شق ۲ دیکھئے۔ جس کی اصل عبارت یہ ہے:

Appointment of High court Judges

193--------

(2) A person shall nor be appointed a judge of High Court unless he is a citizen of Pakistan, is not less then forty-five years of age, and

(a)he has for a period of or for periods aggregating , not less than ten years been an advocate of a high court which existed in Pakistan at any time before the commencing day

); or

(b) He is and has for a period of not less then ten years been a member of a civil service prescribed by law for the purposes of this paragraph , and has for period of not less than three year , served as exercised the functions of a District Judge in Pakistan; or

(C) He has, for period of not less then ten years, held a judicial in Pakistan [PART VII the Judicature, CHAPTER 2 – THE SUPREME COURT OF PAKISTAN, Article 193]

یہ دونوں شرائط نہ ہونے کے سبب کفار اور فساق کو قاضی مقرر کرنا آئین پاکستان کی رو سے جائز ہے!۔ جبکہ شریعت کی رو سے ایسا کرنا بالکل ناجائز ہے۔ (اسی کے نتیجے میں بھگوان داس کے لئے سپریم کورٹ کا چیف جسٹس بننا ممکن ہوا)۔ چنانچہ اس دستور نے نہ صرف ایک ناجائز بات کو جائز ٹھہرایا، بلکہ اسے ایک باقاعدہ قانون کا درجہ دے کر اللہ کے حرام کردہ امر کو مباح یعنی حلال قرار دیا۔ گویا یہ دستور اللہ کے حرام کردہ امور کو حلال قرار دینے اور حکم الہی سے متصادم قانون سازی کرنے جیسے عظیم جرائم پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل کے دوسرے باب میں اس حوالے سے تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔

مستشار علی جریشہ فرماتے ہیں:

"ان من عدل عن شرع اللّٰه الى شرع غيره فقد عدل بشرع اللّٰه شرعا آخر ، ومن ثم عدل باللّٰه آلهة وارباىا آخرين، لأن الشرع ابتداء خالص حق اللّٰه باعتباره من خصائص الربوبية والألوهية ، كذلک من لم يعدل عن شرع اللّٰه كله ولكنه عدل فيه.. لأنه لا يملک ذلک الا سلطة فى نفس المستوى او سلطة اعلىٰ ، فمن فعل ذلک فقد جعل من نفسه ندا للّٰه ، تعالى اللّٰه عن ذلک علواً كبيرا .

والتحريم والتحليل اللذان أشارت اليهما الآية الكريمة يتخذ صورة العدول أو التعديل، فمن عدل عن تحريم الخمر الى اباحتها فقد أحل ما حرم اللّٰه و وقع فى الكفر والشرک، وكما يكون العدول صريحا بأن يقال عن الحرام حلال، فانه يكون كذلک ضمنيا بتغيير وصرف الحكم من الحرام الى الحلال، ففى مثل الخمر جاء تحريمها بالنص والاجماع، فاذا جاء ت نصوص وضعية خالية من العقاب فقد غيرت وصف الحكم وجعلته مباح . والمباح أحد أقسام الحلال، ومن ثم فانها تكون قد أحلت ما حرم اللّٰه.... واذا جاء ت نصوص وضعية خالية من النص على العقاب عليه ولو فى بعض الأحوال فانها تكون قد اباحته فى هذه الحالات أى تكون قد احلت ما حرم اللّٰه ، وهذه صورة من صور العدل.....أما صور التعديل فان الحكم يبقى على وصفه الأصلى، فلا ينقلب من الحرام الى الحلال، ولكن مثلا يجرى التعديل فى العقوبة، التى وضعها اللّٰه سبحانه للفعل ، كأن يحتفظ بالنص بتحريم الفعل ويحرمه ولكن يعدل العقوبة المقررة له شرعا ، ويجعل الحبس بدلا من الجلد أو الرجم ، ويمكن أن يقال ان مثل تلک النصوص الوضعية التى تتضمن تعديلا فى الحكم الشرعى تتضمن كذلک عدولا، ان وضع عقوبة مكان أخرى عدول عن العقوبة الأصلية التى شرعها الشارع الحكيم علاجا للداء ، وهو أعلم بمن خلق وهو اللطيف الخبير ، وعلى ذلک فالعدول والتعديل هو من قبيل التحليل والتحريم، الذى دمغه القرآن بالكفر والشرک .... وتلک أقصى صور عدم الشرعية".

"جس کسی نے اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر کوئی دوسرا قانون اختیار کیا تو گویا اس نے اس خود ساختہ قانون کو شریعت الہیہ کے برابر ٹھہرایا اور دیگر خود ساختہ خداؤں کو اللہ کے مساوی گردانا۔ انسانوں کے لیے قانون بنانا تو ربوبیت اور الوہیت کا خاصہ ہے اور اسی لیے محض اللہ جل جلالہ کا حق ہے کہ وہ

قانون سازی کرے۔اسی طرح اس شخص کا جرم بھی کچھ کم سنگین نہیں جوشریعت الٰہیہ کو بالکلیہ ترک تو نہیں کرتا لیکن اس شریعت میں من مانی ترمیمات کرتا ہے۔اللہ کی شریعت میں ترمیم کا حق تو اسی کو ہوسکتا ہے جو (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کے برابر یا اس سے بھی بڑھ کر اختیارات رکھتا ہو۔پس جو کوئی بھی ایسا کرے (یعنی شریعت کی جگہ کوئی دوسرا قانون اختیار کرے یا شریعت میں من مانی ترمیمات کرے) تو گویا اس نے خود کو اللہ کا ہمسر بنانے کی کوشش کی، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند اور برتر ہے۔

قرآنی آیات جب اللہ کے حرام کردہ کو حلال اور اس کے حلال کردہ کو حرام ٹھہرانے والوں کی مذمت کرتی ہیں تو وہاں ان دونوں قسم کے لوگوں کی طرف اشارہ ہوتا ہے:

------وہ جو حکم شریعت کو مکمل طور پر کسی دوسرے قانون سے بدل ڈالیں (عدول)

------اور وہ بھی جو شریعت میں ترمیم کریں (تعدیل)

مثلاً جس شخص نے شراب کو حرام کے بجائے مباح قرار دیا تو گویا اس نے اللہ کے حکم کو حرام سے بدل کر حلال میں تبدیل کر دیا اور یوں وہ صریح کفر وشرک کا مرتکب ہوا۔پھر جس طرح یہ ممکن ہے کہ حرام کو سیدھا سیدھا حلال قرار دے کر پورا حکم ہی بدل دیا جائے، اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ اس حکم میں بعض ضمنی تبدیلیوں سے حرمت کو حلت میں تبدیل کر دیا جائے۔مثلاً شراب کی حرمت نص اور اجماع دونوں سے ثابت ہے، پس اب اگر خود سے کوئی قانون بنایا جائے جس میں شراب نوشی (کو صراحتاً تو حلال نہ کہا جائے، لیکن اس) پر کوئی سزا مقرر نہ ہو تو یہ شراب کو مباح قرار دینے کے ہی مترادف ہے، اور مباح بھی حلال کی ایک قسم ہے۔الغرض اس تبدیلی کا نتیجہ بھی وہی نکلے گا کہ اللہ کا حرام کردہ امر حلال ٹھہرے گا۔اسی طرح اگر کوئی خود ساختہ قانون بعض مخصوص شخصیات کو بعض مخصوص حالات میں شراب نوشی کی شرعی سز سے مستثنیٰ رکھتا ہے، تو گویا وہ شراب نوشی کو ان مخصوص حالات میں مباح قرار دیتا ہے۔یعنی دوسرے لفظوں میں وہ ان مخصوص حالات میں اللہ کی حرام کردہ چیز کو حلال ٹھہراتا ہے۔پس یہ سب صورتیں حکم شریعت کو مکمل طور پر کسی دوسرے قانون سے بدل ڈالنے (یعنی عدول) میں داخل ہیں۔

جبکہ دوسری صورت (یعنی تعدیل) یہ ہے کہ اصل حکم تو اپنی جگہ باقی رکھا جائے، حرام کو حلال

کہا جائے، لیکن اللہ نے اس جرم پر جو سزا مقرر کی ہے اس میں ترمیم کر دی جائے۔مثلاً کسی فعل کو حرام تو کہا جائے اور اس فعل کے مرتکب کو سزا بھی دی جائے، لیکن جو سزا شریعت نے مقرر کی ہے---مثلاً کوڑے یا سنگساری---اس میں ترمیم کر کے اسے سزائے قید میں بدل دیا جائے۔یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ ایسے خود ساختہ قوانین جو حکم شرعی میں ترمیم (یعنی تعدیل) کرتے ہوں، دراصل حکم شرعی کو کسی دوسرے قانون سے بالکلیہ بدل ڈالنے (یعنی عدول) ہی کے مترادف ہیں۔جب رب حکیم نے، جو اپنی مخلوق سے خوب آگاہ اور باریک بین وباخبر ہے، ایک بیماری کے علاج کے طور پر ایک شرعی سزا مقرر کر رکھی ہے تو اسے کسی دوسری سزا سے بدل دینا ایک طرح کا عدول ہی ہے۔لہٰذا یہ 'عدول' و 'تعدیل' (یعنی حکم شرعی کو بالکلیہ بدل دینا یا اس میں جزوی ترمیم کرنا) دونوں ہی اللہ کی رہنمائی سے آزاد ہو کر چیزوں کو حلال وحرام قرار دینے میں داخل ہیں؛ اور یہ وہ جرم عظیم ہے جسے قرآن نے کفر وشرک قرار دے کر ملیا میٹ کرنے کا حکم دیا ہے---اور بلاشبہ یہ مخالفت شرع کی انتہائی صورتیں ہیں۔

(أصول الشرعية الاسلامية للمستشار على جريشة ١/ ٢٢ : ٢٣ . نقلتها عن كلمة حق للشيخ عمر عبد الرحمن ص : ٣٦، ٣٧).

پانچواں تضاد

سربراہ ریاست کے لیے مرد ہونے کی شرط نہیں عائد کی گئی

دستور کی دفعہ ۴۱ وہ شروط ذکر کرتی ہیں جن کا سربراہ ریاست میں پایا جانا لازم ہے۔ان شروط میں سربراہ ریاست کے لیے مرد ہونے کی شرط کا کوئی ذکر نہیں، حالانکہ اس شرط پر تو تمام علماء کا اجماع ہے۔

اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

The president 41--------

(2) A person shall not be qualified foelection as presiden

unless he is a Muslim of not less then forty-five years of age and qualified to be elected as member of the National Assembly .

[PART III The federation of Pakistan, CARTER 1 – THE PRESIDENT. Article 41]

یہ افسوس ناک واقعہ تو سبھی کو یاد ہوگا کہ پاکستان کی ایک بہت بڑی دینی جماعت کے قائد نے بے نظیر بھٹو کے وزیر اعظم منتخب ہونے پر کہا تھا کہ: "شریعت نہ تو نماز میں عورت کی امامت کو جائز قرار دیتی ہے، نہ ہی ملکی معاملات میں عورت کی امامت کو درست جانتی ہے، لیکن جب عوام نے ایک عورت کو وزارت عظمیٰ کے لیے منتخب کر ہی لیا ہے تو ہیں اس عوامی رائے کا احترام کرنا چاہیے۔"

یہ مؤقف (پاکستانی سیاست میں حصہ لینے والی) متعدد دینی تنظیموں کے عمومی کردار کی عکاسی کرتا ہے۔ ان تنظیموں کے مؤقف کسی مضبوط شرعی بنیاد پر قائم ہونے کے بجائے موم کے پتلے کی طرح پاکستانی سیاست، دستور و قانون اور عوامی مسائل کے مطابق ڈھلتے اور بدلتے رہتے ہیں۔ اسی رویے کا نتیجہ ہے کہ یہ تنظیمیں خود اپنے ہی بنیادی اصول وعقائد کی پابندی نہیں کر پاتیں۔ چنانچہ پاکستان کی غالب اکثریت بھی انہیں احترام کی نگاہ سے نہیں دیکھتی۔ یہ جماعتیں نہ تو امت کی قیادت سنبھالنے کی اہل ہیں، نہ ہی یہ پاکستان پر مسلط کردہ صلیبی جنگ کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ یہ فیصلہ کرنا انتخابی کمیشن کا کام ہے کہ کون انتخابات میں شرکت کا اہل ہے اور کون نہیں۔ پس جب انتخابی کمیشن ایک مرتبہ یہ اعلان کر دے کہ فلاں شخص درست طریقے سے سربراہ منتخب ہو چکا ہے تو پھر کسی بھی عدالت یا ہیئت مجاز کے ذریعے اس کی اہلیت کو مشکوک بنانا ممکن نہیں رہتا، اور انتخابی کمیشن کے ارکان کے لیے دستور نہ تو مسلمان ہونے کی شرط عائد کرتا ہے، نہ ہی عادل (یعنی پابند شرع) ہونے کی شرط۔ پس جو لوگ خود دین وشریعت سے آزاد ہوں، وہ کیسے دوسروں کے مسلمان یا عادل ہونے کا فیصلہ کر سکتے ہیں؟

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With

Commentary P:112

چھٹا تضاد

ہر اس شخص کو سزا سے تحفظ فراہم کیا گیا ہے جس نے جرم کا ارتکاب اس فعل کو قانونی طور پر جرم قرار دیئے جانے سے قبل کیا ہو

دستور کی دفعہ ۱۲ کہتی ہے کہ 'موثر بہ ماضی' سزا دینا جائز نہیں۔ یعنی اگر ایک شخص نے کسی فعل کا ارتکاب اس وقت کیا جبکہ نہ تو قانون میں اسے جرم قرار دیا گیا تھا، نہ ہی اس پر کوئی سزا مقرر تھی۔۔۔۔ تو اسے بعد میں سزا نہیں دی جا سکتی۔ اسی طرح اگر اس وقت کوئی سزا مقرر تھی تو اس مقرر سزا کے علاوہ کوئی دوسری سزا یا اس سے بڑی سزا بھی نہیں دی جا سکتی۔

اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

Protection against retrospective punishment

12 (1) No law shall authorize the punishment of a person

(a) for an act or omission that was not punishable by law at the time of the act or omission ;or

(b) for an offence by a penalty greater then , or of a kind different from ,the penalty prescribed by law for that offence at the time the offence was committed .

(2) Nothing in clause (1) or in Article 270 shall apply to any law making acts of abrogation or subversion of a constitution in force in Pakistan at any time since the

twenty- third day of March one thousand none hundred and fifty-six ,an offence [PART II Fundamental rights and principles of policy ,CHAPTER 1 – FUMDAMENTAL RIGHTS Article 12]

(الف) گویا اگر کوئی شخص شرعاً کسی جرم کا مرتکب ہوا اور اسے عدالت میں پیش کر کے شرعی طریقہ کار کے مطابق اس کا مجرم ہونا ثابت کر بھی دیا جائے۔۔۔تب بھی اسے سزا نہیں دی جاسکتی یہاں تک کہ یہ نہ ثابت کردیا جائے کہ جرم کے ارتکاب کے وقت یہ فعل پاکستانی قانون میں بھی جرم تھا۔ بلاشبہ شریعت کی نگاہ میں یہ ایک باطل اصول ہے کیونکہ اس کے مطابق:

(۱) شرعی احکامات اس وقت تک واجب العمل نہیں ہوتے جب تک پاکستانی پارلیمان یا سربراہ ریاست ضابطے کی کاروائیاں پوری کرتے ہوئے انہیں ملکی قانون نہ قرار دے۔ گویا اللہ کی نازل کردہ شریعت ان کے نزدیک واجب الاتباع شریعت ہی نہیں کیونکہ ان کی قانون ساز مجلس (پارلیمان) نے اسے منظور نہیں کیا۔

دستور پاکستان کا یہ اصول شرعاً بالکل باطل ہے۔ اس اصول سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام کی عطا کردہ شریعت اور پاکستانی پارلیمان سے صادر ہونے والے قوانین دو مختلف عقیدوں سے پھوٹتے ہیں اور ان دونوں کے درمیان نہایت واضح تضاد ہے۔ رب کی نازل کردہ شریعت تو کسی انسانی پارلیمان سے منظوری کی محتاج نہیں۔ یہ تو اسی وقت سے واجب العمل ہے جب سے حق تعالیٰ نے اسے نازل فرمایا اور نبی اکرم ﷺ نے اسے امت تک پہنچایا۔ کوئی دنیاوی قانون اس شریعت کو تسلیم کرے یا نہ کرے، شریعت الٰہی کی قدر و منزلت پر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ پاکیزہ شریعت تو بعثت نبوی ﷺ کے وقت سے موجود اور واجب العمل ہے، چودہ سو سال اسلامی سلطنتوں میں عملاً نافذ رہی ہے اور شرعی قاضی اسی کے مطابق ان چودہ صدیوں میں فیصلے کرتے آئے ہیں۔

(اسی طرح کی ایک کوشش کے ذریعے مصر کی اعلیٰ دستوری عدالت نے بھی دستور کی دفعہ ۲ کی

تطبیق سے راہ فرار اختیار کی جس میں کہا گیا ہے کہ: شریعت اسلامیہ کے اصول و مبادی ہی قانون سازی کا ماخذ ہیں"۔ عدالت نے کہا کہ اس دفعہ کا اطلاق ان قوانین پر نہیں ہوتا جو اس سے قبل صادر ہوئے۔ اور چونکہ ملک کے غالب قوانین اس دفعہ کی منظوری سے پہلے بنے ہیں لہٰذا ان پر اس دفعہ کا کوئی اطلاق نہ ہوگا۔ دیکھئے: مركز الدراسات السياسية والاستراتيجية بالأهرام ؛ التقرير الاستراتيجي العربي لسنة ۱۹۹۳ ، ص ۳۳۲ ، القاهرة ۱۹۹۴ ، الحكم رقم (۲) لسنة ۴۱ قضائية (دستورية) الصادر في ۳ ابريل ۱۹۹۳ م.

(۲) دفعہ ۱۲ میں بیان کردہ اس اصول کے مطابق لوگوں پر حجت اس وقت قائم ہوتی ہے جب پاکستانی قانون کوئی باقاعدہ فرمان جاری کرے، حالانکہ یہ حجت تو دراصل چودہ سو سال قبل ہی قائم ہوگئی تھی جب یہ شریعت آسمانوں سے نازل ہوئی تھی۔ اب تو اس کے بنیادی احکامات مثلاً شراب، زنا اور چوری وغیرہ کی حرمت سب ہی کو معلوم ہے، کوئی بھی اس سے لاعلمی کا عذر پیش نہیں کرسکتا۔

(۳) یہ اصول شرعی اور غیر شرعی سزاؤں میں تفریق کیے بغیر یہ عمومی قاعدہ دیتا ہے کہ نہ تو 'مؤثر بہ ماضی' سزا دی جاسکتی ہے، نہ ہی جرم کے ارتکاب کے وقت قانون میں جو سزا مقرر تھی اس سے مختلف کوئی سزا دی جاسکتی ہے۔ گویا اگر جرم کے ارتکاب کے وقت قانون میں کوئی غیر شرعی سزا مقرر تھی تو اب اسے تبدیل کر کے شرعی سزا دینا ممکن نہیں۔ پس یہیں سے اس بات کا دروازہ کھلتا ہے کہ غیر شرعی سزائیں، شرعی سزاؤں کا متبادل پائیں۔ شریعت تو غیر شرعی سزاؤں کو لائق اعتبار ہی نہیں سمجھتی لہٰذا یہ اصول شرعاً ناقابل قبول ہے۔

(۴) اس دستوری دفعہ سے یہ بات بھی پتہ چلتی ہے کہ ریاست پاکستان میں اصل قانون ساز اللہ تعالیٰ نہیں، انسان ہیں۔ کیونکہ اللہ کے حکم کو بھی یہ دستور تبھی تسلیم کرتا ہے جب ارکان پارلیمان اس پر مہر تصدیق ثبت کردیں۔ اللہ رب العزت تو اپنی کتاب مقدس میں انتہائی تاکید کے ساتھ بیان فرماتے ہیں کہ قانون بنانے اور حکم دینے کا حق صرف اسی کی ذات بالاصفات کو حاصل ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قل انى على بينة من ربى و كذبتم به ما عندى ما تستعجلون به ان الحكم

الا للّٰہ یقص الحق وھو خیر الفاصلین﴾ [الانعام :۵۷] .

''آپ کہہ دیجیے! میں تو اپنے پروردگار کی روشن دلیل پر قائم ہوں جبکہ تم اسے جھٹلاتے ہو، جس چیز (عذاب) کے لیے تم جلدی کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے، حکم تو اللہ ہی کے لیے خاص ہے، وہ حق بیان کرتا ہے، اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے''۔

اور فرمایا:

﴿ثم ردوٓا الی اللّٰہ مولٰھم الحق ألا لہ الحکم وھو أسرع الحاسبین﴾ [الأنعام: ۶۲] .

''پھر (قیامت کے دن لوگ) اپنے مالک حقیقی اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے، سن لو کہ حکم اسی کے لیے خاص ہے، اور وہ نہایت جلد حساب لینے والا ہے''

اور فرمایا:

﴿ما تعبدون من دونہ الا اسمآءً سمیتموھا أنتم وآبآؤکم ما أنزل اللّٰہ بھا من سلطان ان الحکم الا للّٰہ أمر ألا تعبدوا الا ایاہ ذلک الدین القیم ولکن أکثر الناس لا یعلمون﴾ [یوسف :۴۰] .

''اس (اللہ) کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو تو صرف نام ہی ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، اللہ نے ان (کے حق ہونے) پر کوئی سند نازل نہیں کی (یہ سن رکھو کہ) اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں، اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یہی سیدھا مستحکم دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''۔

اور فرمایا:

﴿وقال یٰبنیَّ لا تدخلوا من باب واحد وادخلوا من أبواب متفرقة وما أغنی عنکم من اللّٰہ من شیء ان الحکم الا للّٰہ علیہ توکلت وعلیہ فلیتوکل المتوکلون﴾ [یوسف :۶۷] .

''اور (یعقوب علیہ السلام نے) فرمایا: اے بیٹو! (شہر میں) ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ جدا جدا دروازوں سے داخل ہونا، اور میں تمہیں اللہ کی تقدیر سے تو نہیں بچا سکتا، حکم تو صرف اسی کے لیے خاص ہے، میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اہل توکل کو صرف اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے''۔

اور فرمایا:

﴿وھو اللّٰہ لآ الٰہ الا ھو لہ الحمد فی الأولیٰ والآخرۃ ولہ الحکم والیہ ترجعون﴾ [القصص :۷۰] .

''اور وہ اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، دنیا اور آخرت میں اسی کی تعریف ہے اور اسی کا حکم، اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے''۔

اور فرمایا:

﴿ولا تدع مع اللّٰہ الٰھا اٰخر لا الٰہ الا ھو کل شیء ھالک الا وجھہ لہ الحکم والیہ ترجعون﴾ [القصص :۸۸] .

''اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو مت پکارو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے، اسی کا حکم ہے، اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے''۔

اور فرمایا:

﴿ذلکم بانہ اذا دعی اللّٰہ وحدہ کفرتم وان یشرک بہ تؤمنوا فالحکم للّٰہ العلی الکبیر﴾ [غافر :۱۲] .

''یہ اس لیے ہے کہ جب تنہا اللہ کو پکارا جاتا تو تم قبول کرنے سے انکار کر دیتے اور اگر اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے، پس حکم تو اللہ ہی کے ساتھ خاص ہے، جو (سب سے) بلند اور (سب سے) بڑا ہے''۔

لیکن ان تمام آیات کے علی الرغم پاکستان میں قانون سازی کا حق صرف ارکان پارلیمان کو حاصل ہے، جب چاہیں کسی حکم کو قانونی حیثیت دے دیں اور جب چاہیں اسے قانون سے خارج

کردیں۔ان شاء اللہ وفاقی شرعی عدالت پر بحث کے ذیل میں یہ بات پوری طرح واضح ہوگی کہ 'موثر بہ ماضی' سزا نہ دینے کا اصول کتنے خطرناک نتائج کا حامل ہے اور کس صفائی کے ساتھ یہ اصول احکامات شریعت سے چھٹکارا پانے، انہیں معطل کرنے اور سودی نظام جاری رکھنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

(ب) یہ دستور لکھنے والوں کو اس بات پر حیا تک نہ آئی کہ انہوں نے (۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کے بعد) دستور پاکستان کی مخالفت کرنے والے کو تو اس اصول سے مستثنیٰ رکھا اور سزا کا مستحق گردانا، لیکن شریعت رب العالمین کی مخالفت کرنے والے کو اس دفعہ کے تحت پورا تحفظ فراہم کیا۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا عقیدہ مسلمانوں کے عقیدے سے مختلف ہے اور یہ لوگ اللہ مالک الملک کی حاکمیت تسلیم کرنے سے انکاری ہیں۔

ساتواں تضاد

ایک جرم پر دومرتبہ سزادینے کی مطلق ممانعت

دستور کی دفعہ ۱۳ ایک جرم پر دومرتبہ سزادینے سے منع کرتی ہے۔

اصل عبارت یہ ہے:

Protection against double punishment and self incrimination

13 No person –

(a) Shall be prosecuted or punished for the same offence more than once; [PART II Fundamental right and principles of policy, CHAPTER-1 FUNDAMENTAL RIGHTS, Article 13]

شریعت کے پیمانے سے یہ اصول تبھی درست ہوسکتا ہے جب اس جرم پر پہلی مرتبہ دی گئی سزا شریعت کے مطابق ہو۔البتہ اگر پہلی سزا ہی غیر شرعی ہو تو پھر شریعت اس اصول کو تسلیم نہیں کرتی۔مثلاً اگر کوئی شخص چوری، زنا یا قتل کے جرم کا مرتکب ہو اور پاکستانی عدالتیں اسے غیر شرعی سزا دے دیں یا پھر

صدر پاکستان اپنے صوابدیدی اختیارات استعمال کرتے ہوئے اس کی سزا میں تخفیف کردے تو دفعہ ۱۳ کے مطابق کسی بھی عدالت کو یہ اختیار نہیں کہ اب اس پر شرعی سزا قائم کرسکے۔۔۔۔۔اور یقیناً یہ امر شرعاً ناقابل قبول ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ پاکستانی عدالتیں جو غیر شرعی قوانین کے مطابق فیصلے کرتی ہیں اور جو دوہری سزا کی قائل بھی نہیں، یہ عدالتیں کسی بھی سزا کو اس وقت تک تسلیم نہیں کرتیں جب تک وہ پاکستانی قوانین میں مدون نہ ہو۔۔۔جس کا عملی نتیجہ ایک مثال کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے۔فرض کیجیے کہ پاکستانی عدالتوں میں ایک ایسا ملزم پیش کیا جاتا ہے جسے اپنے جرم کی شرعی سزا دی جاچکی ہے۔۔۔تو اگرچہ دفعہ ۱۳ کے تحت اسے دوبارہ سزا دینا ناجائز ہے۔۔۔لیکن پاکستانی عدالت اسے دوبارہ سزا دے گی الا یہ کہ پہلے دی گئی سزا کسی پاکستانی عدالت سے پاکستانی قانون کے مطابق باضابطہ طور پر جاری ہوئی ہو۔

بلکہ امریکہ سمیت کئی ممالک کا طریقہ کار تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے قانون کی نگاہ میں جرم کا مرتکب ہوا اور اسے اس جرم کی سزا پاکستان میں دی جاچکی ہو۔۔۔تو وہ اس سزا کو معتبر نہیں سمجھتے اور دوبارہ خود سے سزا دیتے ہیں۔اس کی مثال واضح ہے کہ جن فلسطینیوں نے ۸۰ کی دہائی میں 'پان امریکی' طیارہ اغواء کیا تھا امریکہ نے ان کی اس طویل قید کو شمار نہیں کیا تھا جو انہوں نے پاکستانی جیلوں میں کاٹی تھی اور اس طویل سزا کے بعد پاکستان کی رذیل حکومت نے ان فلسطینیوں کو امریکہ کے حوالے کردیا تھا تاکہ امریکہ انہیں از سر نو سزا دے۔

آٹھواں تضاد

سود کے حوالے سے دستور کا موقف

دستور کی دفعہ ۳۸ اس بات کی تاکید کرتی ہے کہ عوام کی معاشی اور معاشرتی فلاح و بہبود کی خاطر جس قدر جلد ممکن ہو سود کو ختم کیا جائے گا۔

اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

Promotion of social and economic well being of the people

38. The state shall-

(f) Eliminate riba as early as possible. [PART II Fundamental right and principles of policy. CHAPTER 2 – PRINCIPLE OF POLICY, Article 38]

(الف) یہ عبارت مستقبل کے لیے ایک وعدہ تھا جو کئی دہائیاں گزرنے کے باوجود بھی پورا نہیں ہوسکا۔اس وعدے کی مثال اس طرح ہے جیسے کہ ایک شخص کہے کہ میں عنقریب نماز پڑھوں گا یا میں عنقریب اسلام قبول کروں گا۔۔۔۔تو کیا محض ایک زبانی وعدہ پر یہ شخص نمازی یا مسلمان کہلا سکتا ہے؟

(ب) علاوہ ازیں دستور کی یہ دفعہ کسی قانون ساز قوت کی حامل نہیں، نہ ہی یہ عدالتوں کے معاملات پر اثر انداز ہوتی ہے۔۔۔اس کی حیثیت تو ایک وعدہ سے بڑھ کر کچھ نہیں۔اسی لیے وکیل محمد رفیق بٹ نے دستور پر تبصرہ کرتے ہوئے صراحت سے لکھا ہے کہ:

''دفعہ ۱۹ سے ۴۰ تک کے احکامات صرف رہنما اصولوں کی حیثیت رکھتے ہیں (نہ کہ نافذ العمل قوانین کی) لہٰذا ان کی روشنی میں نہ تو کوئی عدالت فیصلہ کرسکتی ہے، نہ ہی یہ کسی خاص عدالت کے دائرہ اختیار میں داخل ہیں اور نہ ہی کوئی عدالت انہیں عملاً نافذ کرسکتی ہے۔البتہ عدالتیں ان دفعات کو دستور کے جزو کے طور پر بعض دیگر اغراض کے لیے اپنے دائرہ اختصاص میں داخل سمجھ سکتی ہیں۔مثلاً دستور کی دیگر دفعات یا قانون سازوں کے بنائے ہوئے دیگر قوانین کی تشریح کے لیے ان دفعات سے مدد لی جاسکتی ہے۔''

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, with commentary comments on CHAPTER 2 PRINCIPLES OF POLICY; 108.

(ج) اس دفعہ کے الفاظ خود اس بات کی دلیل ہیں کہ سود پاکستان میں عملاً وقانوناً جاری وساری ہے۔انشاء اللہ وفاقی شرعی عدالت پر بحث کے دوران میں اس کی مزید کچھ مثالیں سامنے آجائیں گی۔

(د) ممکن ہے کہ یہاں کوئی اعتراض اٹھائے کہ: سودی لین دین تو ایک بین الاقوامی حقیقت ہے اور اس سے یکبارگی چھٹکارا پانا ناممکن نظر آتا ہے، لہٰذا اسے مجبوراً بتدریج ہی ترک کرنا ہوگا۔اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ:

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ اعتراض میں جس 'مجبوری' اور 'تدریج' کا ذکر ہے، دفعہ ۳۸ کی عبارت میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں۔

(۲) پھر اگر بین الاقوامی معاملات میں یہ 'مجبوری' تسلیم کر بھی لی جائے، تو پاکستان کے اندر داخلی معاملات میں تو کسی ایسی مجبوری کا وجود نہیں۔

(۳) اگر ایک لمحہ کے لیے خود پاکستان کے اندر بھی 'مجبوری' کا وجود فرض کرلیا جائے تب بھی یہ طے کرنا کہ یہ مجبوری واقعتاً کہاں کہاں پائی جاتی ہے، اضطراراً کسی غیر شرعی لین دین میں اترنے کی حدود وقیود کیا ہیں اور اس اضطراری کیفیت سے چھٹکارا پانے کی کیا صورتیں ممکن ہیں۔۔۔۔علمائے شریعت کا کام ہے، جبکہ مذکورہ دفعہ میں ایسی کسی بات کا تذکرہ سرے سے موجود ہی نہیں۔

(۴) دفعہ ۳۸ کی یہ عبارت ۱۹۵۶ء کے دستور میں بھی موجود تھی آج پچاس سال سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی یہ وعدہ وفا نہیں ہوسکا اور پاکستان میں سودی نظام مستقل پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ہم دستور پاکستان کے اسلامی عناصر پر بحث کے دوران مشاہدہ کریں گے کہ شریعت کے نفاذ اور قوانین پاکستان کو خلاف شرع امور سے پاک کرنے کا وعدہ بھی ۱۹۵۶ء کے دستور میں درج تھا اور یہ وعدہ بھی محض وعدہ رہا ہے، وفا کی نوبت ابھی تک نہیں آئی ہے۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, with commentary preliminary 1965 constitution. p; 31

باب سوم

دستور کے بیان کردہ وسائل

شریعت کی حاکمیت قائم کرنے سے عاجز ہیں

پاکستانی دستور کی متعدد عبارتیں حاکمیت شریعت قائم کرنے اور قوانین کو خلاف شرع امور سے پاک کرنے کی ہدایت دیتی ہیں، لیکن یہ تمام عبارتیں نظری اور عملی دونوں اعتبار سے اتنی کمزور و بے وزن ہیں کہ ان کے ذریعے شریعت الٰہیہ کی حاکمیت قائم ہونا محال ہے۔ بلکہ یہ عبارتیں تو خود دستور میں پائی جانے والی خلاف شرع دفعات ختم کرنے کی قوت بھی نہیں رکھتیں۔

اس باب میں دستور کی ایسی ہی متعدد عبارتوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ میں نے اس بحث کو پانچ فصلوں میں تقسیم کیا ہے:

(۱) پہلی فصل: دستور کا دیباچہ' قرارداد مقاصد' دفعہ ۲ اور دفعہ ۲ الف

(۲) دوسری فصل: دفعہ ۳۱

(۳) تیسری فصل: دفعہ ۳۸

(۴) چوتھی فصل: وفاقی شرعی عدالت، دستور کا حصہ ہفتم، باب ۳ الف

(۵) پانچویں فصل: دستور کا حصہ نہم، اسلامی احکام دفعہ ۱۲۷ تا ۱۳۱

دستور کا دیباچہ' قرارداد مقاصد' دفعہ ۲ اور دفعہ ۲ الف

۱۔ دستور پاکستان کے دیباچے میں مندرجہ ذیل عبارتیں شامل ہیں:

''یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات کا بلا شرکت غیرے حاکم کل ہے اور پاکستان کے عوام کو جو اقتدار و اختیار بھی اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر استعمال کرنے کا حق

حاصل ہے، وہ ایک مقدس امانت ہے۔

۔۔۔۔۔جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور عدل عمرانی کے اصولوں پر، جیسا کہ اسلام نے انہیں بیان کیا ہے، پوری طرح عمل کیا جائے گا۔

مسلمانوں کو انفرادی، ذاتی اور اجتماعی طور پر اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی زندگی قرآن پاک اور سنت محمدی ﷺ میں بیان کردہ اسلامی تعلیمات، تشریحات اور ضروریات کے حسب منشا ترتیب دے سکیں۔

۔۔۔۔۔لہٰذا ہم، عوام پاکستان، اس قادر مطلق رب تبارک وتعالیٰ اور اس کے بندوں کے سامنے اپنی ذمہ داری کے مکمل احساس کے ساتھ

پاکستان کی خاطر عوام کی دی گئی قربانیوں کے اعتراف کے ساتھ

بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے اس اعلان سے وفاداری کے جذبے کے ساتھ کہ پاکستان عدل اجتماعی کے اصولوں پر قائم ایک جمہوری ریاست ہوگی

جمہوریت کی حفاظت کا عزم مصمم لیے جو ظلم واستبداد کے خلاف عوام کی مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہے۔۔۔۔۔

حقائق مندرجہ بالا کو عملی جامہ پہناتے ہوئے قومی اسمبلی میں اپنے نمائندوں کے ذریعے یہ دستور منظور کر کے اسے قانون کا درجہ دیتے ہیں اور اسے اپنے ملک کا قانون تسلیم کرتے ہیں''۔

اصل عبارت یوں ہے:

Whereas sovereignty over the entire universe belongs to almighty Allah alone and the authority to be exercised by the people of Pakistan within the limits prescribed by Him is a sacred trust;

Wherein the principles of democracy freedom, equality tolerance and social justice, as enunciated by Islam shall be fully observed

Wherein the Muslims shall be enabled to order their lives in the individual and collective spheres in accordance with the teachings and requirements of Islam as set out in the Holy Quran and Sunnah;

Now therefore we, the people of Pakistan;

Conscious of our responsibility before Almighty Allah and men;

Faithful to declaration made by the founder of Pakistan Quaid-i-Azam Mohamad Ali Jinnnah, that Pakistan would be a democracy achieved by the unremitting struggle of the people against oppression and tyranny – [THE CONSTITUTION OF THE ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN 1973, preamble.

ان عبارتوں پر بحث کرنے سے قبل میں اس امر کی وضاحت کرتا چلوں کہ دستور پاکستان کے اس دیباچہ کو پہلی مرتبہ پاکستان کی پہلی دستور ساز مجلس نے مارچ ۱۹۴۹ء میں ایک قرارداد کی صورت میں منظور کیا۔ یہ قرارداد "قرارداد مقاصد" کے نام سے جانی جاتی ہے۔

OBJECTIVE RESOLUTION

یہ قرارداد مقاصد پہلے ۱۹۵۶ء کے دستور میں دیباچہ کے طور پر شامل کی گئی، پھر ۱۹۶۲ء کے دستور میں بھی اسے دیباچہ قرار دیا گیا اور اپریل ۱۹۷۲ء کے ہنگامی دستور اور ۱۹۷۳ء کے دستور میں بھی اسے دیباچے کی حیثیت دی گئی۔

اصل عبارت یوں ہے:

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, with

Commentary comments on Article 2- A p; 52

پھر دفعہ ۲ اور دفعہ ۲ الف کے ذریعے اس قرارداد کو دستور کا مستقل حصہ بنا دیا گیا۔ دستور کی دفعہ ۲ کہتی ہے کہ:

"ریاست پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا"

اور دفعہ ۲ الف میں مذکور ہے کہ:

"قرارداد مقاصد، جسے دستور کے ساتھ بطور ضمیمہ بھی ملحق کیا گیا ہے، میں درج اصول واحکام کو دستور کا مستقل حصہ قرار دیا جاتا ہے جو بعینہ من وعن مؤثر ہوں گے"۔

اصل عبارت یوں ہے:

Islam to be state religion

2. Islam shall be the state religion of Pakistan.

2A The objectives resolution to from part of substantive provisions.

2A the principles and provision set out in the objectives resolution reproduced in the Annex are hereby made substantive part of the constitution and shall effect

accordingly.

[PART II Introductory , Article2]

۲۔ چونکہ دیباچے اور دفعہ ۲ الف میں باہمی ربط ہے لہٰذا ہم یہاں دیباچے میں مذکورہ اقتباسات کے ساتھ ساتھ دفعہ ۲ الف پر بھی تبصرہ کریں گے۔

الف۔ اسلام اور جمہوریت کا مضحکہ خیز ملغوبہ

دیباچے میں کئی مرتبہ ''جمہوریت'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

(ا) ''جمہوریت'' کی اصطلاح ایک معروف معنی اور معلوم صفات کی حامل ہے۔ یہ معانی وصفات جمہوریت کا ایسا جزو لاینفک ہیں کہ اگر انہیں اس سے الگ کردیا جائے تو جو کچھ باقی بچے گا وہ کسی طور بھی جمہوریت نہیں کہلائے گا۔ انہی اساسی صفات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ قانون سازی اور حکمرانی کا حق عوام کی غالب اکثریت کے پاس ہو اور باقی تمام اقدار و اخلاق اسی بنیاد پر طے ہوں۔ پس حرام وہ ہوگا جسے اکثریت حرام کہے اور حلال وہ جسے اکثریت حلال قرار دے۔

چنانچہ اس بات کا تو تصور ہی ممکن نہیں کہ جمہوریت کی کوئی ایسی شکل بھی ہوسکتی ہے جس میں حاکمیت اور قانون سازی کا مطلق حق عوام کے پاس نہ ہو۔ اس کے برعکس کسی ایسے اسلام کا تصور بھی ناممکن ہے جہاں حکمرانی اور قانون سازی کا حق اللہ وحدہ لاشریک کے سوا بھی کسی کو حاصل ہو۔ رب کی شریعت میں تو حرام وہ ہوتا ہے جسے اللہ سبحانہ تعالیٰ حرام قرار دیں اور حلال وہ جسے اللہ حلال ٹھہرائیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ام لهم شركوا شرعوا لهم من الدين ما لم يأذن به الله ولو لا كلمة الفصل لقضي بينهم وان الظلمين لهم عذاب اليم﴾ [الشورىٰ : ۲۱].

''کیا یہ لوگ ایسے شریکان خدا رکھتے ہیں جنھوں نے ان کے لیے دین کی نوعیت رکھنے والا کوئی ایسا طریقہ مقرر کردیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔ اور اگر فیصلے (کے دن) کا وعدہ نہ ہوتا تو (اب تک) ان کا قضیہ چکا دیا گیا ہوتا، اور یقیناً ظالموں کے لئے (اس دن) دردناک عذاب ہے۔''

ایک اور مقام پہ ارشاد ہے:

﴿قل ارءيتم ما أنزل الله لكم من رزق فجعلتم منه حراما وحلالا قل آلله اذن لكم أم على الله تفترون﴾ [يونس : ۹۵].

''آپ کہہ دیجئے کہ بھلا دیکھو تو، اللہ نے تمہارے لئے جو رزق نازل فرمایا تو تم نے اس میں سے بعض کو حرام ٹھہرالیا اور بعض کو حلال، (ان سے) پوچھئے کہ کیا اللہ نے تمہیں اس کا اختیار دیا ہے یا تم اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔''

لہٰذا اسلام اور جمہوریت کا ملغوبہ بنانا دو ایسے عقائد کو خلط ملط کرنے کے مترادف ہے جو بالکل مختلف بنیادوں سے پھوٹتے ہیں اور یکسر مختلف اثرات ونتائج کے حامل ہیں۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ اسلام بھی تو باہم مشورے، حکمرانوں کے محاسبے اور ان کے تصرفات پر نگاہ رکھنے کی دعوت دیتا ہے، اور یہ امور اسلام اور جمہوریت میں مشترک ہیں۔۔۔۔ تو اسے کہا جائے گا کہ یوں تو اسلام اور عیسائیت کے درمیان بھی کئی امور مشترک ہیں۔ دونوں ادیان ایمان باللہ کی دعوت دیتے ہیں، عیسیٰ علیہ السلام سے قبل کے تمام انبیاء پر ایمان کی دعوت دیتے ہیں اور اس بات پر بھی ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے کتاب نازل ہوئی۔ اب خود ہی بتائیے کہ کیا ان مشترکہ امور کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلام کو ''مسیحی اسلام'' یا عیسائیت کو ''اسلامی عیسائیت'' کہنا درست ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کہے کہ ہمارا مقصود یہ نہیں کہ ہم جمہوریت پوری طرح اختیار کرلیں، بلکہ ہم تو محض اس کی چند چیزیں اختیار کرنے کی بات کرتے ہیں، تو میں اس سے پوچھوں گا کہ:

پہلے تو یہ بتلاؤ کہ اسلام اور کفر کا یہ ملغوبہ بنانے اور خالص شرعی اصطلاحات ترک کرکے یہ مبہم اصطلاحات استعمال کرنے سے تمہارا مقصود کیا ہے؟

دوسرا یہ کہ اس سارے جھگڑے کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی مبارک شریعت دے کر باقی تمام شرائع وعقائد سے مستغنی کردیا ہے؟

اللہ تعالٰی کا فرمان ہے:

﴿يايها الناس قد جآء كم برهان من ربكم وأنزلنآ اليكم نورا مبينا﴾ [النسآء: ۱۷۴].

''اے لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس (روشن) دلیل آچکی ہے اور ہم نے (کفر وضلالت کا اندھیرا دور کرنے کے لئے) تمہاری طرف چمکتا ہوا نور بھیج دیا ہے''۔

اور فرمایا:

﴿وأنزلنآ اليک الكتاب بالحق مصدقا لما بين يديه من الكتاب ومهيمنا عليه فاحكم بينهم بما أنزل الله ولا تتبع أهوآء هم عما جآء ک من الحق لكل جعلنا منكم شرعة ومنهاجا ولو شآء الله لجعلكم أمة واحدة ولكن ليبلوكم فى مآ آتكم فاستبقوا الخيرٰت الى الله مرجعكم جميعا فينبئكم بما كنتم فيه تختلفون . وأن احكم بينهم بما أنزل الله ولا تتبع أهوآء هم واحذرهم أن يفتنوک عن بعض ما أنزل الله اليک فان تولوا فاعلم أنما يريد الله أن يصيبهم ببعض ذنوبهم وان كثيرا من الناس لفسقون ، أفحكم الجاهلية يبغون ومن أحسن من الله حكما لقوم يوقنون﴾ [المائدة: ۴۸ . ۵۰].

''اور (اے پیغمبر علیہ السلام) ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان پر نگہبان ہے، پس ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے، اور جو حق آپ کے پاس آچکا اس سے روگردانی کرتے ہوئے ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے۔ اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا، لیکن جو حکم اس نے تمہیں دیئے وہ ان میں تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے، سو نیک کاموں میں جلدی کرو، تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے وہ تمہیں بتلا دے گا۔ اور (ہم پھر تاکید کرتے ہیں کہ) ان کے درمیان اللہ کی نازل

کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے اور ان سے بچئے کہ کہیں یہ آپ کی طرف اللہ کے نازل کردہ کسی حکم سے آپ کو بہکا نہ دیں۔ اب اگر یہ نہ مانیں تو جان لیجئے کہ اللہ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے سبب ان پر مصیبت نازل کرے، اور یقیناً اکثر لوگ تو گمراہ ہیں۔ (اگر یہ اللہ کی نازل کردہ شریعت سے منہ موڑتے ہیں تو) کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، اور یقین رکھنے والوں کے لئے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا اور کون ہوسکتا ہے۔''

پس یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ کفر واسلام کو خلط ملط کرنے کا یہ سلسلہ دستور پاکستان کی ابتدائی سطور سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔۔۔۔ اور اسی کے نتیجے میں آج ہم بہت سا جدل وفساد دیکھ رہے ہیں اور ہمیں قدم قدم پر خالص اسلامی احکامات وتصورات کے بجائے کفر وشرک اور شرعی مخالفتوں سے آلودہ مفاہیم ومعانی سے واسطہ پڑتا ہے۔

(۲) ''جمہوریت'' کا تذکرہ کرتے ہوئے دستور پاکستان کہتا ہے کہ:

(الف) ''۔۔۔۔جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور عدل عمرانی کے اصولوں پر، جیسا کہ اسلام نے انہیں بیان کیا ہے، پوری طرح عمل کیا جائے گا''

نجانے اسلام نے کہاں جمہوریت کا تصور بیان کیا ہے، جبکہ ہم گزشتہ سطور میں اسلام اور جمہوریت کا صریح تضاد بھی واضح کر چکے ہیں!

(ب) اسی طرح دیباچے میں یہ عبارت بھی ملتی ہے کہ:

''پاکستان عدل اجتماعی کے اصولوں پر قائم ایک جمہوری ریاست ہوگی''

مجھے نہیں معلوم کہ اسلام اور جمہوریت جیسی دو متضاد چیزوں کو ایک ہی جملے میں جمع کرنے سے کیا مقصود ہے؟ نیز اس عبارت میں محض اسلام کے ''عدل اجتماعی'' کا تذکرہ ہی کیوں کیا گیا ہے، اسلام کے دیگر پہلوؤں: حاکمیت، اخلاقیات، اقتصادیات اور سیاسیات وغیرہ کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟ اسلام تو اس کل عمارت کا نام ہے، نہ کہ اس کے چند اجزاء کا!

(ج) دیباچے میں یہ عبارت بھی مذکور ہے کہ:

''ہم اس جمہوریت کی حفاظت کا عزم مصمم کیئے ہوئے ہیں جو ظلم واستبداد کے خلاف عوام کی مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہے''

نجانے اس عبارت کے ذریعے یہ 'اسلامی' دستور کس چیز کی حفاظت کا ذمہ لے رہا ہے؟ پوری جمہوریت کی حفاظت کا؟ اکثریت کے حق حکمرانی اور حق قانون سازی کے تحفظ کا؟ آخر کس بات کا؟ پس یہ بات تو بڑے واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ دستور پاکستان کی ابتدائی سطور سے ہی حق وباطل کی آمیزش کا آغاز ہوجاتا ہے۔

ب۔قرارداد مقاصد میں موجود اسلامی احکامات کی حقیقت

جہاں تک قرارداد مقاصد میں موجود اسلامی ہدایات واحکامات کا تعلق ہے، تو ہم عنقریب دیکھ لیں گے کہ ان کی عبارتوں میں ایسا عموم پایا جاتا ہے، کہ ان سے کوئی متعین حکم اخذ کرنا ممکن نہیں، البتہ کچھ عمومی باتیں شاید اخذ کی جاسکیں۔

(۱) مثلاً یہ عبارت کہ:

''یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکم کل ہے اور پاکستان کے عوام کو جو اقتدار واختیار بھی اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر استعمال کرنے کا حق حاصل ہے، وہ ایک مقدس امانت ہے۔''

یہ ایک عمومی سی عبارت ہے جو نہ تو یہ بات صراحتاً کہتی ہے کہ حاکمیت اعلیٰ صرف شریعت اسلامی کی ہوگی اور نہ ہی اس بات پر دوٹوک دلالت کرتی ہے کہ شرعی احکامات کو ایک ایسے بلند وبرتر مصدر کی حیثیت حاصل ہوگی جس کے مقابل کوئی دوسری شریعت یا قانون قابل قبول نہیں ہوں گے۔ اسی طرح اس عبارت میں یہ تصریح بھی نہیں کی گئی کہ شرعی احکامات کو عوامی اکثریت کی رائے پر بھی فوقیت دی جائے گی۔

(۲) اسی طرح یہ عبارت کہ:

''مسلمانوں کو ذاتی، انفرادی اور اجتماعی طور پر اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی زندگی قرآن

پاک اور سنت محمدی میں بیان کردہ اسلامی تعلیمات، تشریحات اور ضروریات کے حسب منشاء ترتیب دے سکیں۔''

یہ بھی محض ایک وعدہ ہے، جو کہ ساٹھ سال گزرنے کے باوجود بھی پورا نہ ہوسکا۔

ج۔قرارداد مقاصد کے 'دیباچہ دستور' ہونے کی حیثیت

قرارداد مقاصد کو دستور کا دیباچہ بنانے، یا دفعہ ۲ الف کی بناء پر اسے دستور کا جزو سمجھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسلامی شریعت ہی اقتدار اعلیٰ کی مالک اور قانون سازی کا واحد مصدر قرار پائے۔۔۔۔کیونکہ:

اولاً: قرارداد مقاصد، دیباچۂ دستور، دفعہ ۲ الف اور اس قسم کی دیگر دفعات نے تو قانونی حیثیت بھی اکثریت کی منظوری سے حاصل کی ہے۔ جبکہ اسلام کی رو سے تو شریعت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ اکثریت ہدایت پر ہے یا گمراہی پر۔ بجائے اس کے کہ اکثریت یہ فیصلہ کرے کہ شریعت کا فلاں حکم قبول کیا جائے یا رد۔ اقتدار اعلیٰ تو ہر صورت میں شریعت کا حق ہے۔ خواہ اکثریت اس پر راضی ہو یا ناراض۔

ثانیاً: دستور کو رسمی طور پر دستور کی حیثیت تبھی حاصل ہوتی ہے جب عوامی اکثریت یا تو استصواب رائے کے ذریعے یا پھر ارکان پارلیمان کے واسطے سے اپنی تائید وموافقت کا اظہار کرے۔ یعنی دستور کی پرفریب خوشنما عبارتوں کے باوجود بھی اس جمہوری نظام میں حکمرانی عوام ہی کا حق ہے اور عوامی تائید ہی دستور کو قانونی حیثیت بخشتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دستور کا دیباچہ مندرجہ ذیل عبارت پر ختم ہوتا ہے:

''(ہم عوام پاکستان) حقائق مندرجہ بالا کو عملی جامہ پہناتے ہوئے قومی اسمبلی میں اپنے نمائندوں کے ذریعے یہ دستور منظور کر کے اسے قانون کا درجہ دیتے ہیں اور اسے اپنے ملک کا قانون تسلیم کرتے ہیں''۔

اصل عبارت یوں ہے:

Now therefore, we, the people of Pakistan

Do hereby through' our representatives in the National Assembly adopt, enact and give to ourselves, this constitution [THE CONSTITUTION OF THE ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN 1973, Preamble]

اس کے برعکس شریعت الٰہی اپنی حاکمیت منوانے کے لئے عوامی منظوری کی محتاج نہیں۔ اس پر تو مہر تصدیق اسی وقت سے ثبت ہوتی ہے جب یہ اللہ رب العالمین کی جانب سے زمین پہ نازل ہوتی ہے۔ رب کی شریعت قبول کرنے یا نہ کرنے کے معاملے میں انسانوں کی رائے معلوم کرنا بذات خود شریعت سے بغاوت کے مترادف ہے۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فاحكم بينهم بما أنزل الله ولا تتبع أهوآءهم عما جآءك من الحق﴾ [المآئدة : ۴۸].

''پس ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے، اور جو حق آپ کے پاس آچکا ہے اس سے روگردانی کرتے ہوئے ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے۔''

اور فرمایا:

﴿وان احكم بينهم بما أنزل اللّٰه ولا تتبع أهواءهم واحذرهم أن يفتنوك عن بعض مآ أنزل الله اليك﴾ [المآئدة : ۴۹].

''اور ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے، اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے اور ان سے بچئے کہ یہ آپ کی طرف اللہ کے نازل کردہ کسی حکم سے آپ کو بہکا نہ دیں''

اور فرمایا:

﴿ولو اتبع اهوآءهم لفسدت السمٰوٰت والأرض ومن فيهن﴾ [المؤمنون : ۷۱].

''اور اگر حق ان کی خواہشات کی پیروی کرنے لگے تو آسمان و زمین اور جو کوئی ان میں ہیں سب درہم برہم ہو جائیں''

شریعت کو حاکم بنانے یا نہ بنانے کے حوالے سے استصواب رائے یا رائے شماری کرانا شرعاً کسی طور جائز نہیں، البتہ مسلمانوں کا اپنے معاملات میں شرعی اصولوں کے مطابق باہم مشورہ کرنا جائز ہے۔ لہٰذا ان دونوں باتوں کو باہم خلط ملط نہ کیا جائے۔

ثالثاً: پارلیمان کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی مرضی ومنشاء کے مطابق دستور میں ترمیم کرے، جیسا کہ دستور کی دفعہ ۱۳۸ اور دفعہ ۱۳۹ میں صراحتاً مذکور ہے۔ اس حوالے سے ہم پہلے باب میں تفصیلی بات کر چکے ہیں۔ پارلیمان کی دو تہائی اکثریت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر چاہے تو دستور کے دیباچے اور دفعہ ۲ کو دستور سے حذف کر دے کیونکہ دستور پارلیمان کے اس حق پر نہ تو کوئی قید عائد کرتا ہے، نہ ہی کوئی شرط، نہ تو اس پر کوئی نگران ہے اور نہ ہی کوئی محتسب۔ اس کے برعکس شریعت میں ایک حرف کی تبدیلی کا اختیار بھی کسی کو حاصل نہیں۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿واحذرهم أن يفتنوك عن بعض مآ انزل الله اليك﴾ [المآئدة : ۴۹].

''اور ان سے بچئے کہ یہ آپ کی طرف اللہ کے نازل کردہ کسی حکم سے آپ کو بہکا نہ دیں''

د۔ قرارداد مقاصد اور دفعہ ۲ الف کے بارے میں عدالتی فیصلوں کا تضاد

دستور میں پائے جانے والے تضادات اور دیباچے کی مبہم عبارات کے سبب پاکستانی عدالتوں کے فیصلوں میں بھی دیباچے اور دفعہ ۲ الف کے فہم کے حوالے سے بہت تضاد اور اختلاف پایا جاتا ہے۔ نتیجتاً ان عدالتوں نے مختلف متضاد فیصلے جاری کئے ہیں، البتہ یہ سب باہم متضاد و مخالف فیصلے

اس بات پر متفق ہیں کہ دستور میں اسلامی شریعت سے متصادم دفعات بھی پائی جاتی ہیں۔ (جیسا کہ دوسرے باب کی دوسری فصل کے تیسرے تضاد میں صدر پاکستان کے کسی بھی جرم کو معاف کرنے کے حق پر بحث کے دوران یہ بات واضح کی جا چکی ہے)۔ اختلاف صرف اس امر میں رہا ہے کہ کسے ترجیح دی جائے، اسلامی دفعات کو یا اسلام سے متصادم دفعات کو؟ اور ترجیح دینے کا یہ حق کون رکھتا ہے؟ اگلی سطروں میں ہم، اللہ کی توفیق سے، پاکستان کی سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے ایسے متضاد فیصلوں کی چند مثالیں پیش کریں گے اور ساتھ ہی ساتھ ان پر تبصرہ بھی کرتے چلیں گے۔

(ا) قرارداد مقاصد اور دستور کی دفعہ ۲ الف کی حیثیت سے متعلق پاکستانی عدالتوں کے فیصلوں میں موجود تضاد و اختلاف کی چند مثالیں:

بیرسٹر محمد رفیق بٹ نے دفعہ ۲ الف اور دفعہ ۲۲۷ پر تبصرہ کرتے ہوئے پاکستان کے قانونی ڈھانچے میں قرارداد مقاصد اور دفعہ ۲ الف کے مقام پر ایک اہم بحث کی ہے جس سے ان دونوں کی حیثیت اور پاکستان کے قوانین اور فیصلوں پر ان کے عملی اثرات واضح ہوتے ہیں۔ اس اہمیت کے پیش نظر میں اس کا خلاصہ یہاں (معمولی تصرفات کے ساتھ) ذکر کر رہا ہوں:

پاکستان کی ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں یہ بحث چلتی رہی ہے کہ قرارداد مقاصد کی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ دستور پر غالب ہے؟ کیا پاکستان کی اعلیٰ عدالتیں یہ حق رکھتی ہیں کہ کسی قانون یا کسی بھی ہیئت مجاز سے جاری ہونے والے فیصلے کو قرارداد مقاصد سے ٹکراؤ کی صورت میں کالعدم قرار دیں، چاہے وہ قانون یا فیصلہ دیگر دستوری دفعات کے موافق ہی کیوں نہ ہو؟

ایک مقدمے میں (مقدمہ عاصمہ جہانگیر بنام حکومت پنجاب [PLD1972S.C. 139])۔ پاکستان کی سپریم کورٹ نے قرارداد مقاصد کو پاکستان میں قوانین کا سب سے بڑا ماخذ تسلیم کیا ہے۔ (Grundnorm) اس فیصلے میں کہا گیا ہے کہ پاکستان کو مغرب کے قانونی نظریات کی طرف دیکھنے کی قطعا ضرورت نہیں کیونکہ ہمارے یہاں مرجع و ماخذ مغربی قوانین کے ماخذ سے یکسر مختلف ہے۔ اس سب سے بڑے ماخذ و مصدر کی طرف اشارہ پاکستانی دستور ان الفاظ میں

کرتا ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات کا بلا شرکت غیرے حاکم کل ہے اور پاکستان کے عوام کو جو اقتدار و اختیار بھی اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر استعمال کرنے کا حق حاصل ہے، وہ ایک مقدس امانت ہے"۔

(یہ قراردادِ مقاصد کی اصل عبارت سے ملتی جلتی ہے)۔

اس اصول میں کسی تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں۔ ۷ مارچ ۱۹۴۹ء کو پاکستان کی پہلی تاسیسی کمیٹی سے منظور کردہ قرارداد مقاصد میں یہ اصول انتہائی وضاحت کے ساتھ تسلیم کیا گیا ہے۔

لیکن اس کے برعکس ایک دوسرے مقدمے کے فیصلے (مقدمہ حسین نقی بنام انکوائری جج۔ لاہور۔ [PLD 1973 Lahore 164])۔ میں کہا گیا کہ قرارداد مقاصد کوئی دستور سے بالاتر دستاویز نہیں ہے اور نہ ہی عدالتیں اسے زیر بحث لا سکتی ہیں۔

اسی طرح سپریم کورٹ کے ایک اور مقدمے (مقدمہ ریاست بنام ضیاء الرحمٰن [PLD 1973 S.C.49])۔ میں جج نے اپنے فیصلے میں کہا ہے کہ کوئی بھی مقدس دینی دستاویز اگر دستور میں شامل نہیں ہے اور اس کا جزو قرار نہیں پائی تو پھر یہ ممکن نہیں کہ اسے دستوری دفعات سے بالاتر مقام دیا جائے۔ نیز یہ عدالتیں چونکہ دستور کے تحت وجود پذیر ہوئی ہیں لہٰذا انہیں کسی طور یہ اختیار نہیں کہ یہ دستور کی کسی شق کو کسی دینی دستاویز سے متصادم قرار دیں۔ اب چونکہ قرارداد مقاصد محض دستور کا دیباچہ ہے، دستور کے اندر درج نہیں، اور اسے دستور کا فعال جزو نہیں بنایا گیا، لہٰذا قرارداد مقاصد کی روشنی میں دستور کی دفعات کو صحیح یا غلط قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ایک دوسرے مقدمے (مقدمہ حبیب بینک لمیٹڈ بنام محمد حسین [PLD 1987 Karachi 612])۔ میں جج نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دستور کی دفعہ ۲ الف کے ذریعے کتاب اللہ اور نبی کریم ﷺ کی سنت۔۔۔ جو ہر مسلمان کے نزدیک تمام قوانین اور احکام سے بالاتر قانون و حکم کی حیثیت رکھتی ہیں۔۔۔ یہ دونوں چیزیں اب پاکستان کا بالاتر قانون بن چکی ہیں۔ اللہ

مالک الملک کی حکمرانی جو اپنے وسیع معانی میں اجتماعی، اقتصادی، قانونی اور سیاسی معاملات بھی پر مشتمل ہے۔۔۔۔یہ حکمرانی اب نافذ العمل ہو چکی ہے۔ کتاب وسنت دستور سے بالاتر اقتدار کے حامل ہیں اور انہیں دستور اور تمام تر قوانین کی نگرانی اور ان میں موجود خلاف شریعت چیزوں کو منسوخ کرنے کا حق حاصل ہے۔ قرارداد مقاصد میں مذکور اصول واحکام اب دستور کا بنیادی اور نافذ العمل جزو بن چکے ہیں۔ یہ اصول دستور سے بلند تر حیثیت رکھتے ہیں اور ہر وہ قانون جو ان سے متعارض ہوگا اسے ایک طرف پھینک دیا جائے گا کیونکہ ایسا ہر قانون پاکستان میں مالک الملک سبحانہ وتعالیٰ کی حکمرانی اور قرآن وسنت کی بالاتر حیثیت سے متصادم تصور کیا جائے گا۔ جج نے یہ بھی کہا کہ پاکستانی عدالتوں کو صرف اس کا اختیار ہی حاصل نہیں، بلکہ وہ اس بات کی پابند بھی ہیں کہ موجودہ قوانین قرآن وسنت کی روشنی میں تفسیر وتاویل کریں اور ان میں ضروری ترامیم کرتے ہوئے انہیں نافذ کریں۔

لیکن اسی کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ ایک اور مقدمے (مقدمہ غلام مصطفیٰ کھر بنام ریاست پاکستان [PLD 1988 Lahore.49])۔ میں ججوں نے کہا کہ قرارداد مقاصد کو۔۔۔جیسا کہ وہ دفعہ ۲ الف میں مذکور ہے۔۔۔دستور کی دیگر دفعات سے بالاتر حیثیت حاصل نہیں ہے، لہٰذا اسے دیگر دفعات کو باطل قرار دینے کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اگر دستور کا ایک حکم دستور ہی کے دوسرے حکم سے ٹکراتا ہو، تو یہ لازم نہیں کہ پہلا حکم دوسرے کو ساقط کر دے۔

ایک دوسرے مقدمے (مقدمہ حبیب بینک لمیٹڈ بنام وحید فیبرکس لمیٹڈ [PLD 1989 Karachi.371])۔ کا فیصلہ سناتے ہوئے جج نے کہا کہ قرارداد مقاصد اگرچہ اب دستور پاکستان کا اساسی جزو بن چکی ہے، لیکن خود اس کے اندر یہ قوت نہیں کہ یہ قرآن وسنت میں موجود تمام احکامات کو دستور کا جزو لاینفک بنا سکے، اور نہ ہی عدالتوں کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ یہ کسی قانون کی شرعی حیثیت کو دفعہ ۲ الف کی کسوٹی پر پرکھنا شروع کر دیں۔ قرارداد مقاصد تو صرف ایک اعلان ہے جو پاکستان کے عقیدے کو واضح کرتا ہے، اسے عدالتوں کے ذریعے سے نافذ نہیں کیا جا سکتا۔

اسی سال ایک دوسرے مقدمے (مقدمہ شرف فریدی بنام وفاق اسلامی جمہوریہ پاکستان

[PLD 1989 Karachi.404])۔ میں عدالت نے یہ فیصلہ دیا کہ عدالتوں پر لازم نہیں کہ وہ کسی قانون کے بارے میں یہ اعلان کریں کہ یہ قرارداد مقاصد کے ساتھ نہیں چل سکتا، بلکہ عدالتوں کو تو چاہئے کہ وہ قوانین کی ایسی تشریح کرتے ہوئے فیصلے دیں جن سے ان قوانین اور قرارداد مقاصد کے تقاضوں کو باہم جمع کیا جا سکے۔ عدالتوں کی یہ ذمہ داری نہیں کہ دستور کے کسی حکم کو قرارداد مقاصد کے خلاف قرار دیں۔

پھر اسی سال ایک اور مقدمے (مقدمہ عزیز احمد شیخ بنام انکم ٹیکس آفیسر [PLD 1989S.C.613])۔ میں سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ دیا کہ دستور کی دفعہ ۲۲۷ (۲) (یہی وہ دفعہ ہے جو کہتی ہے کہ تمام قوانین قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق ہونے چاہئیں۔ آئندہ صفحات میں اس پر بحث ہوگی انشاءاللہ)۔ میں مذکور پابندی کا انطباق ریاستی عہدیداروں کے فیصلوں پر نہیں ہوتا، خواہ وہ عدالتی یا نیم عدالتی محکموں سے تعلق رکھتے ہوں یا دیگر ایسے محکموں سے تعلق رکھتے ہوں جو عملی طور پر قوانین نافذ کرتے ہیں، برخلاف ان اداروں کے جن کا کام قانون سازی کرنا یا قانون سازی کے اصول وضع کرنا ہے۔ اور پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ دفعہ ۲ الف کی بنیاد پر (یعنی قرارداد مقاصد کی روشنی میں) ان اداروں کے فیصلوں کو باطل قرار دے سکیں۔

ایک اور مقدمے (مقدمہ کنیز فاطمہ بنام ولی محمد [PLD 1989 Lahore.490])۔ میں جج نے ذکر کیا ہے کہ ہائی کورٹ تو خود دستور کی پیداوار ہے لہٰذا اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے فیصلوں میں دستور کی مکمل تابعداری کرے۔ چنانچہ دستور کے کسی جزو پر نکتہ چینی تو درکنار یہ تو دستور کے کسی جزو کا اعلان بھی نہیں کر سکتیں، کیونکہ یہ تو صرف پارلیمان کا کام ہے۔ نیز جج نے یہ بھی کہا کہ کسی بھی قانون کو قرارداد مقاصد کی کسوٹی پر جانچ کر اسلام کے موافق بنانے کی کوشش کرنا عدالت کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔

ایک دوسرے مقدمے (مقدمہ ماسو بنام یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ [MLD 1990 2340])۔ میں اسی جج نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ دفعہ ۲ الف دستور کا ایسا حصہ نہیں جو خود بخود

نافذ العمل ہو، نہ ہی ہائی کورٹ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی قانون کو قراردادِ مقاصد کے معیار پر جانچنے پرکھنے کی کوشش کرے۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973 with commentary comments on Article 2 – A p;52 to 54

سپریم کورٹ نے دستور کی دفعہ ۲۷۰ الف سے متعلق (1990 CLC 1683)---جو کہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے اعلان اور ایسے تمام صدارتی فرامین، مارشل لاء ضوابط، اور دیگر قوانین (جن میں ۱۹۸۵ء کا استصواب اور دستور کی دوسری اور تیسری ترامیم بھی شامل ہیں) اور ان کے علاوہ ان تمام احکامات وقوانین کو جو ۵ جولائی ۱۹۷۷ء سے لے کر اس دفعہ کے نفاذ تک صادر ہوئے، ان تمام کو ان کے نتائج و آثار سمیت کسی بھی عدالت میں چیلنج کئے جانے سے تحفظ فراہم کرتی ہے---اپنے فیصلے میں کہا کہ قراردادِ مقاصد میں شامل ہدایات اور اصول محض کچھ متقی حضرات کی تمنائیں نہیں جو انہیں خوش کرنے کے لئے دستور کے دیباچے میں سجادی گئیں ہوں، بلکہ یہ دستور کا اساسی اور نافذ العمل جزو ہیں۔ ریاست کا کوئی بھی اہلکار اگر قراردادِ مقاصد کی حدود سے تجاوز کرے تو اس کے عمل کو قرآن وسنت سے ثابت شدہ حدود الٰہی اور تقاضاہائے شریعت پر پرکھنے کے بعد ان کی مخالفت کی صورت میں غیر قانونی سمجھا جائے گا۔ اسی طرح وہ آخری احکامات جنہیں دستور کی دفعہ ۲۷۰ الف کی بنیاد پر تحفظ فراہم کیا گیا ہے اگر یہ بھی اسلام اور قراردادِ مقاصد سے متعارض ہوں تو عدالتیں اس بات کی پابند ہیں کہ اس دفعہ سے صرف نظر کرتے ہوئے ان احکامات پر وہی فیصلہ لاگو کریں جو اللہ مالک الملک کے قانون اعلیٰ سے مطابقت نہ رکھنے والے احکامات پر صادر ہوتا ہے۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973 with commentary comments on article 227 p;384.

مذکورہ بالا فیصلوں کے نتیجے میں پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں میں اس بات پر جھگڑا کھڑا ہو گیا کہ

دستور کی دیگر دفعات کے مقابلے میں دفعہ ۲ الف کی حیثیت کیا ہے؟ اور آیا یہ دفعہ خود بخود نافذ العمل ہے یا نہیں؟ یہ اختلاف اس وقت اپنی انتہا پر پہونچ گیا جب لاہور ہائی کورٹ کے سامنے بہت سے فریقوں کی جانب سے اس صدارتی فرمان (صدارتی خطاب نمبر 8/15/88 PTNS Islamabad تاریخ 7/12.1988) کے خلاف درخواستیں پیش کی گئیں جس میں صدر نے دستور کی دفعہ ۴۵ الف سے حاصل شدہ اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے سزائے موت کے ان تمام فیصلوں کو بدل ڈالا جو ۶ دسمبر ۱۹۸۸ء تک فوجی و غیر فوجی عدالتوں سے صادر ہوئے تھے۔ لاہور ہائی کورٹ کے تمام ججوں پر مشتمل پینل نے ان تمام درخواستوں پر ۱۴ جنوری ۱۹۹۶ء کو فیصلہ صادر کرتے ہوئے کہا کہ:

دفعہ ۲ الف دستور کا ایک فعال جزو ہے۔ کوئی بھی عدالت یہ قدرت نہیں رکھتی کہ اسے نافذ کرنے سے انکار کرے۔ عنقریب وفاقی شرعی عدالت اس حوالے سے دستور کی فصل ۳ الف کے تحت حاصل اختیارات استعمال کرے گی، جبکہ دیگر عدالتیں باقی قوانین کے حوالے سے اپنے اختیارات استعمال کریں گی۔ نیز عدالتوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ درپیش مقدمات کے حوالے سے یہ اعلان کریں کہ فلاں فلاں قوانین قرآن کریم اور سنت محمدی ﷺ سے ثابت شدہ اسلامی تعلیمات کے منافی یا ان کے موافق ہیں۔

اگر یہ سزائیں صادر ہونے کی تاریخ اور صدر پاکستان کے زیر بحث فیصلے کی تاریخ سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف اس فیصلہ کن سوال کا جائزہ لیا جائے جو عدالت کو اس وقت درپیش ہے کہ آیا اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کی دفعہ ۲ الف کی روشنی میں صدر پاکستان ایسے اختیارات کا مالک ہوسکتا ہے کہ وہ موت کی سزا میں تبدیلی کرے؟---تو کتاب عزیز میں درج قانون قصاص و دیت کی روشنی میں ہمارا جواب نفی کی صورت میں ہوگا۔ لہٰذا صدر پاکستان کو سزائے موت کے احکامات میں ترمیم کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ یہ حدود اور قصاص و دیت کے احکامات سے تعلق رکھتے ہیں، جن میں تبدیلی کا حق کسی انسان کو حاصل نہیں۔ اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ ان حالات میں معافی کا حق صرف اولیائے مقتول کو حاصل ہوتا ہے۔ جن حالات میں سزائے موت کے مذکورہ بالا فیصلے صادر کئے گئے تھے ان میں تو

صدر کو کسی قسم کی معافی یا ترمیم وغیرہ کا حق حاصل نہیں، البتہ اگر حالات اس سے مختلف ہوں مثلاً کسی مجرم کو بطور تعزیر کوئی سزا دی جائے تو ایسی صورت میں صدر کو معاف کرنے کا اختیار ہے اور مفاد عامہ بھی اسی میں ہے۔

دفعہ ۲ الف کی حیثیت کے حوالے سے یہ فیصلہ باقی تمام فیصلوں سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے لیکن لاہور ہائی کورٹ کے اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی گئی۔ (مقدمہ حکم خان ولد فضل الٰہی اور دو دیگر اشخاص بنام حکومت پاکستان [Cri, P.L.A.NO.100 OF 1992])۔ سپریم کورٹ نے اس فیصلے پر کچھ تحفظات ظاہر کرنے کے بعد یہ تمام مقدمات نظر ثانی کرنے کے لیے دوبارہ لاہور ہائی کورٹ کے پاس بھیجے اور ساتھ میں یہ بھی کہا کہ عدالتوں کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کی بنیاد پر کسی قانون کے بطلان کا اعلان کریں۔

سپریم کورٹ نے یہاں یہ بات بھی کہی کہ اس طرح کسی قانون کو رد کرنا صرف عدالتی نظر ثانی کے بجائے قانون سازی کے پورے عمل کی جانچ پڑتال اور اس پر نظر ثانی کا دروازہ کھول دے گا، حالانکہ دفعہ ۲ الف میں بیان کردہ حدود کا خیال رکھنے کی ذمہ داری عوامی نمائندگان پر عائد ہوتی ہے اور وہی اس کا اختیار رکھتے ہیں، نہ کہ عدالتیں۔ سپریم کورٹ کے جج نے اس بات کا تذکرہ بھی کیا کہ دستور میں دفعہ ۲ الف درج ہو جانے کے باوجود بھی اس حقیقت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی کہ قرارداد مقاصد کی منظوری کے وقت اس کا ایک خاص کردار متصور تھا اور وہ یہ کہ قرارداد دستور بنانے والوں کے لیے ایک روشن چراغ کی حیثیت رکھے گی اور دستور وضع کرنے کے عمل میں ان کی رہنمائی کرے گی، اور دستور سازی کے دوران ان اعلیٰ ترین مقاصد کو پیش نظر رکھا جائے گا جو اس میں بیان کئے گئے ہیں۔

(اسی طرح کا ایک فتویٰ مصر کی آئینی سپریم کورٹ نے بھی مصری دستور کی دفعہ ۱۶۵ کی بنیاد پر دیا تھا جو یہ کہتی ہے کہ عدالتوں کے فیصلے صرف ملکی قانون پر مبنی ہوں گے۔ لہٰذا کوئی جج خود ساختہ قانون کے بجائے شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں دے سکتا۔ اسی وجہ سے جب مصری قاضی (جج) مشیر محمد محمود غراب نے ایک شرابی پر جسے سرِ عام نشے کی حالت میں گرفتار کیا گیا تھا، اسی کوڑوں کا حکم جاری کیا

تو یہ فیصلہ نافذ نہ ہو سکا اور اسے سنت کے موافق ہونے کے باوجود باطل شمار کیا گیا کیونکہ یہ مصری قانون کے مخالف تھا۔ بلکہ اس فیصلے کو قاضی محمود غراب کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کی بنیاد بناتے ہوئے وزارتِ عدل کی عدالتی تفتیش کے ادارے نے انہیں نوٹس جاری کیا جس کا نمبر شمار یہ ہے (۵۔۸۱۔۱۹۸۱) اور اس میں مندرجہ بالا فیصلے کے بطلان کو ثابت کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ: "اس فیصلے پر یہ اعتراض ہے کہ جب یہ قانون قرار پا چکا ہے کہ سزا صرف قانون کی بنیاد پر ہو گی اور صرف انہی افعال پر سزا دی جا سکتی ہے جو قانون کی تاریخ نفاذ کے بعد صادر ہوں، اور قوانین میں سزائیں متعین کی جا چکی ہیں اور ان سزاؤں میں مذکورہ ملزم کو کوڑے مارنے والی سزا نہیں ہے لہٰذا یہ فیصلہ خلاف قانون ہوا ہے جس سے یہ فیصلہ باطل ہو جاتا ہے"۔ اور پھر قاضی محمد محمود غراب کو اس فیصلے کے بعد قضاء سے ہٹا کر انتظامی ڈیوٹی پر لگا دیا گیا۔ (اس مقدمے کی تفصیلات کے لئے قاضی محمد محمود غراب کی کتاب: "أحكام اسلامية ادانة للقوانين الوضعية" کی طرف مراجعت کیجئے)۔

اس بنا پر جج نے یہ موقف اختیار کیا کہ اگر دستور کی موجودہ دفعات اور انسانوں کے حق قانون سازی پر عائد ہونے والی شرعی حدود کے مابین کوئی تضاد پایا جاتا ہے تو اسے دور کرنے کے لئے وہی اسلوب اختیار کیا جائے گا جس کا تصور دستور کے مصنفین اور قرارداد مقاصد منظور کرنے والوں نے پیش کیا تھا، یعنی اس کے لئے قومی اسمبلی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ پس عملاً دستور کی جس دفعہ پر اعتراض ہو، اس کی تصحیح خود دستور کے بیان کردہ نظام کے مطابق پارلیمان سے آئینی ترمیم کی منظوری کے ذریعے کی جا سکتی ہے، یہ تصحیح کرنا عدالتوں کا کام نہیں ہے۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, with commentary comments on Article 2-A p;54 to 56.

(۲) یہ بیرسٹر محمد رفیق بٹ کی کتاب سے چند اقتباسات تھے جن سے قرارداد مقاصد اور دفعہ ۲ الف کے متعلق پاکستانی عدالتوں کے فیصلوں میں تضادات واضح ہوتے ہیں۔ آئندہ سطور میں ہم ان فیصلوں پر مختصراً تبصرہ کریں گے:

(الف) پاکستان کی ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے ججوں کے درمیان قرارداد مقاصد اور دفعہ ۲ الف کے حوالے سے جو تضاد و اختلاف نظر آتا ہے، لامحالہ یہ دو اساسی وجوہات سے پیدا ہوا ہے:

اولاً: ان دونوں کو وضع کرتے وقت انتہائی مبہم اور پیچیدہ انداز اختیار کیا گیا ہے اور ۔۔۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ۔۔۔ ان کی عبارت سے یہ بات قطعیت کے ساتھ ثابت نہیں ہوتی کہ پاکستان میں قانون سازی کا اصل ماٰخذ شریعت الٰہی ہے، اقتدار اعلیٰ بھی اسی کو حاصل ہے اور اس سے متصادم و مخالف ہر قانون باطل ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حق و باطل کو خلط ملط کرنے کا آغاز دستور کی ابتدائی سطور سے ہی ہو جاتا ہے۔ اگر قرارداد مقاصد اور دفعہ ۲ الف میں یہ بات دوٹوک اور واضح انداز میں درج ہوتی کہ شریعت اسلامیہ قانون سازی کا سب سے اعلیٰ اور واحد ماٰخذ ہے، کوئی بھی قانون اس سے متصادم نہیں ہوسکتا اور اگر کوئی قانون یا دستوری دفعہ اس کے خلاف پائی گئی تو وہ باطل قرار پائے گی ۔۔۔ اگر یہ انداز اختیار کیا جاتا تو مندرجہ بالا جھگڑے اور اختلافات سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتے۔

ثانیاً: دستور بنانے والوں نے صرف اتنا غضب ہی نہیں ڈھایا کہ تطبیق شریعت سے متعلقہ دفعات کو مبہم انداز میں تشکیل دیا، بلکہ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے دستور میں ایسی دفعات بھی درج کر دیں جو شریعت سے صراحتاً متصادم تھیں۔ پس یہ دستور ۔۔۔۔ جو ابو القوانین بھی کہلاتا ہے ۔۔۔۔ ایک عجیب سے ملغوبے میں تبدیل ہو کر ججوں کے لئے مزید پیچیدگی کا باعث بن گیا۔

(ب) مذکورہ بالا اقتباسات کے مطالعے سے پاکستانی ججوں کے افکار و نظریات میں بھی تضادات و ابہامات واضح نظر آتے ہیں۔ شاید یہ بحیثیت مجموعی پاکستانی معاشرے میں پائے جانے والے انتشار فکری کا ہی عکس ہے۔ اس فکری انتشار اور اختلاف آراء کا پایا جانا اس لئے بھی باعث حیرت نہیں کہ، جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، پاکستان میں وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کے شریعہ مرافعہ بنچ کے علاوہ کسی بھی عدالت کا جج بننے کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں۔ نیز شرعی و غیر شرعی، کسی بھی قسم کی عدالت کا جج بننے کے لئے 'عادل' (پابند شرع) ہونا بھی لازم نہیں۔

میری رائے میں ججوں کا ایک گروہ ایسا ہے جن کے دلوں میں شریعت کی محبت اور دینی غیرت

کا جذبہ ہے اور وہ شریعت کی حاکمیت دیکھنے کے خواہاں ہیں (یہ محض میری رائے ہے، اور حسیب اصلی تو اللہ تعالی ہے اور میں اللہ کے سامنے کسی کی پاکی بیان نہیں کرنا چاہتا)۔ پس اسی جذبے کے تحت انہوں نے قرارداد مقاصد اور دفعہ ۲ الف کو بلند ترین مقام پر فائز کرنے کی کوشش کی ہے، یہاں تک کہ اسے دستور سے بھی بالاتر حیثیت دے کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ قرآن و سنت ہی پاکستان کا اعلیٰ ترین قانون ہے۔

لیکن ان کے اس مؤقف میں دو بنیادی کمزوریاں ہیں:

ایک تو یہ کہ قرارداد مقاصد اور دفعہ ۲ الف کی عبارتوں سے ان کے مؤقف کی تائید نہیں ہوتی۔

دوسری یہ کہ انہوں نے بھی دستور کو ہی مرجع اور معیار تسلیم کیا ہے اور شریعت کی بالادستی ثابت کرنے کے لئے بھی دستوری دفعات سے استدلال کیا ہے۔

یہ بات تو ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ شریعت کی نصوص اور دستور کی نام نہاد اسلامی دفعات میں تین بنیادی فرق ہیں:

(الف) دستور کی اسلامی دفعات اس بات کی محتاج ہیں کہ وہ اپنی رسمی حیثیت منوانے کے لئے غالب اکثریت کی تائید سے دستور میں باقاعدہ طور پر درج ہوں، جب کہ نصوص شریعت نہ صرف انسانوں کی تائید سے بے نیاز ہیں، بلکہ خود انسانوں پر حاکم بن کر اترتی ہیں۔

(ب) دستور خود بھی عوامی حاکمیت کا نمائندہ ہے، اور کسی دستور کو بطور دستور تبھی تسلیم کیا جاتا ہے جب عوام کی اکثریت استصواب یا عوامی نمائندگان کے واسطے سے اسی منظوری بخشے۔ اس کے برعکس شریعت کا اللہ مالک الملک کی طرف سے نازل ہونا ہی اس کی حاکمیت ثابت کرنے کے لئے کافی ہے اور اس کی حاکمیت قبول کرنے یا نہ کرنے کے معاملے پر استصواب یا رائے شماری کرانا قطعاً جائز نہیں۔

(ج) پارلیمان کی غالب اکثریت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جیسے چاہیں دستوری دفعات میں تبدیلی یا ترمیم کر دے، جبکہ حکم شریعت کو تبدیل کرنے کا حق کسی کو حاصل نہیں۔

ججوں کا دوسرا گروہ اس رائے سے اختلاف رکھتا ہے۔ اس گروہ کا کہنا ہے کہ قرارداد مقاصد

اور دفعہ ۲ الف دستور کا مؤثر جزو ہی نہیں، لہٰذا کسی دستوری دفعہ یا کسی قانون کو شرعی احکامات سے تصادم کی بنیاد پر باطل نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اور جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں، جج حضرات میں عموماً یہی رائے عام ہے۔

تیسرا فریق اس رائے کا حامل ہے کہ قرارداد مقاصد کے تقاضوں اور دستور کی دیگر دفعات وقوانین کے درمیان جمع وتطبیق کی راہ اختیار کرنی چاہئے۔

ہ۔ پاکستانی دستور اور قوانین میں غیر شرعی مواد موجود ہے

درج بالا بحث میں ہم نے دستور پاکستان کی ابتدائی سطور میں موجود حق و باطل کی آمیزش، قرارداد مقاصد کی مبہم عبارات اور حجیت شریعت اور حجیت دستور میں پائے جانے والے فرق کا جائزہ لیا ہے۔ نیز اسی بحث سے یہ بات بھی واضح ہوگئی ہے قرارداد مقاصد اور اس کے عملی اثرات کے حوالے سے ججوں کے فہم میں کس قدر تضاد پایا جاتا ہے۔

میری کوشش ہوگی کہ آئندہ سطور میں یہ امر واضح کروں کہ ایک بات تو بہر حال سبھی کو ماننا ہوگی ......خواہ وہ قرآن وسنت کو ملک کا اعلیٰ ترین قانون سمجھتے ہوں یا رائے رکھنے والوں سے اختلاف کرتے ہوں....اس حقیقت کا اعتراف تو خود پاکستان کی ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ نے بھی کیا ہے اور پاکستانی نظام اور اس کے دستور وقوانین کے غیر شرعی ہونے کے لئے صرف یہی ایک بات کافی ہے۔ اگر ہم ایک لمحے کے لئے یہ فرض کرلیں کہ کسی سلطنت کے تمام نظام اور قوانین شریعت کے مطابق اور اس کے تابع ہیں لیکن وہ صرف ایک ایسا قانون بنالے جو شریعت سے متصادم ہو تو وہ حکومت غیر اسلامی حکومت کہلائے گی۔ بلکہ علماء کا تو اس بات پر بھی اجماع ہے کہ اگر وہ حکومت اس قانون سے رجوع نہ کرے تو اس کے خلاف قتال واجب ہوجاتا ہے۔ سورۃ المائدۃ کی جن آیات سے ہم پہلے استدلال کر چکے ہیں ان میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو اس بات سے خبردار کرتے ہیں کہ کہیں مشرکین انہیں اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کسی حکم سے بہکا نہ دیں۔ فرمایا:

﴿وأن احکم بینهم بما أنزل الله ولا تتبع أهوآء هم واحذرهم أن یفتنوک

عن بعض ما أنزل الله﴾ [المائدة : ۴۹].

''اور ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے، اور ان سے بچئے کہ یہ اللہ کی جانب سے آپ کی طرف نازل کردہ کسی حکم سے آپ کو بہکا نہ دیں''۔

اور فرمایا:

﴿ان الذین ارتدوا علی ادبارهم من بعد ما تبین لهم الهدی الشیطن سول لهم وأملی لهم . ذلک بأنهم قالوا للذین کرهوا ما نزل الله سنطیعکم فی بعض الأمر والله یعلم اسرارهم . فکیف اذا توفتهم الملائکة یضربون وجوههم وأدبارهم ذلک بانهم اتبعوا ما أسخط الله وکرهوا رضوانه فاحبط أعمالهم﴾ [سورة محمد ۲۵ . ۲۸].

''بے شک جو لوگ ہدایت واضح ہوجانے کے بعد پشت پھیر کر مرتد ہوگئے۔ شیطان نے (یہ کام) ان کو مزین کر دکھایا اور انہیں طول (عمر کا وعدہ) دیا۔ یہ اس لئے کہ جو لوگ اللہ کی نازل کردہ شریعت سے بیزار ہیں، یہ ان سے کہتے ہیں کہ بعض کاموں میں ہم تمہاری بات بھی مانیں گے، اور اللہ ان کے پوشیدہ مشوروں سے واقف ہے۔ تو اس وقت (ان کا) کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی جان نکالیں گے اور ان کے چہروں اور پیٹھوں پر مارتے جائیں گے۔ یہ اس لئے کہ جس چیز سے اللہ ناخوش ہے، یہ اس کے پیچھے چلے اور اس کی خوشنودی کو ناپسند کیا، تو اس نے بھی ان کے اعمال کو برباد کردیا''۔

گزشتہ صفحات میں قارئین حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا وہ قول بھی پڑھ چکے ہیں (باب دوم، فصل اول)۔ جس میں آپ نے چنگیز خا کی وضع کردہ کتاب ''یاسق'' کے بارے میں شریعت کا حکم بیان کیا ہے جو کہ اسلام، تاتاری رسوم وروایات اور دیگر شریعتوں کا ایک مخلوط مرکب تھا۔

نیز اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ جو گروہ بھی اسلام کے کسی صریح حکم کو بجالانے سے رکا ہے (طائفة ممتنعة عن شریعة الاسلام الظاهرة) تو اس کے خلاف قتال کیا جائے گا۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے جب ان لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا جنہیں نماز پڑھنے کی دعوت دی جائے لیکن

وہ نماز پڑھنے سے انکاری رہیں، تو آپؒ نے جواب دیا:

"وکذلک کل طائفة ممتنعة عن شریعة واحدة من شرائع الاسلام الظاهرة أو الباطنة المعلومة ، فانه یجب قتالها ، فلو قالوا : نشهد ولا نصلی قوتلوا حتی یصلوا ، ولو قالوا : نصلی ولا نزکی قوتلوا حتی یزکوا ، ولو قالوا : نزکی ولا نصوم ولا نحج قوتلوا حتی یصوموا رمضان ، ویحجوا البیت . ولو قالوا : نفعل هذا لکن لا ندع الربا ، ولا شرب الخمر ، ولا الفواحش ، ولا نجاهد فی سبیل الله ، ولا نضرب الجزیة علی الیهود والنصاری ، ونحو ذلک . قوتلوا حتی یفعلوا ذلک . کما قال تعالی : ﴿وقاتلوهم حتی لا تکون فتنة ویکون الدین کله لله﴾ وقف قال تعالی : ﴿یا أیها الذین آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقی من الربا ان کنتم مؤمنین﴾ ﴿فان لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله﴾ والربا آخر ما حرم الله ، وکان أهل الطائف قد أسلموا وصلوا وجاهدوا ، فبین الله أنهم اذا لم ینتهوا عن الربا ، کانوا ممن حارب الله ورسوله . وفی الصحیحین أنه لما توفی رسول الله ﷺ وکفر من کفر من العرب ، قال عمر لأبی بکر : کیف تقاتل الناس ؟ وقد قال النبی ﷺ "أمرت أن أقاتل الناس حتی یشهدوا أن لا اله الا الله ، وأنی رسول الله . فاذا فعلوا ذلک عصموا منی دماءهم وأموالهم الا بحقها" . فقال أبو بکر : ألم یقل : الا بحقها ؟ . والله لو منعونی عقالا کانوا یؤدونه الی رسول الله ﷺ لقاتلتهم علیه . قال عمر : فوالله ما هو الا أن رأیت الله قد شرح صدر أبی بکر للقتال ، فعلمت أنه الحق ".

"ہر وہ گروہ جو اسلام کے معلوم احکامات....خواہ ظاہری یا باطنی.........میں سے کسی ایک بھی حکم پر عمل پیرا ہونے سے انکار کرے تو اس کے خلاف قتال واجب ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی گروہ کہے کہ ہم وحدانیت الٰہی اور رسالت نبوی کی گواہی تو دیتے ہیں لیکن نماز نہیں پڑھیں گے، تو ان کے خلاف قتال کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ نماز پڑھنے لگیں۔ اسی طرح اگر وہ کہیں کہ ہم نماز تو پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ

نہیں دیں گے تو ان کے خلاف قتال کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ زکوٰۃ دینے لگیں۔ یا پھر وہ کہیں کہ ہم زکوٰۃ تو دیں گے لیکن نہ تو روزے رکھیں گے نہ ہی حج کریں گے تو ان سے قتال کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ رمضان کے روزے رکھیں اور بیت اللہ کا حج کریں۔ اسی طرح اگر وہ کہیں کہ ہم یہ سب کچھ کریں گے لیکن نہ تو سود چھوڑیں گے، نہ شراب نوشی و فواحش ترک کریں گے، نہ اللہ کے رستے میں جہاد کریں گے اور نہ ہی یہود و نصاریٰ پر جزیہ عائد کریں گے تو ان سے قتال کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ یہ تمام احکام بجالائیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اور ان سے قتال کرو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور پورے کا پورا دین اللہ کے لئے خاص ہو جائے﴾

اور فرمایا: ﴿اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم مومن ہو تو جو کچھ سود باقی ہے اسے چھوڑ دو ، پس اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو﴾

اللہ رب العزت نے سب سے آخر میں سود کو حرام قرار دیا اور اہل طائف کو.....جو اسلام قبول کر چکے تھے، نمازیں بھی پڑھتے تھے اور جہاد تک کرتے تھے......خبردار کیا کہ اگر وہ سود سے باز نہ آئے تو انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنے والوں میں شمار کیا جائیگا۔

نیز صحیحین میں روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے اور اہل عرب کی بہت بڑی تعداد دین سے پھر (کر مرتد ہو) گئی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ کس بنیاد پر لوگوں سے قتال کریں گے جبکہ نبی ﷺ یہ ارشاد فرما چکے ہیں کہ:

"مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ پس اگر وہ ایسا کر لیں تو مجھ سے اپنے خون اور اموال محفوظ کر لیں گے، سوائے اس کے جو حق (ان سے وصول کرنا) شریعت ہی نے مقرر کیا ہو"۔

تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"کیا آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ "سوائے اس کے جو حق (ان سے وصول کرنا) شریعت ہی نے مقرر کیا ہو"۔ اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ وہ ایک رسی بھی جو یہ رسول اللہ ﷺ کو (بطور زکوٰۃ) دیا کرتے

تھے مجھے دینے سے انکار کریں گے تو میں اس کی خاطر بھی ان سے قتال کروں گا"۔

"اللہ کی قسم! جب میں نے یہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے (مرتدین کے خلاف) قتال کے لئے حضرت ابوبکرؓ کا سینہ کھول دیا ہے تو سمجھ گیا کہ انہی کا مؤقف مبنی برحق ہے"۔

(مجموع الفتاویٰ لابن تیمیة ۵/۸۴).

اسی طرح جب امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے تاتاریوں کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا:

"الحمد لله كل طائفة ممتنعة عن التزام شريعة من شرائع الاسلام الظاهرة المتواترة ؛ من هؤلاء القوم وغيرهم فانه يجب قتالهم ، حتى يلتزموا شرائعه وان كانوا مع ذلك ناطقين بالشهادتين وملتزمين بعض شرائعه ، كما قاتل أبو بكر الصديق والصحابة رضى الله عنهم مانعى الزكاة . وعلى ذلك اتفق الفقهاء بعدهم بعد سابقة مناظرة عمر لأبى بكر رضى الله عنهما . فاتفق الصحابة رضى الله عنهم على القتال على حقوق الاسلام عملا بالكتاب والسنة . وكذلك ثبت عن النبى ﷺ من عشرة أوجه الحديث عن الخوارج ، وأخبر أنهم شر الخلق والخليقة مع قوله : "تحقرون صلاتكم مع صلاتهم وصيامكم مع صيامهم" . فعلم أن مجرد الاعتصام بالاسلام مع عدم التزام شرائعه ليس بمسقط للقتال . فالقتال واجب حتى يكون الدين كله لله ، وحتى لا تكون فتنة . فمتى كان الدين لغير الله فالقتال واجب . فأيما طائفة امتنعت من بعض الصلوات المفروضات او الصيام او الحج او عن التزام تحريم الدماء والأموال والخمر والزنا والميسر أو عن نكاح ذوات المحارم أو عن التزام جهاد الكفار أو ضرب الجزية على أهل الكتاب وغير ذلك من واجبات الدين ومحرماته ـ التى لا عذر لأحد فى جحودها وتركها ـ التى يكفر الجاحد لوجوبها . فان الطائفة الممتنعة تقاتل عليها ، وان كانت مقرة بها . وهذا ما لا أعلم فيه خلافاً بين العلماء . وانما اختلف الفقهاء فى الطائفة الممتنعة اذا أصرت

على ترك بعض السنن كركعتى الفجر والأذان والاقامة ـ عند من لا يقول بوجوبها ـ ونحو ذلك من الشعائر . هل تقاتل الطائفة الممتنعة على تركها أم لا ؟ فأما الواجبات والمحرمات المذكورة ونحو فلا خلاف فى القتال عليها".

"تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے...... ہر وہ گروہ جو اسلام کے معروف ومتواتر احکامات میں سے کسی ایک حکم پر بھی عمل پیرا ہونے سے انکار کرے اس کے خلاف قتال واجب ہو جاتا ہے، خواہ تاتاریوں میں سے ہو یا کسی دوسری قوم سے تعلق رکھتا ہو۔ یہ قتال اس وقت تک واجب رہتا ہے جب تک یہ ان احکامات الٰہی کی پابندی نہ اختیار کرلیں۔ نیز ان کا اپنی زبان سے کلمے کی گواہی دینا اور بعض دیگر احکامات شریعت کی پابندی کرنا بھی اس قتال میں مانع نہیں، بالکل اسی طرح جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مانعین زکوٰۃ کے خلاف قتال کیا (حالانکہ وہ کلمہ گو بھی تھے اور دیگر تمام عبادات بھی ادا کیا کرتے تھے)۔ اگر چہ ابتداء میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بحث کی، لیکن بعد میں (نہ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے سے متفق ہو گئے، بلکہ) تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد والے فقہاء بھی اس مسئلے پر متفق ہو گئے کہ کتاب وسنت کی تعلیمات اس بات کی متقاضی ہیں کہ اسلام کے مقرر کردہ حقوق وصول کرنے کی خاطر (ایسے لوگوں سے) قتال کیا جائے (جو یہ حقوق ادا کرنے سے انکاری ہوں)۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ سے بھی دس سندوں کے ساتھ خوارج والی حدیث ثابت ہے جس میں آپ ﷺ نے بتایا کہ یہ لوگ بدترین مخلوق ہیں، اور ساتھ ہی آپ ﷺ نے ان کا یہ وصف بھی بیان فرمایا کہ:

"تم لوگ اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے مقابل اور اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابل حقیر جانو گے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ احکامات اسلامی کا التزام کئے بغیر اسلام قبول کرنے سے قتال ساقط نہیں ہوتا۔ قتال تو واجب رہتا ہے یہاں تک کہ فتنے کا خاتمہ ہو جائے اور دین پورے کا پورا اللہ ہی کے

لئے خالص ہو جائے۔ پس جب تک دین کا کچھ حصہ غیر اللہ کے لئے ہو، قتال واجب رہے گا۔ لہٰذا جو گروہ بھی کسی فرض نماز، (رمضان کے) روزوں یا حج جیسے فرائض ادا کرنے سے رکا رہے یا پھر ناحق خون بہانے، مال لوٹنے، شراب پینے، زنا کرنے، جوا کھیلنے، محرم رشتہ داروں سے نکاح کرنے جیسے افعال کی حرمت کا التزام نہ کرے، یا کفار کے خلاف جہاد اور اہل کتاب پر جزیہ عائد کرنے کے حکم الٰہی کی پابندی اختیار نہ کرے اور ایسے ہی دیگر دینی واجبات اور محرمات ...... جن کا انکار کرنے یا جنہیں ترک کرنے کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں، اور جن کے وجوب کا انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے..... جو گروہ بھی عملاً ان امور کی پابندی اختیار کرنے سے رکا رہے تو اس کے خلاف قتال کیا جائیگا چاہے وہ اس کے وجوب کا اقرار ہی کیوں نہ کرتا ہو۔ میرے علم کے مطابق اس مسئلے میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ البتہ اس گروہ کے متعلق فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے جو بعض سنتوں کے ترک پر دوام اختیار کرے، مثلاً جو فجر کی دو سنتیں، اذان، اقامت اور ایسے دیگر شعائر یکسر ترک کر دے (یہ ان علماء کے نزدیک جو ان اعمال کو واجب نہیں بلکہ سنت سمجھتے ہیں)۔ پس ایسے گروہ کے خلاف قتال کرنے، نہ کرنے کے مسئلے پر علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن مذکورہ بالا واجبات و محرمات وغیرہ کی پابندی ترک کرنے والوں کے خلاف قتال پر تو کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا"۔

(مجموع الفتاوىٰ لابن تيمية ۶/ ۴۲۵).

اسی طرح امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے ایسے گروہ کے متعلق پوچھا گیا جو طاقت و قوت رکھنے کے باوجود شرعی احکامات قائم نہیں کرتا، کیا ان کے خلاف قتال جائز ہے؟ تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا:

نعم . يجوز ؛ بل يجب باجماع المسلمين قتال هؤلاء وأمثالهم من كل طائفة ممتنعة عن شريعة من شرائع الاسلام الظاهرة المتواترة ؛ مثل الطائفة الممتنعة عن الصلوات الخمس أو عن أداء الزكاة المفروضة الى الأصناف الثمانية ـ التى سماها الله تعالى فى كتابه ـ أو عن صيام شهر رمضان أو الذين لا يمتنعون عن سفك دماء المسلمين وأخذ أموالهم أو لا يتحاكمون بينهم بالشرع الذى بعث

الله به رسوله ، كما قال أبو بكر الصديق وسائر الصحابة رضي الله عنهم فى مانعى الزكاة ، وكما قاتل علي بن أبي طالب وأصحاب النبى ﷺ الخوارج".

"جی ہاں! جائز ہے، بلکہ اس امر پر تو مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہ اور ایسے دیگر گروہ جو اسلام کے کسی ایک بھی متواتر اور واضح حکم کی ادائیگی سے رکے رہیں، ان کے خلاف قتال واجب ہے۔ مثلاً وہ گروہ جو پانچ فرض نمازیں ادا نہ کرے، یا قرآن حکیم میں مذکور (زکوٰۃ کی) آٹھ مدات میں فرض زکوٰۃ ادا کرنے سے ہاتھ کھینچ لے، یا رمضان کے روزے نہ رکھے؛ یا وہ گروہ جو مسلمانوں کا ناحق خون بہانے اور مال لوٹنے سے نہ چوکے یا جس شریعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا، اسے اپنے باہمی فیصلوں میں حکم نہ بنائے .... تو ایسے گروہ سے قتال کیا جائے گا، بالکل اسی طرح جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مانعین زکوٰۃ کے خلاف قتال کرنے کا موقف اختیار کیا، اور جیسے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحاب نبی رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خوارج سے قتال کیا"۔

(مجموع الفتاوىٰ لابن تيمية ۶/ ۴۲۹).

دوسری فصل

دستور کی دفعہ ۳۱

اسلامی طرز زندگی

دستور نے دفعہ ۳۱ کو "اسلامی طرز زندگی" کا عنوان دیا ہے، جس کی عبارت کچھ یوں ہے:

۱۔ پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی اسلام کے اساسی اصولوں اور بنیادی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنانے کے لیے اور انہیں ایسی سہولتیں مہیا کرنے کے لیے اقدامات اٹھائیں گے جن کی مدد سے وہ قرآن کریم اور سنت کی روشنی میں زندگی گزارنے کے اصل مفہوم سے روشناس ہو سکیں۔

۲۔ مسلمانانِ پاکستان کے حوالے سے ریاست مندرجہ ذیل امور کی کوشش کرے گی:

(الف) قرآن کریم اور اسلامیات کی تعلیم کو لازمی قرار دینا، عربی زبان سیکھنے کی حوصلہ افزائی کرنا، اس کے لیے سہولت بہم پہنچانا، اور قرآن کریم کی صحیح اور من وعن طباعت اور اشاعت کا اہتمام کرنا۔

(ب) اتحاد واتفاق اور اسلام کے اخلاقی معیار کی پابندی کو فروغ دینا۔

(ج) زکوٰۃ (عشر)، اوقاف اور مساجد کی باقاعدہ تنظیم کا اہتمام کرنا۔

اصل عبارت یوں ہے:

Islamic way of life

31. (1) step shall be taken to enable the Muslim of Pakistan individually and collectively,

To order their lives in accordance with the fundamental principles and basic concepts of Islam and to provide facilities whereby they may be understand the meaning of life according to the Holy Quran and Sunnah.

(2) The state shall Endeavour, as respects the Muslim of Pakistan.

(a) To make the teaching of the holy Quran and Islamit compulsory to encourage and facilitate the learning of Arabic language and to secure correct and exact printing and publishing of the Holy Quran .

(b) To promote unity and the observance of the Islamic

moral standards; and

(c) To secure the proper organization of Zakat [usher] auqaf and ,mosques. [PART II Fundamental right and principles of policy .CHAPTER 2 PRINCIPLES POLICY Article 31]

جب ہم اس دفعہ کی عبارتوں پر غور کرتے ہیں تو ان میں سے اہم ترین عبارت یہ محسوس ہوتی ہے:

"پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی اسلام کے اساسی اصولوں اور بنیادی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنانے کے لیے اور انہیں ایسی سہولتیں مہیا کرنے کے لیے اقدامات اٹھائیں جائیں گے جن کی مدد سے وہ قرآن کریم اور سنت کی روشنی میں زندگی گزارنے کے اصل مفہوم سے روشناس ہو سکیں۔"

اس عبارت کی بناوٹ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ:

(الف) یہ محض ایک وعدہ ہے

یہ محض ایک وعدہ ہے جس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے۔۔۔ بقول دفعہ ۲۱۔۔۔۔ ریاست پاکستان کی جانب سے عنقریب "اقدامات اٹھائے جائیں گے" اور یہ بات تو معروف ہی ہے کہ جو شخص یوں کہے کہ میں شریعت کے مطابق فیصلے کرنا شروع کردوں گا، یا میں نماز قائم کروں گا، یا میں زکوٰۃ ادا کروں گا تو محض اس وعدے کی بنیاد پر اسے شریعت کے مطابق فیصلے کرنے والا، یا نماز قائم کرنے والا، یا زکوٰۃ ادا کرنے والا نہیں سمجھا جائے گا۔

بیرسٹر محمد رفیق بٹ دفعہ ۲۱ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"یہ بھی ان تصریحات اور وعدوں میں سے ہے جو دستور نے امت کے ساتھ طے کیے ہیں"۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, preliminary, 1965 constitution p:30.

اسی طرح دفعہ ۱۹ سے ۴۰ تک کی تمام دفعات پر تبصرہ کرتے ہوئے بیرسٹر رفیق بٹ نے کہا:

''دفعہ ۱۹ سے ۴۰ تک کے احکامات صرف رہنما اصولوں کی حیثیت رکھتے ہیں، پس نہ تو ان کی روشنی میں کوئی عدالت فیصلہ کرسکتی ہے، نہ ہی یہ کسی خاص عدالت کے دائرہ اختیار میں داخل ہیں اور نہ ہی کوئی عدالت انہیں عملاً نافذ کرسکتی ہے۔ البتہ عدالتیں ان دفعات کو دستور کے جزو کے طور پر بعض دیگر اغراض کے لیے اپنے دائرہ اختصاص میں داخل سمجھ سکتی ہیں۔ مثلاً دستور کی دیگر دفعات یا قانون سازوں کے بنائے ہوئے دیگر قوانین کی تشریح کے لیے ان دفعات سے مدد لی جاسکتی ہے''۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973 with commentary comments on CHAPTER 2 PRINCIPLES OF PAKISTAN Article 29—40 p; 108

یہی دفعہ کم وبیش اسی صورت میں ۱۹۵۶ء (THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973 with commentary preliminary, 1965 constitution. p; 30) کے دستور میں بھی موجود تھی اور پچاس سال سے زائد عرصہ بیت جانے کے باوجود بھی یہ تمام وعدے وفا کے منتظر ہیں!

(ب) مبہم الفاظ

اسی طرح دفعہ ۳۱ کی عبارت میں ''احکامات اسلام'' جیسی واضح اصطلاح چھوڑ کر ''اسلام کے اساسی اصولوں اور بنیادی تصورات'' کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ حالانکہ کئی اساسی اصولوں اور بنیادی تصورات مثلاً سچ، انصاف، ایفائے عہد، امانت، پاکدامنی، زیادتی سے پرہیز اور ظلم کے خلاف مزاحمت وغیرہ تو اسلام اور دیگر شریعتوں میں مشترک امور پائے جانا ممکن ہے۔ اصل فرق تو احکامات کے ذیل میں ہے، جہاں اسلام باقی شریعتوں سے یکسر مختلف ہے۔

(مصری دستور کی دفعہ ۲ میں بھی اس سے ملتی جلتی عبارت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ: ''شریعت اسلامی کے مبادی ہی قانون سازی کا اساسی مصدر ہوں گے'' حالانکہ یوں کہنا چاہئے تھا کہ ''شریعت اسلامی کے احکام ہی قانون سازی کا واحد مصدر ہوں گے'')۔

تیسری فصل

دستور کی دفعہ ۳۸

سود کا خاتمہ

دفعہ ۳۸ کی عبارت کہتی ہے کہ:

''عوام کی معاشی اور معاشرتی فلاح و بہبود کی خاطر جس قدر جلد ممکن ہو سود کو ختم کیا جائے گا''۔

اصل عبارت یہ ہے:

Promotion of social and economic well being of the people 38 The state shall-

---

(f) eliminate riba as early as possible [PART II CHAPTER 2 - PRINCIPLES OF POLICY Article ;31

یہی عبارت ۱۹۵۶ء کے دستور میں بھی موجود تھی۔

اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے، اس وعدے کے پچاس سال بعد بھی پاکستان میں سودی نظام زوروشور سے جاری ہے۔

(باب دوم: فصل دوم، دوسرا تناقض، دفعہ ۲۷۰ الف)۔

چوتھی فصل

وفاقی شرعی عدالت، دستور کا حصہ ہفتم، باب ۱۳ الف

دستور کے حصہ ہفتم کے باب ۱۳ الف (دفعہ ۲۰۳ A تا ۲۰۳ J) میں وفاقی شرعی عدالت سے متعلق کچھ احکامات درج کیے گئے ہیں۔ ان دفعات پر غور کرنے سے مندرجہ ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں:

(الف) وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ کار سے مستثنیٰ امور

دفعہ ۲۰۳ B اس فصل میں ذکر کردہ تعریفات کی وضاحت کرتے ہوئے کہتی ہے:

"قانون میں ہر ایسا رواج یا عرف شامل ہے جو قانونی قوت کا حامل ہو۔۔۔۔لیکن اس میں دستور، مسلمانوں کے شخصی امور سے متعلق قوانین، کسی بھی عدالت یا ٹریبونل کے ضابطہ کار سے متعلقہ قوانین، یا اس باب کے نافذ العمل ہونے کے دس سال بعد تک ہر قسم کے مالی قوانین، یا محصولات اور فیسوں کے عائد ہونے اور ان کی وصولی سے متعلقہ قوانین، یا بینکاری اور بیمہ کے عمل اور اس کے طریقہ کار سے متعلقہ قوانین شامل نہیں ہونگے"۔

203B Definitions

203B In this chapter, unless there is anything repugnant in the subject or context

----

(c) "law "includes any custom or usage having the force of law but does not include the constitution, Muslim personal Law, any relating to the procedure of any court or tribunal or unit the expiration of ten year from the commencement of this Chapter, any fiscal law or any law relating to the levy

and collection of taxes and fees banking or insurance practice and procedure [PART VII The judicature, [CHPTER 3A – FEDERAL SHARIAT COURT Article 203 B]

اس دفعہ کا جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دستور بنانے میں کس قدر مکر وفریب اور شیطانیت سے کام لیا گیا ہے، اور قوم کے ساتھ کیسا سنگین مذاق کیا گیا ہے:

(۱) اس فصل کے ابتدائی حصے میں ہی دستور سازوں نے نہایت سلیقے کے ساتھ وفاقی شرعی عدالت سے تمام اہم اختیارات سلب کر لیے ہیں۔ نتیجتاً یہ عدالت ایک ایسا بے بس سا محکمہ بن کر رہ گیا ہے جو شریعت نافذ کرنے سے کلی طور پر عاجز ہے:

اولاً، اس دفعہ نے شرعی عدالت کو دستور کا جائزہ لینے سے روک دیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ:

الف۔ وفاقی شرعی عدالت ایک کمزور اور بے بس ادارہ ہے کیونکہ اسے یہی حق حاصل نہیں کہ وہ دستور پاکستان کا جائزہ لے۔۔۔۔ حالانکہ دستور تو ان کے نزدیک "ابوالقوانین" اور قانون سازی کا اصل مصدر ہے۔ گویا وفاقی شرعی عدالت کو اتنا حق بھی نہیں کہ یہ قانون سازی کے مصدر کا جائزہ لے سکے۔ جبکہ اس کے برعکس، پاکستان کی ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ دستوری دفعات کی تشریح وتفسیر کرے۔ اس حوالے سے ہم گزشتہ صفحات پر دفعہ ۱۱۲ الف، دفعہ ۲۷۰ الف، اور دفعہ ۴۵ پر پاکستانی عدالتوں کی بحث نقل کر چکے ہیں۔

صرف یہی نہیں، بلکہ دستور کی دفعہ ۱۸۴ تو سپریم کورٹ کو مکمل اختیار دیتی ہے کہ وہ ان تمام معاملات میں فیصلے صادر کرے جو دستور میں بیان کردہ 'بنیادی حقوق' سے تعلق رکھتے ہیں۔

اصل عبارت یہ ہے:

Original jurisdiction of Supreme Court

184 ----------

(3) without prejudice to the provisions of Article 199, the Supreme Court shall, if it considers that question of public importance with reference to the enforcement any that fundamental rights conferred by chapter 1 of part II is in involved have the power to make an order of the nature mentioned in the said Article [PART VII The Judicature CHAPTER 2 THE SUPREME COURT OF PAKISTAN Article 184].

ب۔ یہ بات بھی ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ دستور پاکستان کئی ایسی دفعات پر مشتمل ہے جو شریعت سے واضح طور پر متصادم ہیں اور ان میں سے بعض کے خلاف شرع ہونے کا اعتراف خود پاکستانی عدالتوں نے کیا ہے۔۔۔لیکن اس کے باوجود وفاقی شرعی عدالت کو ان دفعات کے حوالے سے ایک حرف بھی کہنے کا اختیار نہیں۔

ج۔ وفاقی شرعی عدالت کو تو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دستور کا جائزہ لے، لیکن دستور پاکستان کو وفاقی شرعی عدالت پر مکمل اختیار اور غلبہ حاصل ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، دستور کی دفعات ۲۳۸ اور ۲۳۹ ارکان پارلیمان کو بغیر کسی قید وشرط یہ حق دیتی ہے کہ وہ جیسے چاہیں دستور کے احکام میں ترمیم وتبدیلی اور تغیر وابطال کریں۔ چنانچہ اگر دو تہائی ارکان پارلیمان 'وفاقی شرعی عدالت' کو 'انسداد شریعت عدالت' میں بدلنا چاہیں تو ان پر کوئی پابندی نہیں کیونکہ وہ قانون سازی کا مکمل حق رکھتے ہیں۔ اس سادہ سی مثال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ:

☆ پاکستان میں اقتدار اعلیٰ شریعت کو حاصل نہیں، بلکہ عوام اور عوامی ارادہ ہی حاکم اعلیٰ ہے اور پارلیمان کی غالب اکثریت کی رضا نظام چلانے والوں کے نزدیک عوامی رضامندی ہی کی دلیل

ہے۔ اس بات سے قطع نظر کہ کیا واقعتاً ارکان پارلیمان امت کے نمائندے ہیں یا نہیں۔۔۔۔ یہ بات تو بہر حال ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ پاکستان میں اقتدار اعلیٰ نہ تو شریعت کو حاصل ہے، نہ ہی قرآن کریم اور سنت مطہرہ کو، اقتدار اعلیٰ کی مالک تو وہ دیگر قوتیں ہیں جو پاکستان کو اسلام سے دور لے جا رہی ہیں اور اپنی خواہشات کے مطابق اہل پاکستان کی قسمت سے کھیل رہی ہیں۔

☆ اسی مثال سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ دستور پاکستان نے پاکستان میں اسلامی نظام قائم کرنے اور اسے شریعت اور کتاب وسنت کی حاکمیت پر مبنی ایک اسلامی ریاست بنانے کے لیے جو وسائل وذرائع تجویز کیے ہیں، وہ اتنے ناقص وبودے ہیں کہ ان سے کبھی بھی نفاذ اسلام کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔

ثانیاً، اسی طرح وفاقی شرعی عدالت کو مسلمانوں کے شخصی امور سے متعلقہ قوانین کا جائزہ لینے سے بھی روک دیا گیا ہے۔ ''اسلامی'' جمہوریہ پاکستان کے ''اسلامی'' دستور میں پائے جانے والے ان تضادات کا حل تو میری سمجھ سے بالاتر ہے؟ اگر ایک شرعی عدالت مسلمانوں کے شخصی امور سے متعلقہ قوانین کا جائزہ بھی نہیں لے گی، تو آخر کس کے شخصی امور سے متعلقہ قوانین کا جائزہ لے گی؟ مشرکین عرب کے۔۔۔۔!؟ فرعون مصر کے۔۔۔۔!؟ یا اسرائیلی یہودیوں کے۔۔۔!؟ عربی زبان کی مشہور ضرب المثل ہے۔۔۔ شر البلیۃ ما یضحک۔۔۔۔ بدترین مصیبت وہ ہوتی ہے جس پر ہنسی آئے۔

ثالثاً، اسی طرح وفاقی شرعی عدالت کو یہ حق بھی نہیں کہ وہ کسی عدالت اور ٹریبونل کے ضابطہ کار (procedure) سے متعلقہ قوانین کا جائزہ لے۔ یہ حق سلب کرنے سے شرعی احکامات سے کھیلنے اور دینی تعلیمات سے انحراف کا دروازہ چوپٹ کھل جاتا ہے۔ عدالتی کاروائیوں کے ضوابط سے متعلقہ قوانین تو انتہائی اہمیت کے حامل ہیں، مثلاً دعویٰ قبول یا رد کرنا، عدالت کے دائرہ اختیار کا تعین، گواہی، وکالت، اثبات جرم کے دلائل، اثبات جرم کے وسائل وذرائع، قانون ودستور کی تفسیر کا عدالتی حق، عدالتی فیصلوں کے ابطال اور ان میں ترمیم کا حق اور ایسے اہم ترین مسائل عدالت کے ضابطہ کار سے متعلقہ قوانین کے تحت ہی آتے ہیں۔۔۔ لیکن وفاقی شرعی عدالت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ان کا جائزہ لے یا انہیں زیر

بحث لائے۔اس سے یہ تلخ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ پاکستان میں بیک وقت دو عدالتی نظام چل رہے ہیں۔ایک عاجز، کمزور اور ناقص اختیارات کا حامل نظام جو وفاقی شرعی عدالت کی صورت میں ہمارے سامنے ہے اور دوسرا وہ سیکیولر عدالتی نظام جو پاکستان کی باقی تمام عدالتوں میں جاری وساری ہے۔

رابعاً، اسی طرح وفاقی شرعی عدالت کو دس سال کی مدت کے لیے ہر قسم کے مالی قوانین، محصولات کے عائد ہونے اور ان کی وصولی سے متعلقہ قوانین، یا بینکاری اور بیمہ کے عمل اور اس کے طریقہ کار سے متعلقہ قوانین پر بحث کی اجازت بھی نہیں دی گئی۔ میں نہیں جانتا کہ آیا یہ پابندی اب بھی جاری ہے یا نہیں؟ لیکن یہ امر تو بہر حال ایک حقیقت ہے کہ سود اور سودی احکامات وقوانین آج بھی پاکستان میں رائج ہیں۔ نیز یہ بات بھی کسی صاحب بصیرت سے مخفی نہیں کہ وفاقی شرعی عدالت پر لگائی گئی اس پابندی کا اصل فائدہ پاکستان کے حکمران طبقے کو پہنچتا ہے، جو اس ذریعے سے اپنی مالی بدعنوانیوں پر پردہ ڈالنے، اپنی حرص وطمع پوری کرنے اور اپنے داخلی وخارجی لین دین کو مکمل تحفظ دینے کا متمنی ہے۔

(ب) وفاقی شرعی عدالت کی تشکیل میں پائی جانے والی خامیاں

دفعہ ۲۰۳C۔ میں وفاقی شرعی عدالت کی تشکیل پر بات کی گئی ہے۔ (203C. The Federal Shariat Court

203---------

(2) The Court shall consist of not more than eight Muslim Judges, including the Chief Justice, to be appointed by the president.

(3) The Chief Justice shall be a person who is, or has been, or is qualified to be Judge of the Supreme Court or who is or has been a permanent Judge of a High Court.

(3A) Of the Judges, not more than four shall be persons each one of whom is or has been or is qualified to be a Judge of : High Court and more then three shall be Ulema who are well-versed in Islamic Law.

(4B) The president may, at any time, by order in writing,-

(a) modify the term of appointment of a Judge;

(b) assign to a Judge any other office; and

(c) require a Judge to perform such other functions as the president may deem fit;. and pass such other order as he may consider appropriate.

----

(7)before entering.upon office the Chief Justice and a Judge shall make before the president or a person nominated by him oath in the fom set out in the third Schedule.

[PART VII the judicature, CAHPTER 3A, - FEDERAL SHARIAT COURT, Article 203¢].

ذیل میں اس دفعہ کے مندرجات پر اٹھنے والے اعتراض درج کیے جا رہے ہیں:

(ا) اس دفعہ کی شق ۳ اور شق ۳ الف میں وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس اور ججوں کی اہلیت پر بات کی گئی ہے اور شرائط اہلیت میں "عادل" (پابند شرع) ہونے کا تذکرہ نہیں کیا گیا، حالانکہ

اس شرط پر تو بلا اختلاف تمام علمائے امت کا اجماع ہے۔ پس ایک تو ججوں کی تعین میں ہی شریعت کی عائد کردہ شروط کی مخالفت کی گئی ہے، اور پھر اس بات کا اندازہ کرنا تو زیادہ مشکل نہیں کہ جب غیر عادل ججوں کو عدالت میں شامل کر کے انہیں قوانین کے شرعی یا غیر شرعی ہونے کا جائزہ لینے پر مامور کیا جائے گا تو اس سے کس قدر بگاڑ پیدا ہوگا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اسی دفعہ کی شق ۲ نے شرعی عدالت کے ججوں اور چیف جسٹس کے تعین کا اختیار صدر مملکت کو تفویض کیا ہے۔ پس جب مشرف و زرداری جیسے لوگ شرعی عدالتوں کے جج چنیں گے (جبکہ جج بننے کے لیے 'عادل' ہونا بھی لازم نہ ہو) تو ہر شخص خود ہی سوچ سکتا ہے کہ ایسی ''شرعی عدالت'' کیسے ظلم و فساد کا باعث بنے گی؟

(۲) اسی دفعہ کی شق ۴ ب میں صدر مملکت کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ ججوں کے تعین کی شرائط مقرر کرے، یا جج کو کوئی دوسرا منصب سونپ دے، یا منصب قضاء کے ساتھ ساتھ کچھ دیگر ذمہ داریاں بھی اس کے حوالے کر دے۔ اس شق پر میں کوئی تبصرہ نہیں کروں گا۔ قارئین خود ہی فیصلہ کریں کہ جب صدر پاکستان کو۔۔۔۔ مشرف و زرداری جیسے دین سے جاہل لوگوں کو۔۔۔۔ شرعی عدالت سے متعلق اس قسم کے وسیع اختیارات دے دیے جائیں تو کیا یہ عدالت محض ایک مذاق نہیں بن جائے گی؟ نیز اس شق پر تفصیلی تبصرے سے میں اس لیے بھی گریز کروں گا کہ اس کتاب میں میرے پیش نظر محض دستور میں موجود بنیادی شرعی مخالفتوں پر توجہ دلانا ہے، وگرنہ اگر میں ان حیلہ بازیوں کی تفصیل میں جاؤں تو یہ کتاب انتہائی ضخیم ہو جائے۔

(۳) اسی دفعہ کی شق ۷ وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس اور ججوں سے اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اپنے منصب پر فائز ہونے سے پہلے صدر مملکت یا اس کے نمائندے کے سامنے حلف اٹھائیں۔

اس حلف کی اصل عبارت یہ ہے:

[CHIFE JUSTICE] OR 3 [JUDGE OF THE FEDRAL SHARIAT COURT

Article 203C(7)

(In the name of Allah, the most beneficent, the most Merciful.)

I------------,do solemnly swear that as the Chief Justice (or a Judge) of the Federal Shariat Court , I will discharge my duties, and perform my function, honestly, to the best of my ability and faithfully, in accordance with law; and that I will not allow my personal influence my official conduct or my official decision

May Allah Almighty help and guide me (A'meen)

اس حلف میں نہ تو شریعت کا ذکر ہے، نہ ہی قرآن و سنت کا، بلکہ جج اور چیف جسٹس صرف اس بات پر حلف اٹھاتے ہیں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو پاکستانی قانون کے مطابق ادا کریں گے۔ اس حلف میں مندرجہ ذیل نمایاں خرابیاں پائی جاتی ہیں:

اولاً، کوئی مسلمان کسی ایسے قانون کی پابندی کا حلف کیسے اٹھا سکتا ہے جو شرعی مخالفتوں سے بھرا پڑا ہے؟ کیا شرعی عدالت اسی لیے نہیں بنائی گئی کہ قانون کو شرعی مخالفتوں سے پاک کیا جائے؟ پس یہ حلف اٹھانا شرعاً حرام ہے۔

ثانیاً، یہ حلف خود بھی ایک تضاد کا مظہر ہے۔ کیا یہ کوئی معقول بات ہے کہ ایک جج سے قانون کی تصحیح و درستی کا مطالبہ بھی کیا جائے اور اسے قانون کا پابند بھی بنا دیا جائے؟

(ج) وفاقی شرعی عدالت اور دیگر عدالتوں کے دائرہ کار مختلف ہونے کا نتیجہ

دفعہ ۲۰۳G کے مطابق سپریم کورٹ سمیت کوئی بھی عدالت یا ٹریبونل یہ حق نہیں رکھتی کہ وہ کسی ایسے معاملے کی نسبت کاروائی پر غور کرے یا اپنے اختیارات یا اختیار سماعت استعمال کرے جو

وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار یا اختیار سماعت میں داخل ہو۔

پاکستانی عدالتوں نے اس دفعہ سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بینکوں کے قوانین پر کیے گئے اعتراضات کو رد کیا مثلاً منی چینجر ایکٹ کی شق "S-۱۵" ۔۔۔جس میں مارک اپ کے متعلق بات کی گئی ہے۔۔۔ کے خلاف اپیل کو رد کرتے ہوئے عدالتوں نے جو دلائل پیش کیے ان میں درج ذیل امور بھی شامل تھے:

(۱) مدعی کے لیے کہ مقدمہ وفاقی شرعی عدالت میں بھی لے جانا ممکن ہے۔(2001 CLC 158)

(۲) دستور کی دفعہ G۲۰۳ کے مطابق شرعی عدالت کے علاوہ کسی بھی عدالت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ پاکستانی قوانین اور شرعی احکامات کے مابین تعارض کا جائزہ لے۔(2001 MLD 577, 2001 YLR 38, MLD 1996, 2001YLR 1135)

حالانکہ جن عدالتوں نے مذکورہ دلیل کی بنیاد پر ان قوانین کا جائزہ لینے سے انکار کیا ان کا فرض بنتا تھا کہ بذات خود اس مقدمے کو شرعی عدالت کی طرف بھیجیں اور سودی معاملات کی اجازت دینے اور احکامات سے بھاگنے کے بجائے اپنے فیصلے کو شرعی عدالت کا فیصلہ آنے تک مؤخر کریں، کیونکہ یہ مقدمہ محض مدعی کے ذاتی مسئلے تک محدود نہیں تھا، بلکہ اس میں کرنسیوں کے تبادلے کی شرعی حیثیت سے متعلق ایک عمومی اور اصولی سوال اٹھایا گیا تھا۔

یہاں میں آپ کی توجہ سابق صفحات میں مذکور سندھ ہائی کورٹ کے اس فیصلے کی طرف بھی مبذول کرانا چاہوں گا جس میں جج نے یہ کہا تھا کہ عدالتوں کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی قانون کے شریعت سے موافق یا متصادم ہونے کا جائزہ لیں،(مقدمہ حبیب بینک لمیٹڈ بنام محمد حسین PLD 1987 Karachi 612) اسی طرح ۱۴ جنوری ۱۹۹۲ء کو صادر کردہ لاہور ہائی کورٹ کے تمام ججوں پر مشتمل پینل کا وہ فیصلہ بھی ذہن نشین رہے جہاں۔۔۔۔صدر مملکت کی طرف سے سزائے موت کے احکامات میں تبدیلی کے خلاف مقدمے کا فیصلہ سناتے ہوئے۔۔۔۔ یہ کہا گیا تھا کہ شرعی عدالت کے

ساتھ ساتھ تمام ہائی کورٹ بھی اپنے اپنے دائرہ اختیار میں پاکستانی قوانین و شریعت کے تعارض کا جائزہ لے سکتے ہیں۔

(۳) یہ دلیل بھی اختیار کی گئی کہ ماضی میں ہونے والے منی چینجنگ کے ان معاملات کا اب جائزہ لینا ممکن نہیں، کیونکہ عدالتی فیصلہ تو مستقبل کے لیئے موثر ہوتا ہے۔پس جو معاملات اس وقت وقوع پذیر ہوئے ہوں جب پاکستانی قانون میں انہیں جرم نہیں قرار دیا گیا تھا،ان پر عدالتی فیصلے اثر انداز نہیں ہوتے۔(2001 CLC 158)

ہم دوسرے باب کی دوسری فصل میں بھی بیان کر چکے ہیں کہ دستور پاکستان کا یہ اصول خلاف شریعت ہے اور اسی اصول کا شاطرانہ استعمال کرتے ہوئے پاکستان میں آج تک سودی معاملات کو برقرار رکھا گیا ہے۔

زیر بحث مقدمے میں بھی دو فریق جج کے سامنے حاضر ہیں جن میں سے ایک اپنے شرعی حق کا مطالبہ کر رہا ہے۔لیکن جج شرعی مخالفت کا ارتکاب کرنے والے فریق کے حق میں فیصلہ سناتا ہے اور یہ دلیل دیتا ہے کہ جب تک کسی شرعی مخالفت کو قانوناً جرم نہ قرار دے دیا جائے اس وقت تک اس کا ارتکاب جائز اور حلال ہوتا ہے۔اب خود ہی بتایئے کہ کیا اس جج کو "جہالت" کا عذر دیا جا سکتا ہے؟ کیا اسے نہیں پتہ کہ قرآن نے چودہ سو سال قبل ہی سود کو حرام قرار دے دیا تھا؟ کیا ایک جاہلی اصول کی تطبیق کے ذریعے شرعی مخالفتوں کو جواز بخشنے والے اس جج کو محض اس بنیاد پر معافی مل سکتی ہے کہ یہ کہتا ہے کہ پاکستان میں اقتدار اعلیٰ شریعت کو حاصل ہے؟

الغرض یہ بات بالکل واضح ہے کہ جہاں ایک طرف پاکستان کی تمام عدالتیں اس بات کا اقرار کرتی ہیں کہ سودی لین دین اصولاً خلاف شرع ہے، وہیں انہی سب عدالتوں نے مختلف حیلے بہانوں سے سودی لین دین کو عملاً جواز بخشا ہے اور سود کو باطل قرار دینے والے قوانین بھی معطل کر رکھے ہیں۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, with

(commentary, comments on article 203G. P; 354 & 355.

(د) دیگر عدالتوں کی نسبت وفاقی شرعی عدالت کی کم تر حیثیت

دفعہ ۲۰۳H کہتی ہے کہ کسی عدالت میں چلنے والی قانونی کاروائی کو اس بنیاد پر موخر یا معطل نہیں کیا جاسکتا کہ وہاں زیر بحث مقدمے کا تعلق کسی ایسے قانون سے ہے جس کی شرعی حیثیت کے حوالے سے شرعی عدالت میں بھی اعتراض اٹھایا گیا ہے۔ چنانچہ نہ صرف اس مقدمے کی سماعت قانون کے مطابق جاری رہے گی بلکہ رائج الوقت قانون ہی کی روشنی میں مقدمے کا فیصلہ بھی سنا دیا جائے گا۔

اسی طرح نہ تو شرعی عدالت اور نہ ہی سپریم کورٹ یہ اختیار رکھتی ہے کہ شرعی عدالت کے دائرہ کار میں شامل امور سے متعلق کوئی مقدمات اگر دیگر عدالتوں میں جاری ہوں تو ان کے حوالے سے کوئی ہدایات یا عبوری حکم صادر کر سکے۔

اصل عبارت یوں ہے:

Pending proceedings to continue, etc.

203H. (1) subject to clause (2) nothing in this Chapter shall be deemed require any proceedings pending in any court tribunal immediately before the commencement of this Chapter or initiated after such commencement to be adjourned or stayed by reason only of a petition having been made to the Court for a decision as whether or not a law or provision of law relevant to the decision of the point in issue in such proceeding is repugnant to the Injunctions of Islam; and all such proceedings shall continue, and the point in issue therein shall decided in accordance with the

law for the time being in force

----

(3) Nether the Court nor the Supreme Court shall in the exercise of its jurisdiction under this chapter have power to grant an injunction or make any interim order in relation to any proceedings pending in any other court or tribunal. [PART VII the judicature, CHAPTER 3A, FEDERAL SHARIAT COURT , Article 203 H]

یعنی خود پاکستانی دستور اس بات کا اقرار کر رہا ہے کہ پاکستان میں دو قسم کے عدالتی نظام قائم ہیں۔ ایک تو وہ اصلی اور غالب نظام ہے جو سیکولر ہے اور شرعی عدالت جس میں مداخلت کا حق نہیں رکھتی۔ دوسرا ایک تابع، کمزور اور کم تر نظام ہے جو شرعی عدالت کی صورت میں جاری ہے۔ گو کہ بظاہر یہ شرعی عدالت اس لیے تشکیل دی گئی تھی کہ پاکستانی قوانین کو شریعت کے موافق بنایا جائے، لیکن اس کی تشکیل کو پینتیس سال گزرنے کے باوجود بھی پاکستان میں غیر شرعی قوانین مسلسل بڑھتے اور پھیلتے چلے جا رہے ہیں۔

ایک جانب تو شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کو دیگر عدالتوں میں چلنے والے ایسے مقدمات میں مداخلت سے روکا گیا ہے جہاں شرعی عدالت کے دائرہ کار میں شامل امور زیر بحث ہوں، جبکہ دوسری جانب دستور کی دفعہ ۱۸۶الف سپریم کورٹ کو یہ اختیار دیتی ہے کہ اگر وہ مصلحت سمجھے تو انصاف کے تقاضے پورے کرنے کی خاطر کسی بھی ہائی کورٹ میں جاری مقدمے کو کسی دوسرے ہائی کورٹ میں منتقل کر سکتی ہے۔

اصل عبارت یوں ہے:

Power of Supreme Court to transfer cases

186A The Supreme Court may, if it considers it expedient to do so in the interest of Justice, transfer any case appeal or other proceedings pending before any Court to any other High Court [PART VII The Judicature CHAPTER 2 -THE SUPREME COURT OF PAKISTAN Article 186A]

یعنی اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کے مطابق سپریم کورٹ اگر مصلحت سمجھے تو ایک ہائی کورٹ میں جاری مقدمے کو دوسری ہائی کورٹ میں تو منتقل کر سکتی ہے، لیکن اسے اس بنیاد پر کسی مقدمے کی کاروائی رکوانے کا اختیار نہیں کہ مقدمہ ایک خلاف شرع قانون یا شرعاً متنازعہ قانون کے مطابق چل رہا ہے۔ اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ پاکستان کے عدالتی نظام میں وفاقی شرعی عدالت کو ایک کم تر و زیردست حیثیت حاصل ہے۔

ایک شبہہ اور اس کا جواب

اس اعتراض کے جواب میں کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر قوانین کے شرعاً متنازعہ ہونے کی بنیاد پر عدالتی کاروائیاں روکی جائیں تو پھر عدالتی نظام ہی معطل ہو کر رہ جائے گا اور لوگ اس چیز کو عدالتی کاروائیوں میں خلل ڈالنے کا ذریعہ بنالیں گے۔

اس شبہہ کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ:

اولاً: یہ اعتراض اس وقت کیوں نہیں کیا گیا جب پاکستانی دستور نے سپریم کورٹ کو یہ اختیار دیا کہ وہ مصلحت انصاف کے پیش نظر کسی ہائی کورٹ میں جاری مقدمے کو دوسری ہائی کورٹ میں بھیج سکتی ہے؟

ثانیاً: ریاست پاکستان کا اصل مسئلہ یہی ہے۔ شرعی عدالت کو اپنے ناقص و عاجز اختیارات کے ساتھ وجود میں آئے پینتیس سال گزر چکے ہیں۔ اگر پاکستانی حکام واقعتاً اسلامی قوانین کے نفاذ میں مخلص ہوتے تو اتنے عرصے میں وفاقی شرعی عدالت کی سفارشات کی بنیاد پر قوانین پاکستان پر نظر ثانی

اور ان کی تصحیح ہو چکی ہوتی۔ لیکن حکمران طبقہ تو یہی چاہتا ہے کہ وفاقی شرعی عدالت کو ایک غیر فعال نمائشی ادارہ بنا کر رکھیں جس کا واحد مقصد یہ ہو کہ اس عدالت کے وجود کو پاکستانی نظام کے اسلامی و شرعی ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا رہے۔

(ہ) بہت سے احکامات کو شرعی عدالت کی گرفت سے قانونی تحفظ حاصل ہے

گزشتہ صفحات میں ہم ان دستوری دفعات پر تفصیلاً بحث کر چکے ہیں جو بہت سے تصرفات، اوامر اور احکامات کو قانونی تحفظ فراہم کرتی ہیں۔ (باب دوم: فصل دوم: دوسرا تناقض) نیز صدر پاکستان کو سزائیں معاف کرنے کا جو اختیار حاصل ہے، (باب دوم: فصل دوم: تیسرا تناقض) اس پر بحث کے دوران بھی ہمارے سامنے ایسے بہت سے تصرفات، احکامات، قوانین، صدارتی فرامین اور قواعد و ضوابط کی مثالیں گزری ہیں جنہیں کسی بھی شرعی و غیر شرعی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ساری بحث قدرے تفصیل کے ساتھ پہلے گزر چکی ہے لہٰذا یہاں محض اس کی سمت اشارہ کرنے پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

خلاصہ کلام

وفاقی شرعی عدالت سے متعلق دفعات ۔۔۔ جن پر ہم گزشتہ سطور میں بحث کر چکے ہیں ۔۔۔ کا جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس عدالت کے اختیارات انتہائی محدود ہیں، یہ دیگر ملکی عدالتوں کی نسبت کم تر اور زیردست ہے اور یہ پاکستانی نظام کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کی قوت سے یکسر محروم ہے۔ اسی طرح اس کے ججوں کے لیے بھی اہلیت قضاء کی شرعی شروط مقرر نہیں کی گئیں، نہ ہی اس کا جج بننے کا حلف شریعت کے مطابق ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ دستور کے مطابق صدر پاکستان شرعی عدالتوں کے ججوں کے ساتھ ہر قسم کے کھیل تماشے کرنے کا مکمل اختیار رکھتا ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

ممکن ہے کوئی شخص یہ ساری بحث پڑھ کر کہے کہ آپ نے وفاقی شرعی عدالت کے حوالے سے جو کچھ کہا ۔۔۔ کہ یہ ادارہ پاکستانی نظام کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے سے قاصر و عاجز ہے اور ملک کے عدالتی نظام میں بھی اسے زیردست حیثیت حاصل ہے ۔۔۔۔۔ یہ سب باتیں ٹھیک ہیں، لیکن

یہ تو درست سمت کی جانب پہلا قدم ہے، پھر آپ کیوں اس پر اعتراض کرتے ہیں؟ اس شخص کو ہم جوابا کہیں گے کہ ہمیں اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کہ یہ ادارہ بعض قوانین کے خلاف شرع ہونے کی نشاندہی کرے۔ ہمیں تو اعتراض اس بات پر ہے کہ:

(۱) وفاقی شرعی عدالت کے وجود کو پاکستانی نظام کے اسلامی ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کیا جائے۔

(۲) اسے حجت بنا کر کہا جائے کہ پاکستان میں اسلامی انقلاب لانے کی تمام کوششیں نظام کے اندر رہ کر اور دستور و قانون کی پابندی کرتے ہوئے ہی کی جانی چاہیے ہیں۔

(۳) اسے ان لوگوں کے خلاف دلیل بنایا جائے جو اسلام سے باغی اس نظام کے خلاف زبان و عمل سے برسرِ پیکار ہیں۔

اس ساری بحث کو سمیٹتے ہوئے میں ایک مثال کے ذریعے اپنی بات کو سمجھانا چاہوں گا۔ پاکستان کی مثال ایک ایسے مریض کی سی ہے جسے سرطان جیسا موذی مرض لاحق ہو اور وہ مریض سخت تکلیف میں مبتلا ہو۔ ایسے میں ایک شخص اسے ڈسپرین کی گولی دے اور جب کوئی دوسرا شخص اس علاج پر اعتراض کرے تو پہلا شخص کہے کہ تم مجھ پر تنقید کیوں کر رہے ہو جبکہ میں مریض کی تکلیف کم کرنے ہی کے لیے کوشاں ہوں؟ تو دوسرا شخص اسے کہتا ہو کہ مجھے تمہارے ڈسپرین دینے پر اعتراض نہیں، بلکہ اعتراض اس بات پر ہے کہ تمہارے خیال میں ڈسپرین دینے سے اس کی تکلیف دور ہو جائے گی یا سرطان جیسا مہلک مرض ٹھیک ہو جائے گا؟ اور یہ ناقص فہم رکھتے ہوئے الٹا تم مجھے ہی برا بھلا کہہ رہے ہو حالانکہ میرا مطالبہ تو صرف اتنا ہے کہ اس موذی مرض کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے بغیر مسئلہ حل نہیں ہوگا اور یہ ٹھوس علاج بہر حال محنت اور جدوجہد مانگے گا۔

بس یہی فرق ہے ہمارے اور ان لوگوں کے موقف میں جو جزوی سی تبدیلیوں کے ذریعے پاکستانی نظام کا علاج کرنا چاہتے ہیں، جبکہ مہلک امراض اس نظام کی جڑوں تک اترے ہوئے ہیں۔

پانچویں فصل

دستور کا حصہ نہم، اسلامی احکام، دفعہ ۲۲۷ تا ۲۳۱

دستور کے حصہ نہم میں "اسلامی احکام" عنوان تلے کئی دفعات درج کی گئی ہیں جن پر ہم اس فصل میں تبصرہ کرنا چاہیں گے:

الف۔ دفعہ ۲۲۷

یہ اس حصے میں شامل اہم ترین دفعہ ہے جس میں درج ہے کہ:

"تمام موجودہ قوانین کو قرآن و سنت میں بیان کردہ اسلامی احکامات کے موافق بنایا جائے گا۔۔۔ اور کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جائے گا جو ان احکامات کے خلاف ہو"۔

اصل عبارت یہ ہے:

227 provisions relating to the Holy Quran and Sunnah

227.(1) All existing laws shall be brought in conformity with the injunction of Islam as laid down in the Holy Quran and Sunnah in this part referred to as the Injunctions of Islam and no law shall be enacted which is repugnant to such Injunctions

I[Explanation-in the application of this clause to the personal law of any Muslim sect the expression "Quran and Sunnah "shall mean the Quran and Sunnah as interpreted the sect]

(2) effect shall be given to the provisions of clause (1)only in the manner provided in this part .

(3)Nothing on this part shall affect the personal laws of non-Muslim citizens or status as citizen.[PART IX Islamic provisions Article 227]

اس دفعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے میں کہنا چاہوں گا کہ:

(۱) اس عبارت میں مستقبل کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، یعنی ایک وعدہ ہے۔۔۔۔ایک ایسا وعدہ جو اب تک وفا نہیں ہو سکا۔

۱۹۵۶ء کا دستور، جسے دوسری دستور ساز کمیٹی نے منظور کیا تھا، اس میں بھی ایک ایسی دفعہ وضع کی گئی تھی جو قرآن و سنت میں بیان کردہ اسلامی احکامات سے متصادم ہر قسم کی قانون سازی سے روکتی تھی۔ (دستور ۱۹۵۶ء، دفعہ ۱۹۳) پھر اسی دفعہ کے تقاضے پورے کرنے کی غرض سے ایک کمیشن تشکیل دیا گیا تھا جس کے ذمہ بعینہ اسی ذمہ داری کی انجام دہی تھی جو حالیہ دستور کی دفعہ ۱۲۷ بیان کرتی ہے۔ یعنی یہ کہ موجودہ قوانین کو شریعت کے موافق بنانا، اس کے لیے مراحل طے کرنا، پانچ سال کے اندر اندر دستور ساز کمیٹی کے سامنے اپنی سفارشات پیش کرنا اور پھر کمیٹی کا۔۔۔۔ان کے مطالعے و جائزے کے بعد۔۔۔۔۔ان کے مطابق قانون سازی کرنا۔(THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973 with commentary , preliminary ,1965 constitution P;31) لیکن سالہا سال بیت جانے کے باوجود بھی قوانین کو شریعت کے مطابق ڈھالنے اور خلاف شرع قوانین کے خاتمے کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔

اسی طرح ۱۹۴۹ء میں منظور ہونے والی قرارداد مقاصد، جو آئندہ تمام دساتیر کا دیباچہ قرار پائی، میں مذکور وعدے کا تذکرہ ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔ قرارداد مقاصد میں درج ہے کہ:

''مسلمانوں کو انفرادی، ذاتی اور اجتماعی طور پر اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی زندگی اسلامی تشریحات، تعلیمات اور ضروریات کے حسب منشاء، جس طرح قرآن کریم اور سنت محمدی ﷺ میں ان کا تعین کیا گیا ہے، ترتیب دے سکیں''۔

اسی طرح دفعہ ۳۱ ''اسلامی طرز زندگی'' میں کیا گیا وعدہ بھی گزر چکا جس میں درج ہے کہ:

''پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی اسلام کے اساسی اصولوں اور بنیادی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنانے کے لیے اور انہیں ایسی سہولتیں مہیا کرنے کے لیے اقدامات اٹھائے جائیں گے جن کی مدد سے وہ قرآن کریم اور سنت کی روشنی میں زندگی گزارنے کے اصل مفہوم سے روشناس ہو سکیں''۔

یہ دفعہ تقریباً اسی صورت میں ۱۹۵۶ء کے دستور میں بھی شامل تھی۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, with commentary preliminary constitution (P;30

اسی طرح دستور کی دفعہ ۳۸ میں یہ وعدہ کیا گیا کہ:

''عوام کی معاشی اور معاشرتی فلاح و بہبود کی خاطر جس قدر جلد ممکن ہو سود کو ختم کیا جائے گا''

یاد رہے کہ یہی عبارت ۱۹۵۶ء کے دستور میں بھی شامل تھی۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, with (commentary preliminary 1965, constitution p;31

تو گویا کہ ساٹھ سال سے ہمارے ساتھ بار بار وعدے کیے جا رہے ہیں جن میں سے ایک بھی اب تک پورا نہیں ہو سکا۔ بلکہ اگر زیادہ وضاحت سے کہنے کی اجازت ہو تو ساٹھ سال سے پاکستان کے مسلمانوں کو دھوکے میں رکھا گیا ہے اور ان کے جذبات اور دینی حمیت سے کھیلا جا رہا ہے۔ نیز یہ بھی ایک معلوم شدہ حقیقت ہے کہ جو شخص یہ کہے میں ایک ماہ بعد یا قریب ترین وقت میں اسلام قبول کر لوں گا، یا یوں کہے کہ میں ایک ہفتے بعد یا جونہی مجھے مناسب موقع ملا میں نماز پڑھنے لگوں گا۔۔۔۔تو ایسے شخص کو مسلمان یا نمازی نہیں سمجھا جائے گا۔ بالکل اسی طرح جو شخص یہ کہے کہ عنقریب میں شریعت کی حاکمیت قائم کر دوں گا، اسے اس وقت تک شریعت قائم کرنے والا اور اس کا تابع فرمان نہیں مانا جائے گا جب

تک وہ عملاً شریعت کی حاکمیت قائم نہ کرلے۔حق تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما﴾ [النسآء :٦٥]

''تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کردو اس سے اپنے دل میں تنگی محسوس نہ کریں بلکہ اسے خوشی سے مان لیں تب تک یہ مومن نہیں ہو سکتے''

(۲) اسی طرح میں سمجھتا ہوں کہ دستور لکھنے والوں نے انتہائی بدنیتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دفعہ ۲۲۷ میں صرف ''قوانین'' کا ذکر کیا ہے اور ''دستور'' کے حوالے سے ایک حرف بھی نہیں لکھا، حالانکہ خود دستور بھی خلاف شرع نصوص پر مشتمل ہے، جیسا کہ پاکستانی عدالتیں بھی بعض دستوری دفعات کے حوالے سے اس امر کا اقرار کرچکی ہیں۔ گویا دفعہ ۱۳۷ میں پائے جانے والے خلاف شرع امور پر گرفت نہیں کرسکتیں، حالانکہ پاکستانی قوانین میں پائے جانے والے شرعی انحرافات کی جڑ تو خود دستور ہے۔لہٰذا یہ دفعہ بھی دستور پاکستان میں موجود باقی جھوٹے وعدوں کی طرح کا ایک وعدہ ہے، خود دستور ہی جس کی گرفت سے مستثنیٰ ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس دستوری دفعہ کے ذریعے پاکستانی نظام اپنی موجودہ ہیئت سے بدل کر حاکمیت شریعت پر قائم ایک خالص اسلامی نظام بن جائے؟

ب۔اسلامی نظریاتی کونسل

اصل نام یہ ہے:(Council of Islamic Ideology)

اس فصل کی باقی دفعات (۲۲۸ تا ۲۳۱) میں اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل اور ذمہ داریوں پر بحث کی گئی ہے۔اس کونسل کے ارکان کا تعین صدر مملکت کرتا ہے۔دفعہ ۱۳۰ اس کونسل کی ذمہ داریوں پر بحث کرتی ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

اصل عبارت یوں ہے:

Functions of the Islamic Council

230 (1) The functions of the Islamic Council shall be –

(a) to make recommendations to Majlis-e- Shoora (parliament) and the provincial Assemblies as the ways and means of enabling and encouraging the Muslim of Pakistan to order their lives individually and collectively in all respects in accordance with the principles and concepts of Islam as enunciated the Holy Quran and Sunnah

(b) to advise a House a provincial assembly the president or a governor on any question

Referred to the Council as to whether proposed law is or is not repugnant to the Injunctions of Islam

(c)to make recommendations as the measures for bringing existing laws conformity with the Injunction of Islam and the stages by which such measures should be brought into effect and

(d) to compile in a suitable from for the guidance of Majlis-e-shoora (parliament)and the provincial Assemblies ,such Injunction of Islam can be given legislative effect

(2) when under Article 299 a question is referred by a House a provincial assembly , the president or a Governor to the council the council within fifteen days thereof ,inform

the House the Assembly the president or the Governor as the case may be of the period within which the council expects to be able to furnish that advice .

(3) where a House a provincial assembly the president or the Governor as the case may be considers that in the public interest the making of the proposed law in to which the question arose should not be postponed the advice of the Islamic Council is furnished the law may be made before the advice is furnished;

Provided that where a law is referred for advice to the Islamic Council and the council advices that the law is repugnant to the Injunctions of Islam the House or as case may be the provincial Assembly the president or the Governor shall reconsider the law as made

(4) The Islamic council shall submit its final report within seven years of its appointment and shall submit an annual interim report ,The report interim or final shall be laid for discussion before both Houses and each provincial Assembly within six and months of its receipt; and Majils-e-eShoora (parliament)and the assembly after considering the shall enact laws in respect therefore within

a period of two year of the final report.[PART IX Islamic provisions Article 230]

☆ یہ کونسل وفاقی اور صوبائی اسمبلیوں کے سامنے سفارشات پیش کرے گی جن میں ایسے ذرائع اور وسائل پیش کیے جائیں گے جو پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی اسلام کے اساسی اصولوں اور بنیادی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنائیں۔

یہ وہی وعدہ ہے جو دفعہ ۳۱ میں درج ہے، اسی سے مشابہ الفاظ میں یہ وعدہ ۱۹۵۶ء کے دستور میں بھی شامل تھا۔

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973 with commentary 1965 constitution P;30

☆ کونسل کی ذمہ داری ہے کہ جب کسی مجوزہ قانون کے اسلامی تعلیمات کے موافق یا مخالف ہونے کا سوال اس کے سامنے پیش کیا جائے تو کونسل وفاقی اسمبلی، صوبائی اسمبلی، صدر مملکت یا گورنر کو اس کے بارے میں مشورہ دے۔

☆ کونسل کی ذمہ داری ہے کہ تمام رائج الوقت قوانین کا جائزہ لے کر ایسے وسائل تجویز کرے جن کے ذریعے انہیں شریعت کے موافق بنایا جاسکے، اور وہ مراحل بھی مقرر کرے جن میں ان تجاویز پر عمل درآمد ممکن ہوسکے۔

☆ ایسی اسلامی تعلیمات جنہیں قوانین کی صورت میں نافذ کیا جاسکتا ہے، انہیں موزوں شکل میں پارلیمان اور صوبائی اسمبلیوں کی رہنمائی کے لیے پیش کرے۔

☆ کونسل اپنے آغاز کے بعد سات سال کے اندر اندر اپنی حتمی رپورٹ پیش کرنے کی پابند ہوگی، البتہ ساتھ ساتھ عبوری رپورٹ بھی سالانہ بنیادوں پر پیش کرے گی۔ پھر اس حتمی رپورٹ کے پیش کیے جانے کے بعد چھ ماہ کے اندر وفاقی اور صوبائی اسمبلیوں میں اس پر بحث کی جائے گی اور پھر دو سال کی مدت میں اس رپورٹ کے مجوزہ قوانین کو منظور کیا جائے گا۔

''آئندہ اور عنقریب'' کے اس حساب کے مطابق بھی ضروری تھا کہ ۱۹۸۱ء تک پاکستان میں اسلامی شریعت رائج ہو جاتی!

یہاں ہم اپنے معزز اور اصحاب فہم قارئین کے سامنے یہ بات بھی واضح کرتے چلیں کہ جو مسودہ دستور ۱۹۴۹ء میں پہلی دستور ساز کمیٹی نے تیار کیا تھا اس میں بھی یہ بات درج تھی کہ علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے گی تاکہ اسلامی نقطہ نظر سے قانون سازی کی جاسکے۔ ۱۹۵۶ء میں دوسری دستور ساز کمیٹی سے منظور شدہ دستور میں بھی ایک ایسی دفعہ رکھی گئی تھی جو قرآن وسنت سے متصادم قانون سازی سے روکتی تھی۔ (دفعہ ۱۹۳، دستور ۱۹۵۶ء) اور پھر اس مقصد کے حصول کے لیے بھی ایک کمیشن تشکیل دیا گیا تھا۔ ۱۹۶۲ء کے دستور میں علماء کی کمیٹی اور اس کمیشن کو 'اسلامی مشاورتی کونسل' اور 'ادارہ تحقیقات اسلامی' سے تبدیل کر دیا گیا۔ اور پھر حالیہ دستور میں اس کی جگہ ''اسلامی نظریاتی کونسل'' نے لے لی۔

(THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973 with commentary, comments on Article 228 P 385

نیز یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ ۱۹۵۶ء میں منظور شدہ دستور نے جو کمیشن تشکیل دیا تھا اس کی ذمہ داری بھی وہی تھی جو حالیہ دستور کی دفعہ ۱۲۷ میں مذکور ہے، یعنی یہ کہ کمیشن رائج الوقت قوانین کو شریعت کے مطابق ڈھالے گا، اس عمل کے مختلف مراحل طے کرے گا، پانچ سال کی مدت میں اسمبلی کو رپورٹ پیش کرے گا اور پھر اس کا جائزہ لینے کے بعد اسمبلی اس کے مطابق قوانین صادر کرے گی۔

(THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973 with commentary, preliminary;1965Constitution. p 31).

گویا ایک جانب تو ''اسلامی نظریاتی کونسل'' نامی ایک ایسا بے بس سا ادارہ ہے جو 'سفارش' و 'درخواست' کرنے سے زیادہ کچھ اختیار نہیں رکھتا؛ اور دوسری جانب پاکستان پر مسلط وہ مفسد سیاسی طبقہ ہے جو قیام پاکستان کے بعد سے آج تک جھوٹے وعدوں کی ایک اکتا دینے والی تکرار کرتا چلا آرہا ہے اور اس سرزمین کے مسلمانوں کے دینی جذبات سے کھیل کر آج تک کرسی پر قابض ہے۔ رہی بات نفاذ

شریعت کی، تو اس کے لئے پہلے ایک جھوٹے وعدے کا راگ الاپا جاتا ہے اور جب عوام اسے سن سن کر تھک جاتے ہیں تو انہیں کسی دوسرے خوشنما سراب کے پیچھے دوڑایا جاتا ہے ...... اور یہی سلسلہ مکر وفریب آج تک جاری ہے۔

یہاں مجھے ایک مشہور لطیفہ یاد آرہا ہے کہ ضیاء الحق کے دور میں مولانا بجلی گھر نے پشاور میں کہا تھا کہ: ''اگر شریعت کراچی سے تانگے میں بیٹھ کر آتی تو بھی کافی مدت پہلے ہم تک پہنچ چکی ہوتی''۔

ا۔ پاکستانی ریاست و دستور، تاریخ کے آئینے میں

برصغیر پاک وہند کے مسلمان بھی اسی المیہ سے دوچار ہوئے جس سے عصر حاضر میں دیگر بہت سے علاقوں کے مسلمانوں کو دوچار ہونا پڑا۔ ''المیہ'' سے میری مراد یہ ہے کہ قربانیاں تو ہر جگہ عامۃ المسلمین نے دیں، لیکن ان قربانیوں کے ثمرات کوئی اور لے اڑا۔ قربانیوں کے ایک طویل دور کے بعد جب بھی زمام اقتدار سنبھالنے کا مرحلہ آیا تو قیادت پر ایسے طبقات قابض ہو گئے جو امت کے عقائد، امنگوں اور خوابوں میں ان کے شریک نہ تھے۔ اس بدطینت طبقے نے امت کے ساتھ قدم قدم پر وعدہ خلافی کی اور امت کی قربانیوں سے صریح خیانت کی۔

سید احمد شہید رحمہ اللہ کی برپا کردہ تحریک مجاہدین کمزور پڑ جانے کے بعد شیخ الہند اور سید حسین احمد مدنی رحمہما اللہ نے ازسرنو برطانیہ کے خلاف جہادی تحریک کی بنیادیں ڈالیں، لیکن سلطنت عثمانیہ سے مدد کے حصول میں ناکامی اور سقوط خلافت کے سبب یہ تحریک بھی ناکامی سے دوچار ہوئی اور یہ دونوں حضرات مالٹا میں اسیر ہو گئے۔ پھر ایک مختصر وقفے کے بعد ہند کے مسلمانوں میں ایک عوامی تحریک اٹھی جس نے ہندوؤں (اور انگریزوں) کے ظلم وجبر سے خلاصی کے لئے ایک الگ، آزاد خطہ زمین کا مطالبہ کیا۔ لیکن دینی مزاج کی حامل اس عوامی تحریک آزادی میں کئی ایسے عناصر بھی شامل ہو گئے جو اپنے عقائد وافکار میں عامۃ المسلمین سے بہت مختلف تھے۔

ان عناصر میں انگریزی ثقافت کا تربیت یافتہ اور فرنگی تہذیب کا دلدادہ ایک طبقہ بھی شامل تھا۔ اس طبقے کی ذہنی مرعوبیت کے پیچھے بھی کئی عوامل کارفرما تھے:

(الف) مسلمانوں کی عسکری اور جہادی تحریکیں بظاہر ناکام ہو چکی تھیں، اور یہ تو انسانی فطرت ہے کہ وہ طاقت اور صاحب طاقت سے متاثر ہوتا ہے۔

(ب) اس طبقے کی پرورش مغربی نظام تعلیم کے تحت ہوئی تھی اور انسان اسی طرز زندگی کا خوگر ہوتا ہے جس پر اس کی تربیت ہوئی ہو۔

(ج) عالم اسلام سیاسی، اجتماعی اور علمی اعتبار سے شدید بگاڑ کا شکار تھا۔ ظلم و جبر اور خودغرضی عام ہو چکی تھی، اختیار و اقتدار زور زبردستی سے غصب کیا جاتا تھا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے فرائض مٹتے جا رہے تھے اور منافقت، مداہنت، چاپلوسی، بے جا طرف داری اور ناانصافی جیسے رذیل اوصاف پھیل چکے تھے۔ بہت سے علماء ایسی جامد تقلید اختیار کر چکے تھے کہ امراض ملت کی دوا ڈھونڈنے کے بجائے حالات سے لاتعلقی اختیار کر لینا ہی ان کا شیوہ بن گیا تھا۔

(د) یہ طبقہ مغرب، بالخصوص انگریز کی اس جھوٹی دعوت پر ایمان لے آیا تھا کہ وہ آزادی، انصاف، مساوات اور مظلوموں کی مدد و نصرت کے علمبردار ہیں......... حالانکہ اللہ گواہ ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں مغربی ممالک سے زیادہ ظلم و فساد پھیلانے والا کوئی نہیں گزرا۔ اس پر مستزاد یہ ہے کہ وہ اس بات کی بھی تصدیق کر بیٹھے کہ مغرب کی ظاہری ترقی دین سے دوری اور دین کو محض کلیسا تک محدود کرنے کی مرہون منت ہے۔

مغربی عقائد و افکار کا حامل یہ طبقہ امت کو بھی مغربی تہذیب کا دلدادہ بنانے کے لئے مستقل کوشاں رہا، لیکن اسے مشکل یہ درپیش تھی کہ ہند کے مسلمانوں کی تحریک آزادی ایک خاص وصف کی حامل تھی جو اسے عالم اسلام میں برپا ہونے والی بہت سی دیگر تحاریک ہائے آزادی سے ممتاز کرتا ہے۔ اس تحریک کا تو بنیادی نعرہ ہی یہ تھا کہ ایک ایسی اسلامی سلطنت قائم کی جائے جو مسلمانوں کی حرمات کی محافظ اور ان کے حقوق کی نگہبان ثابت ہو۔ پس مسلمانان ہند کے اس عمومی دینی مزاج

کو دیکھتے ہوئے یہ مغرب نواز طبقہ اپنے سیکولر عقائد اور مغربی تہذیب سے اپنی محبت و قربت چھپانے پر مجبور ہوا تا کہ مسلمانوں کی صفوں میں اس کے لئے کچھ جگہ بن سکے۔ یہی نہیں، بلکہ اس طبقے نے مسلمانوں میں مقبولیت حاصل کرنے کے لئے ان کے جذبات سے کھیلا اور طرح طرح کے خوشنما وعدے کر کے انہیں اپنے پیچھے چلایا، کبھی ایک سراب کی سمت دوڑایا اور کبھی دوسرے کی سمت، اور عملاً کتاب و سنت کی حکمرانی قائم کرنے کی بجائے ہمیشہ مستقبل کے عہد و پیماں باندھے۔

چنانچہ یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ دستور پاکستان اور ریاست پاکستان کا وجود میں آنا بھی اسی کھیل تماشے کا تسلسل ہے، جس کی دلیل طلب کرنے کی بجائے پاکستان کی ساٹھ سالہ تاریخ پر نگاہ ڈال لینی چاہئے کہ پاکستان کہاں سے چلا تھا اور کن کن مراحل سے گرتا ہوا آج کہاں آن کھڑا ہے....... بلکہ یوں کہنا بہتر ہوگا کہ.... کس گڑھے میں جا گرا ہے؟ آج پاکستان کی حیثیت امریکی فوج اور امریکی خفیہ ایجنسیوں کے لئے خدمات مہیا کرنے والی ایک کمپنی کی سی ہے۔ اس ملک کے قائدین اور سیاستدانوں کی باگ دوڑ کا کل مقصود یہ ہے کہ کسی طرح اپنے آپ کو ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کے نام پر لڑی جانے والی امریکہ و مغرب کی اسلام دشمن صلیبی مہم میں باقیوں سے بڑھ کر امریکہ کا وفادار ثابت کر پائیں۔ امریکہ کی رضا کی خاطر آج دین و عقیدے اور نظریہ پاکستان سمیت ہر شے قربان کی جا چکی ہے۔

پاکستان بننے کے بعد سے اس حکمران طبقے نے نہ صرف نفاذ اسلام کے جھوٹے وعدوں پر مشتمل ایک مغربی طرز کا دستور تشکیل دیا ہے، بلکہ اس دستور میں مرحلہ وار ایسی عبارتیں بھی شامل کروائی ہیں جو ان کی بے راہ روی اور فساد کو تحفظ دے سکیں۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ''رشوت'' پاکستان کے سیاسی معاملات میں ایک اہم ترین عامل بن چکی ہے۔ جب بھی کوئی نیا حکمران آتا ہے، تو ارکان پارلیمان اور سیاستدانوں کو مٹھی میں لینے کے لئے امت کا مال رشوت کے طور پر بے دردی سے لٹاتا ہے۔ پھر انہی عوامی نمائندوں سے ایسی دستوری ترامیم منظور کرواتا ہے جو اسے ہر قسم کی جواب دہی اور محاسبے سے تحفظ فراہم کرتی ہیں۔

گزشتہ برسوں میں ساری دنیا نے ہی پاکستانی سیاسی اکھاڑے کے تماشے دیکھے کہ کس طرح پرویز مشرف نے فوجی انقلاب کے ذریعے حکومت پر قبضہ کیا اور اس بات کا دعویٰ کیا کہ جلد ہی ملک کو رشوت، فساد اور بدعنوانی سے پاک کر کے ملکی خزانے سے لوٹا ہوا مال سیاستدانوں سے واپس لے گا۔ لیکن چند ہی سال بعد اس نے ایسے لوگوں کے ساتھ سیاسی معاہدے کر لئے جنہیں وہ خود کل تک 'چور' کہتا تھا اور پاکستان و یورپ میں ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرتا پھرتا تھا۔ ان میں سرفہرست بے نظیر بھٹو اور آصف زرداری تھے۔ زرداری کو پرویز ہی نے جیل سے رہا کیا اور اس عام معافی پر اعتراض کے جرم میں چیف جسٹس افتخار چوہدری کو معزول کر دیا۔ پھر دنیا کو یہ تماشہ بھی دیکھنے کو ملا کہ چوروں کا سردار ......کل کا ''مسٹر ٹین پرسنٹ''.........امریکہ کو راضی کر کے صدر پاکستان بن گیا، جبکہ اس بدنام زمانہ چور کی رہائی پر معترض ہونے والا چیف جسٹس معزول ہی رہا۔ البتہ امریکی رضا کے حصول کے لئے زرداری کو یہ عہد و پیمان پیشگی کرنے پڑے کہ وہ امریکہ کی اسلام مخالف جنگ میں اس کے ساتھ ہر ممکن تعاون کرے گا۔ ان چند مثالوں ہی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پاکستان میں قائم فاسد ریاستی نظام ہر قانون سے بالاتر ہے......شرعی قانون تو دور کی بات، یہ نظام ملک میں رائج خودساختہ (وضعی) قوانین کی گرفت سے بھی آزاد ہے۔

۲۔ کتاب پر اٹھنے والے ممکنہ شبہات اور ان کا جواب

زیر نظر کتاب پر دو بنیادی اشکالات پیش کئے جا سکتے ہیں:

(۱) پاکستان کے آئینی و جمہوری نظام کے خلاف بغاوت دراصل عوام کی حکمرانی کے خلاف بغاوت ہے اور اس کی آڑ میں استبدادی نظام کے غلبے اور فرد واحد کی حکمرانی کی سمت دعوت دینا مقصود ہے ......اور درحقیقت یہ دین کے نام پر لوگوں کی قسمت، حقوق، اموال اور حرمات پر تسلط کی ایک مذموم کوشش ہے۔

(۲) صاحب کتاب کا مؤقف ہے کہ پاکستان کے قانون و دستوری نظام میں اصولی اور مہلک خرابیاں پائی جاتی ہیں، لیکن پاکستان کی بہت سی دینی تحریکوں کے قائدین اور داعیان دین اس

رائے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک پاکستانی نظام اصولی اعتبار سے بالکل ٹھیک ہے اور تمام تر بگاڑ نظام پر قابض حکمران طبقے کا پیدا کردہ ہے۔ یہ لوگ پاکستان کے حالات سے زیادہ آگاہ ہیں اور اصلاح احوال کے طریقہ کار کو زیادہ بہتر طور پر جانتے ہیں.....تو پھر مصنف ان سب حضرات کی رائے کو وزن کیوں نہیں دیتے اور اسے کیوں نہیں اپناتے؟ خصوصاً جبکہ پاکستانی نظام کو غیر شرعی قرار دینے کے نتیجے میں تشدد، تصادم اور فتنوں کی آگ بھڑک اٹھنے کا امکان ہے جس سے تباہی و بربادی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

شبہات کا جواب

(۱) پہلے شبہے کا جواب یہ ہے کہ ہم دین کے نام پر استبدادی نظام کے غلبے اور فرد واحد کی حکمرانی کی دعوت نہیں دے رہے، بلکہ اسے بھی فساد کی ایک شکل اور خلاف اسلام سمجھتے ہیں۔ ہم تو امت کو شوریٰ اور عدل وانصاف کے سنہرے شرعی اصولوں کی طرف دعوت دیتے ہیں اور تقویٰ و عمل صالح کے علاوہ کسی بنیاد پر انسانوں میں تفریق کے قائل نہیں۔ ہماری دعوت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف دعوت ہے۔ ہماری تو خواہش ہے کہ حاکم و محکوم، ادنیٰ و اعلیٰ، قوی و کمزور، سب بلاتمیز وتفریق شریعت کے سامنے جھک جائیں، امت اپنے حکمران خود شرعی طریقہ کار کے مطابق چنے اور پھر ان کا محاسبہ بھی اسی انداز میں کرے جیسا کہ خلافت راشدہ کے سنہری دور میں ہوا کرتا تھا۔

البتہ ہمیں اندیشہ اس بات کا تھا کہ پاکستان کا حکمران طبقہ ہماری اس پاکیزہ دعوت کو قبول کرنے کے بجائے حاکمیت شریعت، اسلامی اخوت اور خلافت راشدہ کے احیاء کی کوششوں میں روڑے اٹکائے گا اور قومی عصبیت، ہوائے نفس کی حاکمیت اور وطنی ریاست کی بقاء پر اصرار کرے گا.......اور آج ہم اسی بات کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔

(۲) دوسرے شبہے کا جواب یہ ہے کہ:

(الف) اس کتاب میں کوئی ذاتی رائے نہیں پیش کی گئی بلکہ دستور پاکستان اور پاکستانی عدالتوں کے فیصلوں ہی سے اس نظام کا اصولی اعتبار سے ایک منحرف و فاسد نظام ہونا ثابت کیا گیا ہے

اور بہت سی مثالوں کے ذریعے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ پاکستانی دستور وقانون میں شرعی احکامات سے متصادم بہت سا مواد پایا جاتا ہے۔

(ب) کتاب میں بیان کردہ موقف کا سب سے بڑا ثبوت خود پاکستان کی عملی صورت حال ہے۔ ایک فاسد دستوری وقانونی نظام پر قائم یہ ریاست اپنے قیام کے ساٹھ سال گزرنے کے بعد بھی بد سے بدتر کی طرف گامزن ہے۔ خائن ملت فوجی اور سیاسی قائدین یکے بعد دیگرے اسی بہانے کے ساتھ اقتدار پر قابض ہوتے رہے ہیں کہ وہ ملکی سیاست سے بدعنوانی ورشوت ستانی کا خاتمہ کرنے کے لئے اٹھے ہیں۔ لیکن اقتدار سنبھالنے کے بعد ہر بار وہی مکروہ کھیل دہرایا جاتا ہے.....یعنی پہلے سرکاری خزانے سے بھاری رشوتیں دے دے کر سیاست دانوں کی وفاداریاں خریدی جاتی ہیں اور پھر ارکان پارلیمان کی غالب اکثریت کو اپنے ساتھ ملا کر ایک نئی آئینی ترمیم منظور کی جاتی ہے جس کے ذریعے حکمرانوں اوران کے حاشیہ نشینوں کو ہر قسم کی عدالتی کاروائی اور جوابدہی سے تحفظ حاصل ہو جاتا ہے۔ یوں لوٹ مار اور فساد و بگاڑ کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، جس کے خاتمے کے لئے جلد ہی کوئی دوسرا نجات دہندہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

اس سب لوٹ مار کا منطقی نتیجہ یہی نکلا ہے کہ پاکستان اب ایک کرائے کا نوکر بن کر رہ گیا ہے۔ جہاں سے بھی زیادہ پیسے ملیں، ریاست پاکستان اسی کو اپنی خدمات پیش کرتی ہے۔ چنانچہ آج پاکستان صلیبی لشکروں کا خادم بن کر اپنے مسلمان پڑوسیوں کو، بلکہ اپنے آپ کو بھی تباہ کار رہا ہے...اور اس سب کے عوض حکمران طبقے کی جیبیں رشوتوں سے بھر رہی ہیں۔ اب خود ہی بتائیے کہ کیا ان سب حقائق سے انکار کرنا ممکن ہے؟ کیا ان میں کسی شک وشبہے کی گنجائش موجود ہے؟ کیا پاکستان اسلام کے خلاف جنگ میں مصروف نہیں؟ کیا پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں مساجد ومدارس کو طلباء وطالبات سمیت ملیا میٹ نہیں کیا گیا؟

(ج) اگر ہم یہ تسلیم کر بھی لیں کہ تمام تر بگاڑ وفساد کا سبب محض حکومت پر قابض حکمران طبقہ ہے، تو بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے حکمرانوں کے خلاف خروج کرنے والوں

کی مدد نہیں کی تھی، حالانکہ وہ حکمران ان پاکستانی حکمرانوں سے ہزار گنا بہتر تھے؟ کیا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے امام زید بن علی رحمہ اللہ اور پھر محمد نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم رحمہم اللہ کی مالی امداد نہیں کی تھی؟ خروج کی یہ تحریکیں تو ایسے حکمرانوں کے خلاف تھیں جو جہاد بھی کرتے تھے، نماز بھی قائم کرتے تھے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر بھی عامل تھے، شریعت کی حاکمیت اور شرعی نظام قضاء بھی قائم کر رکھا تھا۔ ان کا قصور تو صرف یہ تھا کہ انہوں نے اختیارات پر ناجائز طور پہ قبضہ کر رکھا تھا اور لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے تھے.....لیکن اس کے باوجود بھی امام صاحب رحمہ اللہ نے ان کی تائید ونصرت کی۔

پس اگر آپ کلی طور پر ہماری موافقت نہ بھی کریں، تو اتنا تو کر ہی سکتے ہیں کہ جرأت ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمارے فقہی موقف کی درستی تسلیم کریں اور ان ظالم وفاجر لوگوں کی صفوں میں شامل ہونے سے انکار کردیں جو دشمنان دین کے ساتھی بن کر ہمارے مقابل کھڑے ہیں۔ آپ کو تو اللہ تعالی نے صادقین سے جا ملنے کا حکم دیا ہے، اہل حق کا ساتھی بن کر باطل پرستوں سے بھڑ جانے، نیکی کا حکم دینے، برائی سے روکنے اور لوگوں کو اسی کی طرف دعوت دینے کی ہدایت کی ہے۔ پس قبائل میں برسرِ پیکار مجاہدین کی حمایت کرنا آپ کا شرعی فریضہ ہے۔ آخر یہی تو وہ فی سبیل اللہ مجاہدین ہیں جو نہ صرف امریکہ اور عالمی صلیبی طاقتوں کے مدمقابل ڈٹے ہوئے ہیں، بلکہ اس صلیبی اتحاد کے اساسی رکن..... پاکستان........کی فوج کے مظالم بھی ثابت قدمی سے برداشت کر رہے ہیں۔ لہٰذا ان حالات میں شریعت کا کم سے کم تقاضا بھی یہ ہے کہ امریکہ کی وفادار اور اسلام سے غدار حکومتوں کے خلاف خروج کرنے والوں کی مخالفت نہ کی جائے۔

یہاں ہم آپ کو ایک مرتبہ پھر امام ابوبکر الجصاص الحنفی رحمہ اللہ کا وہ قول یاد دلاتے ہیں جس میں آپ حکمرانوں کو منکرات سے بزور روکنے پر اعتراض کرنے والوں پر نقد کرتے ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں:

"فانهم أنكروا قتال الفئة الباغية والأمر بالمعروف والنهى عن المنكر بالسلاح، وسموا الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر فتنة اذا احتيج فيه الى حمل

السلاح وقتال الفئة الباغية ، مع ما قد سمعوا فيه من قول الله تعالى : ﴿فقاتلوا التى تبغى حتى تفىء الى أمر الله﴾ وما يقتضيه اللفظ من وجوب قتالها بالسيف وغيره .

وزعموا مع ذلک أن السلطان لا ينكر عليه الظلم والجور وقتل النفس التى حرم الله ، وانما ينكر على غير السلطان بالقول أو باليد بغير سلاح ، فصاروا شرًّا على الأمة من أعدائها المخالفين لها ؛ لأنهم أقعدوا الناس عن قتال الفئة الباغية وعن الانكار على السلطان الظلم والجور .

حتى أدّى ذلک الى تغلب الفجار بل المجوس وأعداء الاسلام ، حتى ذهبت الثغور ، وشاع الظلم ، وخربت البلاد ، وذهب الدين والدنيا ، وظهرت الزندقة والغلو ومذاهب الثنوية والخرّميّة والمزدكية ، والذى جلب ذلک كله عليهم ترک الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر والانكار على السلطان الجائر ، والله المستعان" .

''ان لوگوں نے باغیوں سے قتال اور مسلح قوت کے ذریعے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کو غلط کہا ہے۔ان لوگوں کے نزدیک اگر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی خاطر ضرورت پڑنے پر بھی ہتھیار اٹھائے جائیں تو یہ فتنہ ہوگا۔اسی طرح یہ لوگ باغی گروہ کے خلاف قتال کو بھی فتنے سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مبارک بھی سن چکے ہیں: ﴿پس بغاوت کرنے والے گروہ سے قتال کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے﴾۔

یہ آیت صراحت کے ساتھ تلوار اور دیگر ذرائع سے قتال کرنے کو واجب قرار دے رہی ہے۔

اسی طرح ان کا مؤقف ہے کہ حاکم اگر ظلم وجبر کرے اور لوگوں کو ناحق قتل کرے، تب بھی اسے ٹوکنا درست نہیں۔البتہ حاکم کے سوا دیگر لوگوں کو زبان اور ہاتھ سے روکا جائے گا، لیکن ان کے خلاف بھی یہ تلوار اٹھانے کے قائل نہیں۔پس یہ لوگ اس امت کے حق میں اس کے کھلے دشمنوں سے بھی زیادہ مہلک ثابت ہوئے ہیں، کیونکہ انہوں نے امت کو باغ گروہ کے خلاف قتال اور بادشاہوں کے ظلم

وجبر پر انکار سے روک دیا ہے۔

ان کے اس باطل مؤقف کے نتیجے میں فساق وفجار غالب آئے، مجوس اور دیگر دشمنان اسلام کے تسلط کی راہ ہموار ہوئی، اسلامی سرحدات پامال ہوئیں، ظلم پھیل گیا، بستیاں برباد ہوئیں، دین ودنیا لٹ گئے اور زندقہ، غلو اور مذاہب ثنویہ، خرمیہ اور مزدکیہ پروان چڑھے۔مسلمانوں پر یہ تمام مصائب مسلط ہونے کا سبب یہی تھا کہ وہ امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ظالم بادشاہ کو ظلم سے روکنا چھوڑ بیٹھے، واللہ المستعان''۔

(أحكام القرآن للجصاص ، سورة آل عمران ، باب فرض الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر ۳/۴۶۷، ۴۶۸) .

۳۔برصغیر میں غلبہ اسلام کے لئے مطلوب چند عملی اقدامات

خطے کے حالات پر نگاہ ڈالنے سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ وقت اب زیادہ دور نہیں جب جنوبی ایشیاء میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص اسلام کو غلبہ نصیب ہو۔چنانچہ ہم کتاب کے اختتام پر یہ کوشش کریں گے کہ اس منزل کو قریب لانے کے لئے چند عملی تجاویز قارئین کی نذر کرتے چلیں:

(الف) صحیح آگہی پیدا کرنا

صحیح آگہی پیدا کرنے سے یہاں دو باتیں مقصود ہیں:

اولاً، یہ کہ پاکستان میں بسنے والا ہر مسلمان اپنے گردوپیش کے حالات کا درست فہم حاصل کرے اور گہرائی تک اتر کر معاملات کو ان کی اصل صورت میں دیکھنے کی کوشش کرے۔

پاکستان کے ہر مسلمان کو یہ بات بخوبی سمجھ لینی چاہئے کہ یہ سرزمین اور اس کے مسلمان باسی آج ایک جدید صلیبی صہیونی جنگ کی زد میں ہیں، جو کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک عالمگیر صلیبی صہیونی مہم کا حصہ ہے۔انہیں یہ بات بھی جان لینی چاہئے کہ جس ریاست کو ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' کہا جاتا ہے وہ کسی طور بھی اسلامی نہیں ہے، نہ تو اپنی نظریاتی اساس (یعنی دستور) کے اعتبار سے اور نہ ہی اپنے عملی تصرفات کے اعتبار سے۔

زیرِ نظر کتاب میں یہی کوشش کی گئی ہے کہ اختصار کے ساتھ پاکستان کے بنیادی دستوری وقانونی ڈھانچے کا بغار واضح کیا جائے گا تا کہ اس شبہے کی گنجائش باقی نہ رہے کہ ''پاکستان کا نظام بنیادی طور پر صحیح اصولوں پر قائم ہے، لیکن سارے بگاڑ کا سبب وہ حکمران طبقہ ہے جوان اصولوں سے بغاوت کرتا ہے''۔

لہذا پاکستان میں اسلام کو غالب دیکھنے کے خواہش مند ہر فرد کو جان لینا چاہئے کہ ریاست پاکستان دوہرے بگاڑ پر قائم ہے........اصولی اعتبار سے بھی یہاں بگاڑ ہےاور عملی لحاظ سے بھی بگاڑ!

یہ حقیقت تسلیم کرنے کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ بھی مانا جائے کہ انتخابات اور مروجہ سیاسی ذرائع کے ذریعے قیادت بدلنے سے پاکستان میں اصلاح ممکن نہیں۔ پہلے تو اس اساس کو ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے جس پر ریاست پاکستان قائم ہے کیونکہ وہی اسلام سے متصادم ہے۔

لہذا سب سے پہلے تو یہ دعوت لے کر اٹھنے کی ضرورت ہے کہ پاکستان اور دیگر تمام اسلامی سرزمینوں پر تنہا شریعت ہی کی حاکمیت قائم کی جائے اور یہ حاکمیت نا قابل تغیر وتبدل اور نا قابل نسخ وابطال ہو۔ اس حاکمیت کو عوامی منظوری کی حاجت ہ ہو، بلکہ یہ اکثریت کی پسند وناپسند اور ہر دستور وقانون سے بالاتر ہو۔ ہر وہ قانون اور فیصلہ جو اس سے متصادم ہو بالاصل باطل تصور کیا جائے۔ پھر اس حاکمیت اعلیٰ کو نظام سلطنت میں ایسے غیر متنازعہ اصول کی حیثیت حاصل ہو جس میں کسی قسم کی ترمیم ممکن نہ ہو، بلکہ یہ اصول نظام سلطنت کے تمام شعبہ جات پر حاوی اور ہر قانونی ودستوری شق پر غالب ہو۔ حاکمیت شریعت کے اس الٰہی اصول کو یہ اعلیٰ وارفع حیثیت دینے کے لئے کیا عملی اقدامات کرنا مناسب ہے......اس کے لئے علمائے شریعت اور داعیان دین سے رہنمائی لینی چاہئے۔

اسی طرح مسلمانان پاکستان کو یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اسلام کا عملی نفاذ لادین ،سیکولر اور حدود شرع سے آزاد لوگ کبھی نہیں کر سکتے۔ یہ فریضہ تو انہی لوگوں کے ہاتھوں انجام پا سکتا ہے جو حقیقتاً اسلام ، صالحیت ، امانت اور تقویٰ کی صفات سے متصف ہوں۔ اللہ کے دین کا نفاذ تو ایک عبادت اور بھاری امانت ہے جس کی ادائیگی صرف ایسے افراد ہی کر سکتے ہیں جو مخلص اور متبع شرع ہوں۔

وہ جج حضرات جن کی تقرری کے لئے نہ تو اسلام شرط ہے ، نہ ہی اتباع شریعت اور جو واضح طور پر انتشاری فکری کا شکار ہیں........بھلا انہیں پاکستان میں شریعت نافذ کرنے کی ذمہ داری کیسے سونپی جا سکتی ہے؟

اس مسئلے کی پیش بندی کے لئے ضروری ہے کہ دینی وشرعی علوم پڑھانے والے اداروں ،مدارس میں ابھی سے ایسا نصاب تشکیل دیا جائے جس سے فارغ التحصیل ہونے والے علمائے کرام قاضی ، وکیل اور اسلامی قوانین کے ماہرین بن کر شرعی قضاء، شرعی وکالت، تفتیش وافتا اور قضا سے متعلق دیگر اہم خدمات سرانجام دے سکیں۔

پھر ہر صاحب بصیرت یہاں یہ سوال بھی اٹھائے گا کہ کیا یہ سب کچھ بہت بنیادی تبدیلی اور نہایت انقلابی قدامات اٹھائے بغیر بھی ممکن ہے؟

تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی انسانی معاشروں اور اقوام میں بگاڑ جڑوں تک سرائیت کر جائے اور علاقوں کے طول وعرض میں فساد پھیل جائے تو بالعموم کسی بہت بڑی انقلابی تحریک کے بغیر اصلاح احوال مشکل ہوتا ہے۔ ایسے میں کیا یہ کوئی ممکن امر نظر آتا ہے کہ عالمی صلیبی طاقتیں اور ان کا ہراول دستہ........یعنی پاکستانی سیاستدان اور فوجی افسران پر مشتمل خائن ومفسد ٹولہ........آسانی کے ساتھ پاکستان پر سے اپنی گرفت چھوڑ دیں گے اور انہیں ہٹانے کے لئے کسی زوردار مزاحمت اور قوی مقاومت کی ضرورت نہیں پڑے گی؟

ثانیاً، یہ کہ شعور آگاہی معاشرے میں عام کی جائے تا کہ مطلوبہ تبدیلی لانے کے لئے ایک عوامی تحریک وجود میں آئے جو درست بنیادوں (یعنی شریعت کے عمیق علم اور حالات کے درست فہم) پر کھڑی ہو اور بہت سی دیگر تحریکوں کی طرح کانفرنسوں کے سرابوں میں اور سیاست کی دہلیزوں پر خاک نہ چھانتی پھرے۔

(ب) صلیبی یلغار کے مقابل ڈٹی جہادی تحریکوں کی معاونت

آج ہر اس جہادی تحریک کا ساتھ دینا لازم ہے جو عالم اسلام کے خلاف لڑی جانے والی

حالیہ صلیبی جنگ، بالخصوص پاکستان وافغانستان پر امریکی صلیبی یلغار کے بالمقابل کھڑی، دفاع دین وملت میں مصروف ہے۔ ان تحریکات کا ساتھ دینا دو وجوہات سے لازم ہے:

اولاً، یہ کہ افغانستان و پاکستان سے صلیبی حملہ آوروں کو نکالنا ہر پاکستانی پر فرض عین ہے۔ یہ شریعت کا ایک واضح حکم ہے جس کی نشر واشاعت، وضاحت اور تلقین نہایت اہم ہے۔ ۸۰ء کی دہائی میں بہت سے پاکستانی علماء نے یہ فتویٰ صادر کیا تھا کہ تمام اہل پاکستان وافغانستان پر جہاد افغانستان میں شمولیت فرض عین ہے اور بوقت ضرورت فرضت کا یہ دائرہ وسیع ہو کر پوری امت کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ اگر کل روس کے آنے پر یہ جہاد فرض عین تھا تو آج صلیبی امریکیوں کے میدان میں اترنے پر حکم کیسے فرق ہو سکتا ہے؟ بالخصوص جب کہ اس جنگ کا دائرہ روس سے بھی زیادہ وسیع ہے۔ وہ تو صرف افغانستان پر قابض ہوئے تھے جبکہ انہوں نے پاکستان میں بھی اپنے بڑے بڑے اڈے قائم کر لئے ہیں۔

ثانیاً، یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ آج پاکستان میں عملاً امریکہ ہی کی حکومت اور اسی کا نفوذ وغلبہ ہے، اور یہ امریکہ ہی ہے جس کے حکم پر اس سرزمین سے اٹھنے والی ہر دینی تحریک کو کچلا جاتا ہے۔ لہذا جب تک امریکہ کو پاکستان وافغانستان سے نابود ہو کر کے پاکستان کو امریکی غلامی سے آزاد نہیں کروایا جاتا، یہاں اصلاح احوال ناممکن ہے۔

(ج) نفاذ شریعت کی کوششوں کی تقویت

صدق وامانت کی صفات سے متصف ہر اس صالح گروہ اور جماعت کو ہر ممکن طریقے سے مضبوط کیا جائے جو اپنے علاقوں میں نفاذ شریعت کے لئے کوشاں ہو۔ ایسے گروہوں کی بھرپور مدد کی جائے تا کہ ان کا اثر ورسوخ چہار اطراف پھیل سکے اور وہ اپنے خلاف مسلط کی گئی تباہ کن جنگوں کا جم کر مقابلہ کر سکیں۔

(د) تمام شعبہ ہائے دین کی دعوت اور عوام کی دینی تربیت کا اہتمام

دعوت دین کے تمام پہلو اجاگر کئے جائیں اور عوام کی تربیت اس نہج پر کی جائے کہ وہ

عقائد، سلوک اور سیاست میں در آنے والے بگاڑ سے دامن چھڑا کر اپنے آپ کو شرعی آداب واخلاق اور اسلامی عقائد واحکام سے مزین کریں۔ نیز ہر مسلمان کے سامنے یہ بات واضح کی جائے کہ موجودہ کشمکش میں اپنی طاقت ووسعت کے مطابق حصہ لینا اور اپنے حصہ کی ذمہ داری ادا کرنا ایک مؤکد فرض ہے۔ بالخصوص داعیان دین میں یہ احساس بیدار کیا جائے کہ خائنین ملت اور مفسدین فی الارض کے پھیلائے ہوئے فساد وبگاڑ اور ظلم وانحراف کے خلاف ڈٹ کر کھڑا ہونا ان کا فرض منصبی ہے۔ پھر یہ انہی داعیان دین کی ذمہ داری ہے کہ وہ عامۃ المسلمین میں بھی مزاحمت کی یہی روح بیدار کریں اور انہیں سمجھائیں کہ ان کا یہ عمل افضل ترین جہاد کے زمرے میں داخل ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے؟

"افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر".

"افضل ترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے"۔

(تفسير ابن كثير، المائدة الآيات ۷۸ الى ۸۱، ۸۵/۲. المستدرك على الصحيحين، كتاب الفتن والملاحم، حديث رقم ۸۵۴۳، ۵۵۱/۴. مجمع الزوائد، باب الكلام بالحق عند الحكام ۲۷۲/۷. سنن أبى داؤد، كتاب الملاحم، باب الأمر والنهى، حديث رقم: ۴۳۴۴، ۱۲۴/۴. سنن ابن ماجة، كتاب الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر، حديث رقم: ۴۰۱۱ و ۴۰۱۲، ۱۳۲۹/۲، ۱۳۳۰. مسند أحمد، مسند أبى سعيد الخدرى، حديث رقم: ۷۵۲، ۳۳۱/۲. مسند أبى يعلى، مسند أبى سعيد الخدرى، حديث رقم: ۱۱۰۱، ۳۵۲/۲، ۳۵۳. مسند ابن الجعد، حماد بن سلمة، حديث رقم: ۳۳۲۶، ۴۸۰/۱. مسند عبد بن حميد، من مسند أبى سعيد الخدرى، حديث رقم: ۸۶۴، ۲۷۳/۱. المعجم الكبير للطبرانى، ما أسند أبو أمامة، من روى عن أبى أمامة من أهل البصرة، حديث رقم: ۸۰۸۰ و ۸۰۸۱، ۲۸۱/۸، ۲۸۲. مسند الشهاب،

أفضل الجهاد كلمة حق عند أمير جائر ، حديث رقم : ۱۲۸٦ و ۱۲۸۸ ، ۲/۲۴۷ ، ۲۴۸ . شعب الايمان ، الثانى والمخمسون من شعب الايمان وهو باب فى الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر ، ٦/۹۳ والسابع والخمسون من شعب الايمان وهو باب فى حسن الخلق ، فصل فى ترک الغضب وكظم الغيظ والعفو عند القدرة ، حديث رقم : ۸۲۸۹ ، ٦/۳۰۹ ، ۳۱۰ . التمهيد لابن عبد البر ۲۱/۲۸٦) .

''امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث اس سند کے اعتبار سے ''حسن غریب'' ہے۔

(سنن الترمذی ، کتاب الفتن ، باب ما جاء أفضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر ، حديث رقم : ۲۱۷۴ ، ۴/۴۷۱) .

(ہ) جہاد فی سبیل

پاکستان اور دیگر مسلم علاقوں میں بسنے والے ہر غیرت مند مسلمان کو یہ حقیقت بخوبی سمجھ لینی چاہئے کہ شریعت کا نفاذ، حقیقی اسلامی نظام کا قیام، صالح و امین قیادت کا ظہور، اسلام کی صحیح دعوت کا فروغ اور ایمانی محبت و باہمی تعاون پر مبنی پاکیزہ معاشرے، عفت و عصمت کے محافظ مضبوط گھرانے اور صالح مسلم فرد کا وجود میں آنا......... یہ سب نہ تو جہاد فی سبیل اللہ کے بغیر ہونا ممکن ہے، نہ ہی جہاد کے بغیر ان کا باقی رہنا اور اپنے وجود کی حفاظت کرنا ممکن ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ولو لا دفع الله الناس بعضهم ببعض لفسدت الأرض ولكن الله ذو فضل على العالمين﴾ (البقرة : ۲۵۱) .

''اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعے دفع نہ کرتا تو زمین فساد سے بھر جاتی، لیکن اللہ تعالیٰ تو جہان والوں پر بہت فضل و احسان کرنے والا ہے''۔

مذکورہ بالا مضامین کی مزید وضاحت کی خاطر جناب حامد محمود حفظہ اللہ کی کتاب ''کیا ووٹ

مقدس امانت ہے؟'' کا ایک مفصل اقتباس شامل کیا جاتا ہے، تاکہ مذکورہ بالا مضامین کا وضاحت کے ساتھ ساتھ خلاصہ بھی ہو جائے، وهو هذا:

پاک سرزمین کا نظام

لا الہ الا اللہ وہ کلمہ توحید ہے جو شرک سے براءت کا اعلان کرتے وقت ادا کیا جاتا ہے۔ اس کا مدعا و مقصود ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں۔ اہل علم کے ہاں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک انسان اپنی باقی ماندہ زندگی شرک سے تائب اور توحید پر کاربند رہنے کی شہادت دے۔ مگر مرجۂ (ایک گمراہ فرقہ) کا مذہب پھیل جانے کے باعث آج کلمہ کی ایک نرالی شکل دریافت ہوئی ہے۔ اس کلمہ کے بھی الفاظ تو وہی ہیں مگر یہ پڑھا اس وقت جاتا ہے جب شرک کا ارادہ ہو! اس کو ادا کئے بغیر انسان شرک و کفر کرلے تو جہنمی اور واجب القتل قرار دیا جائے مگر یہ ایک ایسا منتر ہے جسے پڑھ لینے کے بعد نہ تو شرک نقصان دے نہ کفر کر لینے سے کوئی فرق پڑے اور نہ انسان کے طاغوت بن جانے سے کوئی فتویٰ وجود میں آئے۔ اس کی مجرب افادیت کے پیش نظر اب یہ جلی حروف میں ان مزارات کے ماتھے پر لکھ دیا جاتا ہے جس کے اندر انسانوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ کسی قبر پر رکوع و سجود کرتے سرعام دیکھے جا سکتے ہیں۔ گویا یہ کلمہ جو ہر شرک کے لئے موت کا پیغام تھا اسی شرک کے لئے اب یہ بہترین تریاق ہے!

﴿فبدل الذين ظلموا قولاً غير الذى قيل لهم﴾

حاکم اعلیٰ اور شرک

دستور پاکستان کی پیشانی پر اس کلمہ کا ترجمہ یوں لکھا گیا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ حاکم اعلیٰ ہے'' مراد یہ ہے کہ کلمہ پڑھ لیا گیا اب آگے ہر قسم کے شرک کا راستہ صاف ہے چنانچہ دستور کے اسی دیباچہ میں جہاں اللہ کو حاکم اعلیٰ کہا گیا ہے تھوڑا آگے چل کر وہی یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ:

''پاکستان کا سیاسی ڈھانچہ جمہوری طرز کا ہوگا''

یہ شرک ضرور ہے مگر چونکہ کلمہ پڑھ کر کیا گیا ہے اس لئے پریشانی کی کوئی بات نہیں! یہ بھی دیکھتے چلیں کہ حاکم اعلیٰ کے اس لفظ کی دستوری تفسیر کیا ہے؟ دستور اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ حاکم اعلیٰ

ایک بے ضرر سا ''اعزازی عہدہ'' ہے جو نہ تو کسی کو جیل بجھوا سکتا ہے اور نہ ہی جیل سے چھڑا سکتا ہے۔اس کی اتاری ہوئی آیت نہ تو کسی چور کا ہاتھ کٹوا سکتی ہے۔اور نہ سود کو ناجائز اور قابل مواخذہ قرار دے سکتی ہے اس کا فرمان بہترین اخلاقی اپیل تو ہے مگر قانوناً نہ جوئے کو روک سکتی ہے اور نہ فحش فلموں کو۔انسانی زندگی میں جائز وناجائز اور قانونی وغیر قانونی قرار دینا یہ ایک باقاعدہ اختیار ہے جو اس آئین میں ''حاکم اعلیٰ'' کو بہرحال حاصل نہیں اور نہ ہی یہ بات طے کرنا اس کے رسول کا کام ہے! اللہ اور اس کے رسول کو مذہب کے شعبے میں تو جائز وناجائز کے تعین کا پورا حق حاصل ہے مگر قانون کے شعبے میں حلال وحرام کا تعین ''حاکم اعلیٰ'' کے رسول کا کام نہیں بلکہ دیباچہ دستور کی رو سے یہ حق اس کی مخلوق کے نمائندوں کو سزاوار ہے۔شق کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

Wherein the state shall exerciase its powers and authority through the chosen reperesentative of the people.

بلکہ آئین کا آرٹیکل 4 کہتا ہے کہ جرم اور سزا کا تعین صرف اور صرف ملک میں رائج قانون کریگا یہ حق اللہ اور اس کے رسول کو نہیں کہ جرم وسزا کا تعین وہ کریں۔اللہ اور اس کے رسول نے اگر کچھ کہنا ہی ہے تو وہ عوامی نمائندوں سے کہیں۔صرف وہی اس بات کے مجاز ہیں کہ ''اگر وہ چاہیں'' تو ''اللہ اور اس کے رسول کی بات کو قانون کا درجہ دیں'' نہ مانیں تو اللہ اور رسول کی بات کی وہی حیثیت ہوگی جو کسی بھی انسان کی کسی بھی قانونی تجویز یا مطالبہ کی ہو سکتی ہے۔چنانچہ حاکم اعلیٰ والی شق دستور کی دیباچہ میں ہے ضرور مگر اسے لے کر ایوان ہائے عدل میں چلے جانے کی کہیں گنجائش نہیں۔سب سے پہلے یہ آئین اس بات کی اجازت نہیں دیتا۔اگر آپ تجربہ کرنے پر مصر ہوں تو بڑے شوق سے ایسا کر دیکھئے آپ کو یہی جواب ملے گا کہ عدالتوں کو اس سے غرض نہیں کہ قرآن میں کیا آیا ہے یا حدیث میں کی لکھا ہے قرآن کی دلالت چاہئے جتنی بھی قطعی اور واضح ہو اور حدیث کیسی بھی متواتر ہو آپ گھر بیٹھ کر اس کی تلاوت کریں مسجد میں جا کر لوگوں کو سنائیں مگر عدالت میں لا کر نہ اس کا تقدس پامال کریں اور نہ ججوں اور وکیلوں کا وقت برباد کریں کیونکہ آئینی لحاظ سے اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔

کون نہیں جانتا کہ ملک میں رائج قانون قرآن کریم کی محکم آیات سے نہیں بلکہ انگریزی قانون کی کالی کتابوں سے لیا جاتا ہے؟ ایسا بھی نہیں کہ یہ بات آئین پاکستان سے متصادم ہو اور سب کی سب عدالتیں اس حاکم اعلیٰ والی آئینی شق کے خلاف چل رہی ہوں جیسا کہ فریب دیا جاتا ہے کہ دستور تو اسلامی ہے گڑبڑ صرف اس کے نافذ کرنے والے کرتے ہیں۔اس کے برعکس دستور کی دفعہ 268(1) کی عین یہ منشا ہے کہ قانون کتاب اللہ کے بجائے انگریزی دور کے صحیفوں سے لیا جائے گا۔جتنا بھی فریب دیا جاتا رہے مگر اس بات سے کون لاعلم ہے کہ عدلیہ، مقننہ اور قانون نافذ کرنے والے ادارے اور افراد اسی قانون پر عملدرآمد کا حلف اٹھاتے اور اسی سے وفاداری کا عہد کرتے ہیں۔قانون دان آپ کو یہی بتائیں گے کہ دستور پاکستان، اللہ کے حاکم اعلیٰ ہونے کا یہ مطلب کہیں نہیں لیتا کہ اس کی اتاری ہوئی آیات کو قانون کا درجہ حاصل ہے۔یہ ویسا ہی ہے کہ اللہ الہ تو ہے مگر اس کو بندگی کرانے کا حق نہیں! چنانچہ دستور میں مذکور یہ حاکمیت اعلیٰ کسی قانون کی اطاعت اور آئینی فرمانبرداری کو مستلزم نہیں۔نہ یہ حاکم اعلیٰ والی شق غیر اللہ کے قانون کو باطل اور غیر اللہ کی بندگی کو حرام نہ سمجھا جائے۔سو ملکی آئین میں اللہ حاکم اعلیٰ ضرور ہے مگر سیاست اور قانون کے ایوانوں میں امر ونہی اور تحلیل وتحریم کا اختیار اسے نہیں بلکہ اس ملک کے قانون ساز خداؤں کو ہے۔رہا حاکم اعلیٰ تو اس کا حکم نہ تو پولیس کے لئے ہے: فوج کے لئے، نہ عدالتیں اس کے قانون اور اس کے نازل کردہ حلال وحرام پر فیصلے دینے کی دستوراً پابند ہیں، نہ شعبائے زندگی کو چلانے والے سرکاری اداروں پر اس کی آیات اور اس کے رسول کے فرمان کے سامنے سمعنا واطعنا کہنے کی کوئی آئینی پابندی ہے اور نہ تعلیمی اور نشریاتی شعبوں میں شرک والحاد کے سبق دینے پر کوئی قدغن۔اس تمام تر شرک اور بغاوت کی کھلی آئینی چھٹی کے باوجود اللہ تعالیٰ اس آئین کی رو سے ''حاکم اعلیٰ'' ہے!

اللہ کی حاکمیت کا یہ نسخہ بھی کیا خوب ہے جو سیاست کے ایوانوں کو شریعت محمد کی غیر مشروط اطاعت اختیار کئے بغیر ہی اسلام کی سند دے دیتا ہے۔شیطان نے سمجھا دیا ہوگا کہ اگر برطانیہ کا بادشاہ امر ونہی کے ہر قانونی اختیار سے تہی دست ہونے کے باوجود تاج پہننے کا مجاز اور قانوناً واجب اطاعت نہ

ہونے کے باوجود تخت شاہی پر متمکن ہے تو پاکستان میں حاکم اعلیٰ کی آسامی پر لفظوں کا کھیل کیوں ممکن نہیں! یہ بات آپ کو ناگوار گزرے تو ذرا دستور پاکستان کی قانون ساز مخلوقات کے آئینی اختیارات کا ایک نظر جائزہ لیجئے اور پھر فرمائے برطانیہ میں بادشاہ اور پاکستان میں حاکم اعلیٰ کے اعزازی عہدے میں کیا فرق ہے؟ سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون۔

بنابریں یہ بات کسی خوش فہمی سے زیادہ نہیں کہ ملکی آئین نے اللہ کو" حاکم اعلیٰ" کہہ کر ایک بار زبان سے کلمہ ادا کر دیا ہے اور اب معاملہ صرف عملی کوتاہی تک محدود ہے۔ کلمہ کے مطلب سے تو ادنیٰ ترین واقفیت رکھنے والے بھی بتا سکتے ہیں کہ حکم وآئین کے باب میں اللہ کو حاکم اعلیٰ کہہ دینے سے کام نہیں چلتا اس سے پہلے غیر اللہ کی حاکمیت اور قانون سازی ایسے اختیار کی دوٹوک اور صاف صاف نفی ضروری ہے۔ اس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ کو حاکم ماننے کی بات معتبر ہو سکتی ہے۔ آج تاریخ کا چہرہ مسخ نہ کر دیا گیا ہوتا تو یہ بات محتاج وضاحت نہ تھی کہ پرانی قومیں بھی اللہ کو معبود اعلیٰ کہنے سے انکاری نہ تھیں مسئلہ تو ہمیشہ چھوٹے چھوٹے خداؤں کا رہا جن کا دعویٰ تھا کہ خداوند اعلیٰ نے انہیں اختیارات سونپ رکھے ہیں۔ خود انبیاء کا جھگڑا ان بیچ کے خداؤں سے تھا سو غیر اللہ کی بندگی اور اطاعت کی نفی پہلے ہو تو کلمہ ادا ہوتا ہے ورنہ حاکم اعلیٰ کا تصور تو کبھی باعث نزاع نہیں رہا۔

﴿ء ارباب متفرقون خیر أم اللّٰہ الواحد القھار ، ما تعبدون من دونہ الآ أسماء سمیتموھا انتم و آباؤ کم مآ أنزل اللّٰہ بھا من سلطٰن ان الحکم الا للّٰہ امر الاّ تعبدوا الّا ایّاہ ذلک دین القیّم ولکن اکثَرَ النَّاسِ لاَ یعلمون﴾ [یوسف :60]

"کیا بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟ اس کو چھوڑ کر تم جن کی بندگی کر رہے ہو وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ بس چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے رکھ لئے ہیں، اللہ نے ان کے لئے کوئی سند نازل نہیں کی۔ فرماں روائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں ہے۔ اس کا حکم ہے کہ خود اس کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی (دین قیم) ٹھیٹھ سیدھا طریق زندگی ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔"

یہ تو رہی غیر اللہ کے حق تشریع وقانون سازی کے انکار اور نفی کی بات جو کہ کلمہ شہادت کا جز اول ہونے کے ناطے ناگزیر ہے پھر جہاں تک اللہ کی حاکمیت کے اثبات کا تعلق ہے تو وہ اسی صورت میں قابل اعتبار ہے کہ اس کا فرمایا مستند اور اس کا کہا قانون تسلیم ہو۔ قانون دانوں سے پوچھئے آپ کا دستور اس دوسری بات سے بھی انکاری ہے۔

اگر اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کو دستوراً ناقابل ترمیم تعطیل اور ناقبل تسخیر قانون اور ہر آئین سے بالاتر آئین نہ مانا جائے تو اس کی حاکمیت کا دعویٰ کلمہ گو کی شرط تک پوری نہیں کرتا۔ اس کی شریعت کو غیر مشروط اور اٹل قانون مانے بغیر اسے حاکم اعلیٰ کا خطاب دینا ایک لغو بات ہے ....اللہ کو رب ماننا مگر اس کے نازل شدہ حکم کو حتمی قانون کا درجہ نہ دینا' شعبہ سیاست کا محمد ﷺ کی لائی ہوئی ہدایت کا دستوری طور پر پابند نہ ہونا مگر مذہبی طور پر آپ کو رسول کہنا وہ بدترین مذاق ہے جو اس سیکولر ایوان میں پورے دستوری اہتمام کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ آپ کسی کو جج کہیں مگر اسے فیصلے کرنے کا حق دینے پر تیار نہ ہوں دنیا میں آپ کسی سے مذاق کرنے کے روادار نہیں تو پھر مالک الملک کے سامنے کس برتے پر یہ جرأت کر لی جاتی ہے؟

﴿فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدون فی أنفسھم حرجاً ممّا قضیت ویُسلموا تسلیماً﴾ [النساء : 65] .

"نہیں اے محمد (ﷺ) تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں پھر جو تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی (تک) محسوس نہ کریں بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں"

کتاب وسنت کے مطابق قانون سازی!

جہاں تک آئین کی مشہور زمانہ دفعہ (A 227) کا تعلق ہے جس کا حوالہ جمہوری اسلام پسند حضرات اکثر دیا کرتے ہیں یعنی:

"موجودہ قوانین کو کتاب وسنت کی تعلیمات کی مطابقت میں لایا جائے گا اور کوئی قانون ان

تعلیمات کے خلاف نہ بنایا جائے گا''

تواگر آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اس دفعہ کے آجانے کے بعد اسلام اب اس ملک میں دھرم نہیں رہا بلکہ دین کی حیثیت اختیار کرگیا ہے اور انسانوں کے بنائے ہوئے خلاف اسلام قوانین اب یہاں کوڑی کے نہیں رہے تو یہ آپ کی غلط فہمی ہے دستور میں ایسا سمجھنے کی کوئی گنجائش نہیں۔اور اگر آپ یہ رائے رکھنے پر بضد ہیں تو قرآن کا کوئی بھی ایسا ثابت اور قطعی حکم ایوانہائے عدل میں پیش کردیکھئے جو قت کی رائج قانون سے متصادم ہو آپ کو یہی جواب ملے گا کہ آپ صرف اپنی من پسند دفعات دیکھنے کے عادی ہیں پورا دستور نہیں پڑھتے ورنہ دستور میں جا بجا قانون ساز مجالس کا ذکر دیکھتے تو قطعاً اس خوش فہمی کا شکار نہ ہوتے۔اور انہیں تو صرف دفعہ (1)268 دیکھ رکھی ہوتی تب بھی یہ شکایت نہ ہوسکتی تھی ذرا اس دفعہ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں اور پھر دیکھئے کہ دفعہ (A 227) کا کیا مطلب رہ جاتا۔

Except as provide by this Artcall , all existing laws shall , subject to the constitution , cotinue in force , so far as applicable and with the necessary adaptation , until altered , repealed or amended by the appropriate Lagislature.

ترجمہ: بجز جیسا کہ اس آرٹیکل میں قرار دیا گیا ہے تمام موجودہ قوانین اس دستور کے تابع جس حد تک قابل اطلاق ہوں اور ضروری تطبیق کے ساتھ اس وقت تک بدستور نافذ رہیں گے جب تک مناسب مقننہ انہیں تبدیل یا منسوخ نہ کردے یا ان میں ترمیم نہ کردے۔(ترجمہ از حکومت پاکستان وزارت عدل و پارلیمانی امور شعبہ عدل ص167)

دوسری بات یہ کہ (1)227 کا یہ کہنا کہ کتاب وسنت کی تعلیمات کے خلاف کوئی قانون صادر نہ ہوگا ایک خوش کن اور امید افزا بات ضرور ہے مگر اس سے متصل بعد کی شق پڑھیں تو اس کا سارا مزہ کرکرا ہوجاتا ہے چنانچہ آرٹیکل (1)227 میں مذکور اس خوشنما بات کی عملی تفسیر صرف اور صرف آرٹیکل 228 تا (4)230 کی صورت میں کی جاسکتی ہے، اب ذرا (4)230 کو پڑھئے تو معلوم ہوگا

کہ کسی قانون کے خلاف اسلام ہونے کا فتویٰ اسلامی نظریاتی کونسل کی مہر لگ کر بھی آجائے تو ایسا قانون پاس کرتے وقت پارلیمنٹ یا صوبائی اسمبلیوں کو نظریاتی کونسل کی یہ رپورٹ مدنظر رکھنی ہوگی۔غور فرمایئے......صرف مدنظر رکھنی ہوگی! یعنی وہ اسے مانے یا نہ مانے اس میں وہ پوری طرح آزاد ہے......

جبکہ (3)230 کی رو سے اسمبلیاں نظریاتی کونسل کے فتویٰ کا انتظار کیے بغیر بھی یہ قانون پاس کرسکتی ہیں۔پاس ہوجانے کے بعد یہ قانون اگر نظریاتی کونسل کی نظر میں خلاف اسلام نکل آئے تو اس صورت میں صدر یا گورنر کو صرف اتنی زحمت کرنی ہوگی کہ اس قانون پر نظر ثانی کرلیں۔ملاحظہ فرمائیں......نظر ثانی کرلیں! یعنی نظر ثانی کے بعد بھی اس خلاف اسلام قانون کا برقرار رہنا ٹھہر جائے تو اس کی پوری آزادی ہے۔اب بتائے (1)227 سے جو امید افزا بات چلی تھی وہ (4)230 تک پہنچ کر کیا سے کیا ہوگئی!؟

تیسری بات یہ کہ دستور میں جو (1)227 کو لغو بے معنی کرنے کے جا بجا انتظامات کئے گئے ہیں خود جمہوری اسلام پسند بھی اس سے ناواقف نہیں۔ورنہ جہاں ملک کے اعلیٰ عدالتیں صدر مملکت تک کے خلاف آئین اقدامات کالعدم قرار دے دیتی ہیں وہاں ہمارے اسلام پسند بھی تو آئے روز پاس ہونے والے خلاف اسلام قوانین کو (1)227 کا حوالہ دے کر چیلنج کرسکتے تھے کہ کتاب وسنت کی تعلیمات کے خلاف قانون صادر نہ ہونا آئین کی خلاف ورزی ہے مگر کیا وجہ ہے کہ جمہوری اسلام پسند حضرات ان ''اسلامی دفعات'' کے سب حوالے ان پڑھ عوام کے سامنے تو خواب دیتے ہیں مگر کسی کو یہ ہمت نہیں پڑتی کہ ان حوالوں کو لے کر عدالتوں میں جائے اور اسلام قوانین کو کالعدم کرالائے؟ اب بھی اگر کسی کو یہ زعم ہے تو وہ اس آئینی خلاف ورزی کو چیلنج کرسکتا ہے سنا ہے عدالتیں آج کل آئین کی بالادستی قائم کرنے پر تلی ہوئی ہیں!

چوتھی بات یہ ہے کہ اگر فرض کرلیا جائے کہ اس شق سے خلاف اسلام قانون کا راستہ بند ہوگیا ہے تو کیا خلاف اسلام دستور یا دستوری ترمیم کی بابت کوئی ایسا بندوبست موجود ہے؟ چلئے قانون کی حد تک تو یہ مذاق کرلیا گیا آئین پر تو ازراہ مذاق بھی خلاف اسلام ہونے کی صورت میں کوئی پابندی نہیں

۔اب جب یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ نظام پاکستان پارلیمنٹ کو دوتہائی اکثریت سے کسی بھی بالاتر سند کے بغیر آئین میں اضافہ یا ترمیم کا مطلق العنان اختیار تفویض کرتا ہے (اور سب قوانین ایسے اختیار کے استعمال کی صورت میں بیک جنبش قلم تبدیل بھی ہوسکتے ہیں اور منسوخ بھی) تو اس حقیقت سے کون قانون دان انکار کرسکتا ہے کہ پاکستان کے چھوٹے خدا دوتہائی اکثریت سے حاکم اعلیٰ ہی کو معزول کرنے کا پورا پورا اختیار رکھتے ہیں؟ اس بات کو جھٹلانا ممکن نہیں کہ آئین کے آرٹیکل 238 کی رو سے پارلیمنٹ کو آئین میں اضافہ وترمیم کا جو مطلق العنان اختیار حاصل ہے۔حاکم اعلیٰ کی معزولی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔یوں اخلاقاً وہ اس اختیار کو نہ برتے تو یہ اس کی مہربانی ورنہ اسے اس کا دستوری طور پر پورا حق حاصل ہے اسلامی قوانین پر خوش ہونے والے یہ تو بتائیں کہ ہندومت اسلام کب سے بنا ہے کہ دیوتاؤں کے تیور بدلنے پر آئیں تو برائے نام منصؐ سے بھی مہادیوتا کی چھٹی کروادیں؟

شرعی عدالت کا ڈھونگ

دستور میں وفاقی شرعی عدالت کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ خلاف اسلام قوانین کا جائزہ لے اوران کو اسلام کے مطابق تبدیل کرنے کے لئے دستوری طریق کار اپنائے!

قانون سے واقف لوگ جانتے ہیں کہ قانونی زبان میں کوئی چیز ایک ہاتھ سے دیکر دوسرے ہاتھ سے لے لینا ایک آسان کام ہے۔آئے دیکھتے ہیں دستور اپنی اس بڑھک کو کس انداز سے واپس لیتا ہے۔

[1] آرٹیکل (C)203 کی رو سے مندرجہ ذیل قوانین وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار سے ویسے ہی باہر ہیں۔لہٰذا ان مقدس صحیفوں کی طرف شرعی عدالت آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتی:

(1) آئین پ .. (جو کہ مخلوق کے اختیارات کی مستند دستاویز ہے)۔
(2) مسلم عائلی قوانین۔
(3) عدالتی طریقہ ہائے کار۔
(4) مالیاتی قوانین (جس میں سود لاٹری اور پرائز بانڈ حلال ہیں)

(5) ٹیکس وفیس قوانین اور
(6) بینکاری وبیمہ انشورنس کے طریق ہائے کار۔

بتائے شرعی عدالت کے پاس کیا بچا ہے جسے غیر اسلامی قرار دے کر اس نظام کی کلمہ گوئی کا بھرم رکھ سکے؟ یہ تو ایسے ہی ہے کہ کوئی کہے کہ میں کلمہ تو بڑھتا ہوں مگر فلاں فلاں شعبے میرے ہاں اللہ اور اس کے رسول کی شریعت سے مستثنیٰ ہوں گے اور ان تمام شعبوں میں وہ غیر اللہ کی ہدایت پر چلنے کا مجاز ہوگا!

[2] اس کے بعد بھی اگر نظام شرک کے مفادات پر زد پڑنے کی کوئی گنجائش رہ گئی ہو تو اس کا سدباب کرنے کے لئے آئین کہتا ہے کہ آرٹیکل (2)D 203 کی priviso اور آرٹیکل F 203 کی رو سے شرعی عدالت کا ہر فیصلہ سپریم کورٹ میں چیلنج کیا جاسکتا ہے جہاں وہ تبدیل بھی ہوسکتا ہے اور منسوخ بھی۔اس بات کے بے شمار عملی مظاہرے آئے روز دیکھنے میں آتے ہیں۔نواز شریف دور میں سود کے خلاف شرعی عدالت کا فیصلہ سپریم کورٹ میں چیلنج کرنے کا واقعہ اب بھی اکثر لوگوں کو یاد ہوگا۔

بتائے اسلام پسندوں کے ہاتھ آیا تو کیا!؟

اگر سود کے خلاف شرعی عدالتوں کا فیصلہ واقعی اللہ تعالیٰ کے حکم پر مبنی تھا اور کون جانتا کہ اللہ نے سود کو حرام کر رکھا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم کو چیلنج کرنا کیا واضح ترین شرک اور ارتداد نہیں؟ مگر کیا یہ کفر صرف نواز شریف کے نامہ سیاہ تک محدود ہے۔جس نے اللہ کا یہ حکم چیلنج کیا تھا یا فساد کی اصل جڑ وہ آئین ہے جو ایک طرف اسے چیلنج کرنے کا اختیار دیتا ہے اور دوسری طرف سپریم کورٹ کو یہ حکم منسوخ کرنے کا ۔اس بات پر اگر نواز شریف دشمن اسلام ٹھہرتا ہے تو اس نظام اور دستور کے لئے آپ کیا تجویز کرتے ہیں جو اللہ کے خلاف اس طرح کی ہر بغاوت میں سند کے طور پر کام آتا ہے؟

کیا آپ اللہ کے شریک منتخب کرنے کے لئے تیار ہیں؟

یہ تو تھی مختصر وضاحت ان دفعات کی جو پاکستان کی جمہوریت کو اسلامی ثابت کرنے کے لئے سند کے طور پر پیش کی جاتی ہیں۔انہی کے بل بوتے پر یہ فرما دیا جاتا ہے کہ جمہوریت شرک تو ہے مگر وہ

مغربی جمہوریت ہے جو کہ حاکمیت اور فرمانروائی کا حق جمہور یا نمائندگان جمہور کی تفویض کرتی ہے جبکہ ہماری جمہوریت کلمہ پڑھ چکی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کو ''حاکم اعلیٰ'' تسلیم کر لیا گیا ہے۔ دلیل کے طور پر ان دفعات کا حوالہ دیا جاتا ہے جن پر ہم نے گزشتہ صفحات میں بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ حاکمیت اور حق تشریع (قانون سازی) لازم و ملزوم ہیں۔ حاکم آپ اللہ کو مانیں مگر قانون غیر اللہ کا ہو' شرک یہی ہے۔ جب تک یہ فرق باقی ہے شرک بھی باقی رہے گا' تا آنکہ مذہب کے حلال و حرام خود بخود قانون کے حلال و حرام کا تصور نہ ہونے لگیں۔ مذہب کے حلال و حرام جب تک قانون کے حلال و حرام کا درجہ پانے کے لئے کسی انسان کی مرضی اور منشا کے محتاج رہیں گے تب تک نہ ایسا ''مذہب'' دین اسلام کہلا سکتے گا اور نہ ہی دنیا و آخرت میں ایسا ''کلمہ'' کوئی کام دے گا۔

اس بات میں یہ بات بتانا مقصود ہے کہ وہ انسان جس کی مرضی پر اللہ کی شریعت کو قانون کا درجہ دینا یا نہ دینا دستوراً موقوف ہو وہ اللہ کا ہمسر کہلاتا ہے (امام ابن قیم فرماتے ہیں: ''ہر وہ چیز جو انسان سے حد بندگی پار کرا دے طاغوت ہوتی ہے چاہئے معبود ہو یا پیشوا یا واجب اطاعت' اس بناء پر ہر قوم کا طاغوت وہ ہوگا جس سے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ کر فیصلے کراتے ہوں' یا اس کی پرستش کرتے ہوں یا آسمانی بصیرت کے بغیر اس کے پیچھے چلتے ہوں یا ان امور میں اس کی اطاعت کرتے ہوں جنہیں وہ جانتے ہوں کہ یہ اللہ کی اطاعت نہیں (فتح المجید امام محمد بن عبدالوہاب کے بقول' طاغوت کا لفظ عام ہے چنانچہ ہر وہ شخص جو اللہ کے علاوہ پوجا جاتا ہے اور وہ اپنی اس عبادت پر راضی ہے چاہئے وہ معبود بن کے ہو' پیشوا بن کے یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے بے نیاز' واجب اطاعت بن کے ہو' طاغوت ہوتا ہے'') (الجامع الفرید:265) پچھلے صفحات کی بحث سے تو یہ واضح ہو جانا چاہئے کہ پاکستان کے سیاسی شعبے میں اللہ کی ہمسر وہ ہستیاں ہیں جو قانون سازی کا حق رکھتی ہیں۔ اب ہم آپ کو ان ہستیوں کے خدائی اختیارات کی کچھ تفصیل بتاتے ہیں۔

ذیل میں آپ جو حقائق پڑھیں گے وہ صرف اور صرف ان اختیارات سے متعلق ہیں جو آئین کی رو سے فی الواقع ثابت ہیں۔ رہا اختیارات کا ناجائز استعمال اور آئین کی حدود سے تجاوزات

کا معاملہ تو وہ ہر نظام میں ناپسندیدہ ہونے کے باوجود ممکن ہے۔ نظام اسلامی ہو تو بھی فسق و فجور کا امکان ختم نہیں ہو جاتا اور اگر مشرکانہ ہو تو تب بھی انسانوں کی غیر آئینی دست برد اور لاقانونیت سے محفوظ نہیں ہوتا۔

چونکہ اختیارات کے ناجائز استعمال کی وجہ سے نہ اسلامی نظام غیر اسلامی ہو جاتا ہے (خوارج کے مذہب کے برعکس) اور نہ غیر اسلامی نظام کا حکم بدل کر کچھ اور بنتا ہے اس لئے اختیارات کی بدعنوانی سرے سے ہمارا موضوع نہیں۔ ہم صرف ان خدائی اختیارات کی نشان دہی کریں گے جو قانونی بے قاعدگی کے زمرے میں بہر طور نہیں آتے بلکہ آئینی اور دستوری طور پر ان کو باقاعدہ تسلیم کیا جاتا ہے اور جب یہ دستور تسلیم کیا جاتا ہے تو اس شرک کو عملی کوتاہی کا نام دینا سوائے جہالت یا فریب کاری کے اور کچھ نہیں۔

اب جہاں قانون سازی (Legislation) ان کے مطلق اختیارات (Absolute powers) کا تعلق ہے تو پاکستان کا جمہوری دستور ان سے بھرا پڑا ہے۔ اس کے لئے کوئی ایک دفعہ نہیں بلکہ دستوری ابواب تک مختص ہیں خصوصاً:

- (Legislatibe procedure) قانون سازی کا پروسیجر (آرٹیکل 70 تا 77)
- (Finacial procedure) مالیاتی پروسیجر
- (President's and Gobernors Ordinance) صدر اور گورنروں کے آرڈیننس (آرٹیکل 141 تا 144)
- (Amendmend of Constitution) دستور کی ترمیم سازی (آرٹیکل 238 تا 239)
- (Powers of President) صدر کے اختیارات (آرٹیکل 267)
- (Concurrent list legislative list) متفقہ دائرہ اختیارات میں آنے والے امور (Forth Schedual)

یہ وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ ان طاغوتوں کو جن امور میں قانون کا حق حاصل ہے آئین کے Forth Schedual میں' legislative list خاص کر Concuttent list کی روسے ان میں صرف By Laws ہی نہیں (جن کا نام لے کر مسلمانوں کو گمراہ کیا جاتا ہے کہ کیا ٹریفک کے قوانین بھی قرآن وحدیث سے لئے جائیں گے) بلکہ زندگی موت کے تمام معاملات پر مشتمل تعزیراتی، مالیاتی، سیاسی، اقتصادی، سماجی، تعلیمی اور بین الاقوامی سمیت سب ہی نظام آتے ہیں اور یہ قانون سازی بلکہ دستور سازی اللہ کے نازل کردہ احکامات کی کسی بالاتر سند کی براہ راست نہیں کہ آپ مقننہ (یعنی قانون ساز اسمبلیاں) سے استفسار کرسکیں کہ یہ حکم آپ نے کس آیت یا حدیث سے لیا ہے؟ اگر قانون دان پورے دستور میں کسی ایسی بالاتر سند کی نشان دہی کرسکیں تو ہمارے علم میں اضافہ ہوگا۔

ملکی دستور میں عوامی نمائندوں کے یہ اختیارات دیکھ کر آپ بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں کہ پاکستان کی پارلیمنٹ کو بعینہ وہی اختیارات حاصل ہیں جو دنیا کی کسی بھی جمہوریت میں پارلیمنٹ کے لئے مختص ہوا کرتی ہیں۔ دستور کے ان تمام مذکورہ ابواب اور دفعات کی تفصیل تو یہاں ممکن نہیں البتہ اس کے صرف ایک باب (legislative procedure) قانون سازی کا پروسیجر ہے (آرٹیکل 70 تا 77) عملی اطلاق کی مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔

فرض کیجئے کسی اسلام پسند ممبر پارلیمنٹ نے پارلیمنٹ میں کوئی بل پیش کیا مثال کے طور پر وہ بل کے ذریعے سود کو قانوناً ناجائز دلوانا چاہتا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں آئین کے legislative procedure کی روسے اس بل کو کفر کے کتنے مراحل سے گزرنا ہوگا۔ قانون دانوں کو اس سے ہرگز انکار نہ ہوگا۔

(1) پہلا کفر تو یہ ہے کہ جو قانون چودہ سو سال پہلے نازل ہوا تھا اور اللہ کی طرف سے محمد ﷺ پر نازل ہونا ہی اس کے قانون کی دلیل تھا، اور اس کے نازل ہونے سے اگلے لمحے اسے بطور قانون ماننے میں تھوڑی سے پس وپیش بھی ایسا واضح ترین کفر تھی کہ اس میں شک کرنے والا بھی کافر ہوتا اور عمر رضی اللہ عنہ کی تلوار بھی کسی آئینی پروسیجر کا انتظار کئے بغیر بجلی کی سی تیزی سے چل جاتی اس قانون کو

پاکستان کا نظام سرے سے قانون ہی تسلیم نہیں کرتا۔ ظاہر ہے کہ اگر اسے قانون بننا ہو تو بل کس چیز کا پیش کیا جائے؟ اب ذرا ان ''اسلام پسندوں'' کے بارے میں عمر رضی اللہ عنہ کی تلوار کی رائے معلوم کریں جو اللہ کے حکم کو ایک ایسے بل کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں جو ابھی تو نہیں تب قانون بنے گا جب پارلیمنٹ منظور کرے گی۔

(2) چلئے قرآن کی آیت کی یہ حیثیت تو نہیں کہ اسے قانون تصور کیا جائے اور یوں اس کا بل کی صورت میں ہی ایوان سرکار میں پیش ہونا ٹھہر گیا ہے تو کم از کم اتنی مہربانی ہو کہ اسے ایوان کے منتخب رکن کی تحریک کے بغیر ہی دربار میں حاضری کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ سوا گر منتخب رکن کے علاوہ دیگر کوئی آدمی اللہ کے حکم کو ایک بل کی سی ذلت سے ہی پیش کرنا چاہئے تو آئین کی نظر میں یہ کفر صرف منتخب ممبر ہی کرسکتا ہے۔ ان کے ہاں اللہ کے حکم کی یہ حیثیت کہاں کہ وہ ممبر کی سفارش کے بغیر ایوان میں گھسا چلا آئے' آخر ایوان کے تقدس کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں! اب جب یہی ممبر بازار حسن کا ایک مطالبہ بھی بل کی صورت میں پیش کرسکتا ہے اور اللہ کے حکم کا بل بھی' تو بتایئے شریعت کی کیا الگ خصوصیت رہی؟

(3) سود کی حرمت کو قانون کی سند دلانے کے لئے جو یہ بل پیش ہوا اگر ہاؤس کے ضابطہ کار (Procedure) کے مطابق ہے اور خلاف آئین بھی نہیں' تو ایوان میں بحث کے لئے منظور ہو جائے گا۔ اور اگر یہ بل دستور یا ایوان کے ضابطہ کار کے مطابق نہ ہو تو یہ بل کے درجے کو بھی نہیں پہنچ سکے گا۔ نتیجۃً اس پر بحث تک نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں ایوان اس پر بات تک کرنا پسند نہیں کرتا (سابقہ بے نظیر دور میں ایک ''غیرتمند اسلام پسند'' نے جب عورت کی حکمرانی کے خلاف تحریک پیش کی تھی تو اسے یہ جواب ملا تھا کہ زبان بند رکھو یہ تحریک آئین کے خلاف ہے) بتایئے کفر نام ہے جس وہ کیا ہوتا ہے؟

اس سلسلے میں ''زیادۃ فی الکفر'' کی دو باتیں خاص طور پر ملاحظہ ہوں۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین دستور اور ایوان کے ضابطہ کار نامی اس چیز کے بارے میں کہ قرآن اور حدیث کو جس کے مطابق ہونا ضروری ہو؟ اور اگر اللہ یا اس کے رسول ﷺ نے ان کے مطابق نہ

ہونے کی جرأت کرلی تو ان کی بات سننے تک کے قابل نہیں اور خلاف ضابطہ قرار دیدی جائے گی؟ تف ہے تمہارے آئین پر، تمہارے ایوان پر، اس کے تقدس پر اور اس کے ضابطہ کار پر اف لکم ولما تعبدون من دون اللہ

ب - اگر قرآن وحدیث کی قسمت اچھی نکل آئی اور اسے دستور اور ایوان کے ضابطہ کار procedure کے مطابق ثابت کر دیا گیا (ایسا ثابت کرنے والا کا ایمان بھی ملاحظہ فرمائیں) اور پھر اسپیکر یا چیر مین نے یہ رولنگ دینے کی مہربانی بھی کر دی تو ذرا سوچئے کیا ہوگا؟ شریعت بحث کے لئے منظور ہو جائے گی، جبکہ ابھی شریعت کے امتحان اور بھی ہیں! یہ امتحان کلیر کر کے شریعت یہ دیکھے جانے کے قابل ہو جائے گی کہ آیا یہ قانون بننے کی اہلیت رکھتی ہے یا نہیں؟ بتایئے اس ایوان کے کفر میں شک کرنے والے کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں اور اگر اس ایوان میں بیٹھنے والے "اسلام پسند" یہ ذلت کی گٹھڑیاں اسلام کے نام پر وصول کرتے ہیں اور عرش سے اترے ہوئے دین کی اس گھٹیا ایوان میں اپنے ساتھ ذلت کی بھیک منگواتے ہیں، تو نان کے لئے آپ کے ایمان کی غیرت کیا سزا تجویز کرتی ہے؟ یہ آپ کا بھی امتحان ہے!

(4) اب اس ایوان میں بحث شروع ہو جائے گی۔ اس بات پر کہ زمین وآسمان کے مالک کی بات کو قانون کا رتبہ دیا جائے یا نہ!۔

ایوان کے تقدس کے سلسلے میں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ آئین کے Legislative Procedure میں کہیں بھی کوئی اشارہ تک نہیں کہ کوئی "اسلامی" بل پیش ہو تو صرف کلمہ گو ممبران ہی اس پر رائے زنی کرنے کے مجاز ہوں گے۔ اس لئے جب یہ بحث شروع ہو جائیگی تو ویسے تو "مسلمان" ممبران کی بھی بھانت بھانت کی کفریہ بولیاں سننے کو ملیں تاہ اللہ کے نام پر دراز اس کاسہ گدائی میں خیرات کے چند ٹکے ڈالنے کے مسئلے پر جے سالک بھی اظہار خیال فرمائے گا۔ بہرام ڈی آوری بھی "دلائل" دے گا اور ہندو، قادیانی ودیگر اقلیتی کافر بھی لاف زنی کر سکیں گے۔ یہ بحث ارکان کی نوک جھونک، پھبتیوں، چٹکلوں اور بیت بازی کے ساتھ مہینہ بھر چلتی رہے یا اس سے زیادہ طول

پکڑ جائے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بہر حال قوم کو ہر روز ایوان کی کاروائی کی جھلکیاں اخبار میں پڑھنے کو ملتی رہیں گی۔ کہئے جناب کیا یہ خوف فی آیات اللہ نہیں ہے؟ (ملاحظہ ہو سورۃ المعارج 42، سورۃ الزخرف 83، سورۃ الانعام 68)

(5) "معزز ارکان" اللہ کے حکم کے بارے میں اپنی اپنی "ناقص رائے" کے اظہار سے فارغ ہو چکیں تو ایوان میں رائے شماری Voting کا مرحلہ درپیش ہوگا۔ شریعت کے لئے یہ وقت سب سے کٹھن ہے۔ اس کے آبرو رہ جانے کے لئے ضروری ہے کہ ارکان کی نصف سے اوپر تعداد اسے قانون کے ضابطوں (Acts) میں کہیں داخلہ دلا دیں۔ لیکن اگر میجورٹی کی نظر میں شریعت Qualify نہ کر سکی تو اسے سر نیچا کر کے ایوان صدر سے نکلنا ہوگا اور مسجد ہی میں قیام کرنا ہوگا۔

﴿ألا لعنة الله على الظٰلمين ، الذين يصدون عن سبيل الله ويبغونها عوجا و هم بالآخرة هم كافرون ، أولئک لم يكونوا معجزين فى الأرض﴾ [هود:18] .

ترجمہ: سنو خدا کی لعنت ہے ظالموں پر...... ان ظالموں پر جو خدا کے راستے سے لوگوں کو روکتے ہیں اس کے راستے کو ٹیڑھا کرنا چاہتیں ہیں، اور آخرت سے انکار کرتے ہیں۔ وہ زمین میں اللہ کو بے بس کرنے والے نہ تھے۔

"عن جابر رضى اللّٰه عنه ، قال لعن رسول الله ﷺ أكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء" (صحيح مسلم) .

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی سود کھانے والے پر، کھلانے والے پر، سودی کھاتہ لکھنے والے پر اور سودی معاملہ کے دونوں گواہوں پر اور فرمایا یہ سب ایک برابر ہیں۔

اس میں جو کفر ہے وہ تو بیان کرنے کی ضرورت نہیں تاہم کفر در کفر یہ ہے کہ ارکان کی رائے شماری جو کہ بحث کے بعد ہوگی تو اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ وہ اللہ کے حکم سے جاہل تھے...... اگرچہ سودی کی حرمت ضروریات دین میں سے ہے اور اس میں لاعلمی ویسے ہی عذر نہیں...... تو بھی اب بحث

کے بعد اور خصوصاً نظریاتی کونسل کی مہر لگے فتوئی کے بعد ایوان لاعلم نہ رہا کہ قرآن میں یہ حکم کس وعید کے ساتھ آیا ہے۔ اس کے بعد بھی ایوان کو اس ووٹ کا حق ہونا اس نظام کا واضح ترین کفر ہے اور اللہ سے کھلی کھلی بغاوت کا اعلان۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ تاریخ میں آج تک صرف فرعون نے ہی انا ربکم الاعلیٰ کہا تھا؟ اگر ارکان کی سادہ اکثریت کا ایک اشارہ اللہ کے ثابت و معلوم حکم کو مسترد کر دینے کا واضح ترین انداز میں مجاز ہے' اور کون نہیں جانتا کہ ایسا ہے...... تو بتائے ربکم الاعلیٰ کون ہے' اللہ یا ایوان سیاسیت کے خدا؟ (مولانا مودودی کہتے ہیں: فرعون کا اصلی دعویٰ فرق الفطری خدائی کا نہیں بلکہ سیاسی خدائی کا تھا۔ وہ ربوبیت کے تیسرے یعنی خبر گیری کرنا' اصلاح حاصل کرنا' دیکھ بھال اور کفالت کرنا' چوتھے یعنی فوقیت' بالادستی' سرداری' حکم چلانا' تصرف کرنا اور پانچویں یعنی مالک' آقا کے معنی کے لحاظ سے کہتا تھا کہ میں سر زمین مصر اور اس کے باشندوں کا رب اعلیٰ (Over Lord) ہوں اس ملک اور اس کے تمام وسائل وذرائع کا مالک ہوں۔ یہاں کی حاکیت مطلقہ کا حق مجھ ہی کو پہنچتا ہے۔ یہاں تک کہ تمدن واجتماع کی اساس میری ہی مرکزی شخصیت ہے۔ یہاں قانون میرے سوا کسی اور کا نہ چلے گا) (قانون کے چار بنیادی اصلاحیں ص83،82)

(6) لیجئے شریعت کے آبرو رہ گئی اور ایوان پر بل پاس کر دیا۔ مبارک ہو بس اب تھوڑی سی ''پیچیدگی'' باقی ہے بل تو پاس ہو گیا مگر (آرٹیکل 70 کی رو سے) قانون تو تب بنے گا جب دوسرا ایوان بھی اسے پاس کر دے گا۔ اتنی خواری کے بعد شریعت کا آدھا کام ہوا ہے، سو حاکم اعلیٰ کے نام سے جو درخواست آئی تھی، اس کی فائل پہلے ایوان نے دوسرے ایوان کو ریفر کر دی۔ اللہ خیر کرے دیکھئے اب کیا بنتا ہے!

(7) اگر دوسرے ایوان کے خداؤں کی منظوری کرنے میں شریعت فیل ہو جاتی ہے .... چاہئے تو صاف مسترد کر دی جائے اور چاہئے تو نہ مسترد کی جائے اور نہ پاس کی جائے .... تو مؤخر الذکر صورت میں 90 روز تک اللہ کا عذاب ہی آئے تو آئے اور کچھ نہیں ہو سکے گا۔ قصہ کوتاہ دوسرا ایوان بھی حکم اللہ کے ساتھ وہی سلوک کرنے کا مجاز ہے اور یوں بھی وہ اتنا ہی ''مقدس'' ہے۔

(8) نامراد واپس آنے کے بعد یہ بل پھر پہلے ایوان کی نظر ثانی کا حاجت مند ہوگا اب ایوان اس پر کوئی اقدام نہ کرے تو یہ بل از خود اپنی موت آپ مر جائے گا اور......... شریعت کا کان نہ بن سکے گا۔ تاہم اگر پہلے ایوان کی ابھی تک رائے نہ بدلی ہو اور وہ شریعت کے اس حکم کو قانون بنانے میں کوئی مضائقہ محسوس نہیں کرتا تو اس کی فائل دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس میں بحث کے لئے صدر مملکت کو بھیج سکتا ہے۔ جس کے موصول ہونے پر صدر ایوانوں کا مشترکہ اجلاس طلب کرے گا جس پر پھر سے بحث شروع ہوگی اور ایک بار پھر ''خوض فی آیات اللہ'' کا مظاہرہ شروع ہوگا۔ یہ شریعت کی آخری اپیل ہوگی جس کے بعد بات نہ بننے کی صورت میں فائل ہمیشہ کے لئے خارج کر دی جائے گی۔ اب ہر شخص جانتا ہے کہ دونوں ایوانوں کا یہ جوائنٹ سیشن اس ملک کی آخری اتھارٹی ہے قانون اور حرف آخر وہی ہے جو یہ ایوان صادر کر دیں...... کیا کوئی ماہر قانون اسے جھٹلا سکتا ہے...... کہ آئینی طور پر اس کے انکار کو دنیا کی کوئی طاقت اقرار نہیں بدل سکتی؟ بتائے انسانوں کی زبان میں Sovereign اس کے علاوہ اور کیا ہوا کرتا ہے؟ اور یہ نہیں تو ''ربکم الاعلیٰ'' کون سا آئینی عہدہ ہے؟

(9) ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آئین کے دفعہ 70 اور 71 کی رو سے بل پیش ہونے کے بعد پہلے ایوان میں یا پھر دوسرے ایوان میں یا دونوں کے مشترکہ اجلاس میں کہیں بھی اور کسی بھی مرحلہ میں اس بل میں ترمیم کر دی جائے اور ہر ایوان کے ہر سیشن اور پھر مشترکہ سیشن میں ترمیمات در ترمیمات کر دی جائیں اور اس طرح جب دودھ میں پانی ڈال ڈال کر لسی کی مطلوبہ کثافت حاصل کر لی جائے تو ان تمام ترمیمات کے ساتھ ایوان کی دیوی اسلام پر مہربان ہو جائے اور زہے نصیب جو بل پاس ہو جائے تو اس طریقہ سے بھی اسلام آ جائے گا۔ ان ترمیمات کی نوعیت بھی ہو سکتی ہے مثلاً سود کے بارے میں کوئی Amount مقرر کر دی جائے کہ اس سے کم پر ممنوع اور اس سے زائد پر ممانعت نہ ہوگی یا خاص مدوں پر سود ہوگا دوسری اس سے مستثنیٰ ہوگی یا گورنمنٹ اور پرائیوٹ سیکٹروں کی تقسیم عمل میں آ جائے یا خاص معاملات میں خاص نسبت سے زیادہ سے زیادہ کی ممانعت ہو جائے غرض ہزار صورتیں

ہوسکتی ہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ یہ بل خواہ مسترد ہو یا ترمیمات کے ساتھ پاس ہو جائے یہ اسلام پسند ارکان اسے قانون ماننے کے بہر صورت پابند ہوں گے۔ کیونکہ آئین میں ان کی رکنیت اس وقت شمار ہوتی ہے جب وہ حلف اٹھا کر Solemnly قسم کھاتا ہے کہ وہ پاکستان کے آئین اور مجالس قانون ساز سے صادر شدہ قانون کا نہ صرف احترام کرے بلکہ ''To the best of his acilty'' اس کی اطاعت اور اس سے وفاداری نبھائے گا۔

(10) اگر چہ اس Legislative Procedure میں اور بے شمار مراحل نکل سکتے ہیں کہ ہر مرحلہ میں ''زیادۃ فی الکفر'' ہوتا ہی چلا جائے قصہ کوتاہ ہم اس امکان کو دیکھتے ہیں جہاں اس اسلام پسندوں کے تخیل کی پرواز ختم ہو جاتی ہے۔ لیجئے ایوانوں نے بل پاس کر ہی دیا۔ اب یہ قبولیت کی آخری منزل پانے کے لئے ایوان صدر کی سمت بلند ہو جائے گا۔

اس کے ایک حکم پر جس کی منظوری میں اتنا عرصہ لگ گیا دین کے باقی احکام کی منظوری قیاس کر لیجئے اور اس میں جتنی صدیاں درکار ہوں گی اس وقت تک کیا ویسے ہی قیامت نہ آ جائے گی کہ فرشتے خود ہی ان کی کھالیں ادھیڑ کے اللہ کا حکم ان پر نافذ کر دیں! وہ لوگ جن کا اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہے اور اللہ کی عظمت ''کبریائی'' بے پرواہی، جبروت وملکوت السموات والارض پر غیر متزلزل ایمان کو نجات کی واحد امید سمجھتے ہیں، ان کے لئے اس سلسلے میں صرف دو نقاط کا ذکر ہی کافی ہے۔

(الف) اختیارات کی دست درازی ملاحظہ ہو جس میں اللہ کے ایک حکم کو نافذ ہونے کے لئے آزمائشوں کی سینکڑوں بھٹیوں سے گزرنا اور اصول وضوابط کے اتنے مراحل طے کرنا ہوتے ہیں۔ کوڑی کے انسانوں کی یہ مجال کب سے ہوگئی کہ مالک الملک کے حکم کو منظور کرتے پھریں! وہ اسلام جو آسمانوں سے نازل ہوا ہے اسے منظور نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کیا جاتا ہے پھر اسی اسلام میں منظوری دینے کی بات تو بڑی جرأت ہے، جو سر یوں خم نہ ہو اسے تن پر رہنے نہیں دیا جاتا، بلکہ اس سے بھی پہلے، جو اسلام اللہ کے ہاں معتبر ہے اس میں داخل ہی اس وقت ہوا جاتا ہے جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے سامنے اپنے اور پارلیمنٹ سمیت تمام مخلوقات کے ہر قسم کے اختیار کی واضح تر

ین نفی نہ کردی جائے اور اگر کوئی اس انداز سے اللہ کے دین میں داخل نہیں ہوا ہے تو...... اگر چہ وہ اس کا نام اسلام رکھتا پھرے...... اللہ کے دین میں نہیں کسی شیطان کے دین میں داخل ہوا ہے۔ پھر اگر کوئی اسلام لانے کے بعد بھی مخلوق کے کسی ایسے معمولی اختیار کا اقرار کر لیتا ہے تو وہ اسی وقت شیطان کے دین میں چلا جاتا ہے۔

﴿وما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله ورسوله امراً ان يكون لهم الخيرة من أمرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضلالاً مبيناً﴾ [الاحزاب :36]

''کسی مؤمن کے لئے...... چاہئے وہ مرد ہو یا عورت...... یہ ممکن نہیں کہ اللہ اور اس کا رسول کوئی بات کر دے پھر ان کے لئے کسی بھی اختیار کی گنجائش رہ جائے''۔

کجا یہ کہ ایسے بے شمار کافرترین اختیارات کو آئین بنا دیا جائے، ہر ممبر سے اس پر حلفاً قسم لی جائے اور اس کی اطاعت، پابندی اور وفاداری کو پاکستان کی دھرتی پر بسنے والے ہر شہری کا فرض اولین قرار دے دیا جائے اور اس کے خلاف کسی بھی قسم کی بغاوت سنگین ترین جرم قرار پائے۔ اللہ کی مخلوق کو اس کی شریعت کی منظوری کے اختیار ایسا جرم تو آسمان تک لرزا دینے کو کافی ہے۔ یہاں تک کہ کوئی انسان اللہ کی اطاعت کے بجالاتے ہوئے دل میں کوئی تنگی پاتا ہو تو اسے اس آیت پر ٹھہرنا چاہئے جس میں اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے ایمان کی نفی کرتا ہے۔

﴿فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لايجدون في انفسهم حرجاً مما قضيت ويسلموا تسليماً﴾ [النساء : 65].

''نہیں اے محمد (ﷺ) تمہارے رب کی قسم، یہ کبھی مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی (تک) محسوس نہ کریں بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں''۔

علمائے سلف نے جو نواقض اسلام بیان کئے ہیں (شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ نے انہیں ترتیب سے بیان کیا ہے) ان کے بموجب آدمی یہ اعتقاد رکھنے سے مرتد ہو جاتا ہے کہ کوئی بھی انسان

رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے کسی بھی حکم کی اطاعت وفرمانبرداری نہ کرنے کا مجاز ہے۔ یہ تو ایک اختیار کی بات ہے بتائیے ایسے سینکڑوں اختیارات پر مبنی آئین کے احترام سے اسلام کیسے باقی رہ جائے گا؟۔

(ب) Lefislative Procedure ہی کی رو سے پالیمنٹ مذکورہ طریق کار کے مطابق کسی بھی قانون کو تبدیل کر سکتی ہے۔ کوئی قانون دان اس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ ان قابل تبدیل وترمیم قوانین میں ''اسلامی'' قوانین بھی آتے ہیں اس لئے پارلیمنٹ نے جو یہ ابھی ''اسلامی'' قانون منظور کیا ہے یہ قابل تنسیخ ہے، چاہئے ایسا عمل میں آئے یا نہ آئے پالیمنٹ کا یہ حق بہر حال محفوظ رہتا ہے اب پالیمنٹ نے جو قانون پاس کیا ہے وہ اگر شریعت ہے تو بتائیے نبی آخرالزمان کی تا قیامت شریعت کو منسوخ کرنے کا آئینی حق رکھنے والا کون ہوتا ہے؟ اور اس کے لئے یہ تسلیم کر لینے کے بعد شریعت میں کیا حکم ہے؟

دین اور نظام مملکیت کی تقسیم.........سیکولرازم

سیکولرازم اس پوری دنیا میں رائج خبیث ترین کفر ہے۔ ہمارے ہاں اسے عموماً کمیونزم کا ہم معنی وہم وزن خیال کر کے یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ کوئی خدا کا منکر نظریہ ہوگا جبکہ یہ دنیا کا ایک ایسا انوکھا کفر ہے جو مذہب کا انکار کرنے کے بجائے نہ صرف اسے انسان کی ضرورت تسلیم کرتا ہے بلکہ اس کے احترام کا بھی بھر پور طور پر قائل ہے۔ دین کے اس احترام کی خاطر...... کہ یہ لوگوں کے لئے بوجھ نہ بن جائے، تصادم کا سبب بھی نہ بنے اور دنیاداری میں پڑ کر بے آبرو بھی نہ ہو...... صرف اتنی جسارت کرتا ہے کہ دین کا مناسب مقام متعین ہو جائے جو یسے تو مسجد گرجا یا مندر ہے تا م سوسائٹی میں بھی اسے ایک پرائیوٹ مسئلہ کے طور پر قبول کر لیا جاتا ہے۔ یوں سیکولرازم دین کو بڑے احترام سے انفرادی زندگی کی نکیل ڈال دیتا ہے۔ چنانچہ سیکولرازم کسی بھی ملک میں رائج دھرم کے تہواروں، رسم ورواج اور شادی بیاہ ایسے طور طریقوں کا آئینی طور پر بھر پور احترام کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اکثریتی مذہب کو بعض اوقات اگر یہ حق بھی دے دیا جائے کہ صدر یا وزیر اعظم اکثریتی مذہب سے ہوگا اوقاف، عبادت خانوں کی تعمیر وتدبیر اور

اس کی روحانی کتابوں کی طباعت کی بھی حوصلہ افزائی کی جائے، اخباروں میں دینی صفحہ اور ریڈیو، ٹی وی پر روحانی پروگرام ''بصیرت'' وغیرہ کا بڑی عقیدت سے اہتمام ہوتا ہو مگر نظام مملکت اور کاروبار حیات میں دین کا داخل نہ ہو تو سمجھ لیجئے وہاں سیکولرازم کا راج ہے۔ نتیجۃً اس نظام میں اللہ کو اجتماعی نظام زندگی سے باہر باہر الہ اور معبود مانا جاتا ہے رہا ریاست اور اسٹیبلشمنٹ کے میدان میں تو ''لھم شرکاء شرعوا لھم من الدین مالم یاذن بہ اللہ''۔

اچھے بھلوں کے لئے یہ ابھی تک معمہ ہے کہ پاکستان میں دین کو سیاست سے کیسے بے دخل کیا جا سکتا ہے۔ نہ جانے اتنی سادہ بات سمجھنی مشکل کیوں ہوگئی کہ جب آئین ونظام سازی عملاً حق پارلیمنٹ کا تسلیم کر لیا جائے تو پھر مساجد اور تقریبات کو سجانے کے سوا معاشرے میں دین کا کوئی مصرف ہی نہیں رہتا۔ رہا نظام وقانون کا معاملہ تو جب اصولاً یہ طے ہو جائے کہ قانون وہ کہلائے گا جو پارلیمنٹ پاس کرے، تو پھر قانون کا رتبہ پانے کے لئے شریعت کا نہ تو اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہونا کافی ہوا، نہ جبریل کا لے کر آنا اور نہ محمد ﷺ کا ابلاغ وبیان فرمانا نہ قرآن میں بیان ہونا اور نہ بخاری ومسلم میں روایت ہونا۔ یہ سب کچھ سرآنکھوں پر ہونے کے باوجود پالیمنٹ کی منظوری کے بغیر قانون کے درجے کو نہیں پہنچتا۔ پھر جب یہ حق پالیمنٹ کا تسلیم کر لیا جائے تو وہ قرآن کی ایک آیت کو بھی قانون کا ویسا ہی درجہ عطا کر سکتی ہے جیسا فلم انڈسٹری کی ایک فاحشہ کے مطالبے کو۔

یوں پارلیمنٹ کا حکم نازل ہونے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی اس کی اور قرآن کی قانونی پوزیشن اس نظام میں ایک سی ہوتی ہے۔ قانون دان ''تکلف'' سے کام نہ لیں تو اس سے انکار نہیں کر سکتے ۔اسی کفر کو امر کرنے کے لئے آئین کے بنیادی حقوق کا باب سیکولرازم کے اس مشہور ومعروف عقیدے کا ہو بہو عکس ہے کہ کسی انسان پر اگر کوئی پابندی ہو سکتی ہے تو وہ قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے ہے، اس کے باہر انسان کو ہر معاملے میں آزادی کی ضمانت اس کا بنیادی حق ہے۔ اس بنا پر حقوق وفرائض (آپ بے تکلف ہونا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں حلال وحرام) قانون کی نظر میں وہ ہونگے جو آئین اور قانون کو مقرر کرے۔ پھر آئین آرٹیکل 4 سیکولرازم کے اس بنیادی فلسفے کا لفظ بہ لفظ ترجمہ ہے کہ جرم اور

سزا کا تعین صرف اس ملک میں رائج قانون کرے گا، یوں اللہ اور رسول جو بھی کہتے رہیں جرم صرف وہ ہوگا جسے مروجہ قانون جرم کہتا ہو اور سزا بھی صرف وہی اور اتنی ہی روا ہوگی جو یہ قانون مقرر کریگا.....

مزید وضاحت کے لئے چند مثالیں:

(1) ہر محلے اور ہر گلی کے اندر آپ نے ہندومت اور سفلہ پن کی تعلیم دینے والی پاکستانی اور انڈین فلموں کے اڈے تو ضرور دیکھ رکھے ہوں گے۔ ان میں غیر قانونی فلمیں جانے دیجئے، صرف ایسی فلمیں نکال لیجئے جو غلیظ تو ضرور ہوں مگر سنسر قوانین سے جواز کی باقاعدہ سند یافتہ ہوں۔ ''سادہ لوحی'' میں آکر اگر آپ ہلاکت اور عذاب کو دعوت دینے والے اس گھناؤنے جرم کو پاکستان کی کسی عدالت میں چیلنج کرنا چاہئے تو آپ کو کیا جواب ملیگا؟ یہی نہ کہ دین میں یہ جرم ضرور ہوگا مگر قانون کی نظر میں جرم نہیں! پھر دین اور نظام و قانون جدا جدا ہوئے نا! بتائے اور کافری کیا ہے؟ جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی،

(2) پاکستان میں کسی جگہ اگر کوئی با اثر مذہبی آدمی غلاظت سے لتڑی ہوئی ان لچر فلموں کو بزور بند کرانے کی کوشش کرے تو آپ کو کیا معلوم ہے کہ آئین آرٹیکل 4 کی نظر میں اس نے پاپ کیا ہے؟ اس کا پاپ یہ ہے کہ جس چیز سے آئین اور قانون نے منع نہیں کیا وڈیو سینٹر مالکان کو اس ''جائز'' کام سے منع کر کے اوWrongful Confinement کا مرتکب ہو کہ اس نے قانون کا ''تقدس'' پامال کیا ہے؟ سنسر قوانین کی رو سے ایک ''جائز اور قانونی حق'' کے استعمال میں رکاوٹ بنے تو قانون کے آرٹیکل 4 ہی کہ بموجب ''معزز'' شہریوں کو ہراساں کرنے اور اور اختیارات کے ناجائز استعمال کے جرم میں قانون اسے مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کرے گا۔ کون نہیں جانتا کہ ان معاملات میں قرآن کی آیات نہیں، قانون کی دفعات معتبر ہیں؟ ذرا سوچ کے بتائیے کہ پاکستان میں قرآن کا مسجد کے علاوہ کیا مناسب مقام رہ جاتا ہے؟

(3) پاکستان کے نظام میں شراب حرام ہے مگر سود حلال! اس کی وجہ؟ ہر دین کے حلال وحرام اپنے ہوتے ہیں۔ جی ہاں قرآن مجید نے قانون اور نظام کو دین قرار دیا ہے۔ بادشاہ مصر کے

قانون کو اللہ نے دین الملک (بادشاہ مصر کا دین) کہا ہے "ما کان لیأ خذ أخاہ فی دین الملک" یوسف علیہ السلام بادشاہ کے دین (قانون) کی رو سے بھائی کو اپنے پاس نہ رکھ سکتے تھے۔ سو پاکستان کے دین الملک کے حرام اور حرام اگر کبھی اسلام کے حلال وحرام سے متفق یا مختلف ہو جائیں تو یہ محض اتفاق ہوگا۔ دراصل کسی بھی نظام یا دین کی تفصیلات اور جزئیات کی اپنی کوئی بھی حیثیت نہیں ہوتی کہ اس بنیاد پر ہم اسے اپنے دین کی موافقت یا مخالفت تلاش کرتے پھرے یا اس میں کچھ جزئیات کو نکالنے یا کچھ کو شامل کرانے پر ضد کریں۔ دنیا کا ہر نظام کچھ نہ کچھ جزئیات میں کسی دوسرے نظام سے متفق ہوا ہی کرتا ہے۔ اصل میں نظام اور دین کے اندر دیکھا یہ جاتا ہے کہ چلتی کس کی ہے اور قانونا یہ حیثیت کس کی ہے کہ رول دے تو رہنمائی ہے اور حکم یا اشارہ کرے تو اسے قانون مانا جائے۔ اگر پاکستان میں ایسا اختیار صرف اللہ کا ہے اور اس میں ذرا برابر بھی کوئی اس کا شریک نہیں تو یہاں اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں لیکن اگر یہ حق صرف اس کا نہیں تو اس میں جو اللہ کے ساتھ شریک ہوتا ہے وہ اس نظام کا معبود ہے اور اس آسمان تلے بدترین مخلوق ان معبودوں کی آسامیوں کے لئے آپ داڑھی والوں کا انتخاب کریں یا ٹخنوں سے اونچی شلوار والوں کا اس سے کوئی بھی فرق نہیں پڑتا۔

ہر آدمی قبل اسے موت آلے اور فرشتہ سوال کرلیں کہ بتا تیرا دین کیا تھا اچھی طرح سمجھ لے کہ وہ جس نظام کے سایہ میں زندگی بسر کر رہا ہے وہ اللہ کا دین ہے یا دین الملک۔

﴿الم تر الی الذین یزعمون أنھم آمنوا بما أنزل الیک وما أنزل من قبلک یریدون أن یتحاکموا الی الطاغوت وقد أمروا ان یکفروا بہ ویرید الشیطٰن أن یضلھم ضللاً بعیداً﴾ [النساء : 60]

''اے نبی! تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعوی کرتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو ان سے پہلے نازل کی گئی ہیں مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لئے طاغوت کی طرف رجوع کریں حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ شیطان انہیں بھٹکا کر راہ راست سے بہت دور لے جانا چاہتا ہے''۔

مجالس شرک کی رکنیت حرام تو ہے مگر یہ حرام کی وہ قسم ہے جو شرک کہلاتی ہے۔ حتیٰ کہ شرک کا بھی یہ عام سا درجہ نہیں بلکہ شرک کی وہ قسم ہے جو اللہ کی ہمسری کہلاتا ہے۔ انسانوں کے لئے تشریع اور قانون سازی کا اختیار صرف اللہ وحدہ لاشریک کا حق ہے۔ جو شخص اس میں اللہ کا شریک بنتا ہے شریعت کی زبان میں وہ عام مشرک نہیں بلکہ وہ طاغوت کہلاتا ہے۔ بقول مولانا مودودی:

''طاغوت لغت کے اعتبار سے ہر اس شخص کو کہا جائیگا جو اپنے جائز حق سے تجاوز کر گیا ہو قرآن کی اصطلاح میں طاغوت سے مراد وہ بندہ ہے جو بندگی کی حد سے تجاوز کر کے خود آقائی وق خداوندی کا دم بھرے اور خدا کے بندوں سے اپنی بندگی کرائے۔ خدا کے مقابلے میں ایک بندے کی سرکشی کے تین مرتبے ہیں پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اصولاً اس کی فرمانبرداری ہی کو حق مانے، مگر عملاً اس کے احکام کے خلاف وزری کے اس کا نام فسق ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ اس کی فرمانبرداری سے اصولاً منحرف ہو کر یا تو خود مختار بن جائے یا اس کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے لگے۔ یہ کفر ہے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ مالک سے باغی ہو کر اس ملک اور اس کی رعیت میں خود اپنا حکم چلانے لگے اس آخری مرتبے پر جو بندہ پہنچ جائے اسی کا نام طاغوت ہے اور کوئی شخص معنوں اللہ کا مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اس طاغوت کا منکر نہ ہو''

یہ واضح ہو جانا بھی ضروری ہے کہ پارلیمنٹ جو اس ملک کا سب سے بڑا طاغوت ہے وہ اسلام آباد کی کسی بلڈنگ کا نام نہیں بلکہ انسانوں کے ایک مجموعہ سے عبارت ہے۔ یہ سب انسان اس دھرتی کے طاغوت ہیں۔ دھرتی پر سب سے بھاری بوجھ یہی ہیں۔ دین (اطاعت وبندگی اور فرمانبرداری) اللہ کے لئے خالص نہیں ہو سکتا جب تک ان سے صاف صاف کفر نہ کر دیا جائے، چاہے مشرکین کو یہ بات کتنی بھی ناگوار گزرے اور ملت ابراہیم پہ چلنے والوں کے اس واشگاف اعلان سے دنیا کے بتکدوں میں جو بھی رد عمل ہو۔

﴿ومن یرغب عن ملة ابراھیم الا من سفه نفسه﴾ [البقرة: 13].

''کون ہے'' جو ابراہیمؑ کی راہ سے علیحدگی اختیار کرے؟ جس نے خود اپنے آپ کو حماقت

میں مبتلا کر لیا ہو (اس کے سوا کون یہ حرکت کرسکتا ہے؟)

طاغوت سے کفر، ایمان کی شرط اولین

﴿فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللّٰه فقد استمسک بالعروة الوثقیٰ لا انفصام لها﴾ [البقرة: 256].

''اب جو کوئی بھی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لا آیا اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں''

﴿ولقد بعثنا فی کل أمة رسولاً ان اعبدوا اللّٰه واجتنبوا الطاغوت﴾ [النحل: 36].

''ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا ہے کہ ایک اللہ کی عبادت اور تعمیل حکم بجا لاؤ اور طاغوت سے دور رہو''

﴿والذین اجتنبوا الطاغوت أن یعبدوها وأنابوا الی اللّٰه لهم البشریٰ فبشر عباد﴾ [الزمر: 17].

''جو لوگ طاغوت کی پرستش سے دور رہے اور اللہ کے لئے ہی جبین نیاز پیش کرتے رہے انہی کے لئے (جنت کی) خوشخبری ہے۔ تو اے نبی (ﷺ)! میرے (ان) بندوں کو خوشخبری سنادو''۔

﴿ألم تر الی الذین یزعمون أنهم آمنوا بما أنزل الیک وما أنزل من قبلک یریدون أن یتحاکموا الی الطاغوت وقد أمروا أن یکفروا به ویرید الشیطان أن یضلهم ضلالاً بعیداً [النساء: 60].

''اے نبی (ﷺ)! تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم لائے ایمان ہیں اس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو ان سے پہلے نازل کی گئی ہیں مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لئے طاغوت کی طرف رجوع کریں حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ شیطان انہیں بھٹکا کر راہ راست سے بہت دور لے جانا چاہتا ہے۔''

﴿الم تر الی الذین أوتوا نصیباً من الکتاب یؤمنون بالجبت و الطاغوت ویقولون للذین کفروا هؤلاء أهدی من الذین آمنوا سبیلاً☆أولئک الذین لعنهم الله ومن یلعن الله فلن تجد له نصیراً ☆أم لهم نصیب من الملک فاذا لا یؤتون الناس نقیراً☆﴾ [النساء .53-52-51]

''کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کے علم میں سے کچھ حصہ دیا گیا ہے اور ان کا حال یہ ہے کہ جبت اور طاغوت کے مانتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں سے تو یہی زیادہ صحیح راستے پر ہیں۔ایسے ہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت کردے پھر تم اس کا کوئی مددگار نہیں پاؤگے۔کیا حکومت میں ان کا کوئی حصہ ہے اگر ایسا ہوتا تو یہ دوسروں کو ایک چھوٹی کوڑی بھی نہ دیتے''

﴿الله ولی الذین آمنوا یخرجهم من الظلمات الی النور والذین کفروا أولیاؤهم الطاغوت یخرجونهم من النور الی الظلمات أولئک أصحاب النار هم فیها خالدون﴾(البقرة: 257)

''جو لوگ ایمان لاتے ہیں ان کا حامی مددگار اللہ ہے اور وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال لاتا ہے اور جو لوگ کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں ان کے حامی ومددگار طاغوت ہیں اور وہ انہیں روشنی سے تاریکیوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں یہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے۔''

طاغوت کی تعریف

امام جوھری رحمہ اللہ: ''ضلالت وگمراہی کا ہر سرغنہ طاغوت ہے۔''

امام طبری رحمہ اللہ: ''حدّ بندگی سے سرکشی پہ آمادہ ہر شخص طاغوت ہے۔''

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ہر وہ چیز جو انسان سے حد بندگی پار کرادے، طاغوت ہوتی ہے۔چاہے معبود ہو یا پیشوا یا واجب اطاعت، اس بناء پر ہر قوم کا طاغوت وہ ہوگا جس سے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ کر فیصلے کراتے ہوں، یا اس کی پرستش کرتے ہوں یا آسمانی بصیرت کے بغیر

اس کے پیچھے چلتے ہوں یا ان امور میں اس کی اطاعت کرتے ہوں جنہیں وہ جانتے ہوں کہ یہ اللہ کی اطاعت نہیں ہے۔''(فتح المجید:18)

امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے بقول: ''یاد رکھیے لفظ طاغوت میں عمومیت پائی جاتی ہے چنانچہ ہر وہ شخص جو اللہ کے علاوہ پوجا جاتا ہے اور وہ اپنی اس عبادت پر راضی ہے، چاہے وہ معبود بن کے ہو، پیشوا بن کے ہو، یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے بے نیاز، واجب اطاعت بن کے ہو ''طاغوت'' ہوتا ہے۔یوں تو طواغیت بہت سارے ہیں مگر ان کے سرغنے پانچ ہیں۔

پہلا: شیطان ہے جو غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دیتا ہے۔اس کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے:

﴿ألم أعهد الیکم یا بنی آدم أن لا تعبدوا الشیطان انه لکم عدو مبین﴾ [یٰسین : 60].

''اے اولاد آدم! کیا ہم نے تجھ سے کہہ نہیں دیا تھا کہ شیطان کو نہ پوجنا وہ تمھارا کھلا دشمن ہے''

دوسرا: وہ ظالم حکمران جو اللہ کے احکام وقوانین کی جگہ اور احکام لاتا ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے:

﴿الم تر الی الذین یزعمون انهم آمنوا بما انزل الیک وما انزل من قبلک یریدون أن یتحاکموا الی الطاغوت وقد أمروا أن یکفروا به ویرید الشیطان أن یضلهم ضلالاً بعیداً﴾ [النساء : 60].

''اے نبی (ﷺ) تم نے دیکھا ان لوگوں کو جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو تمھاری طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو ان سے پہلے نازل کی گئی ہیں مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لئے طاغوت کی طرف رجوع کریں حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔شیطان انہیں بھٹکا کر راہ راست سے بہت دور لے جانا چاہتا ہے۔''

تیسرا: جو اللہ کے اترے ہوئی دین کے ماسوا قانون کے مطابق فیصلے کرتا ہے۔اس کی دلیل آیت ہے:

﴿ومن لم یحکم بما أنزل الله فأولئک هم الکفرون﴾ [مائده : 44].

"جواللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں۔"

(اس کے بعد امام صاحب چوتھا اور پانچواں طاغوت ذکر کرتے ہیں جو بالترتیب علم غیب کا مدعی اور اپنی پرستش کرانے والا ہو) پھر فرماتے ہیں:

"یہ جان لینا ضروری ہے کہ انسان اس وقت تک اللہ کے ساتھ ایمان نہیں لاسکتا جب تک طاغوت کے ساتھ کفر نہ کرلے۔اس کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے:

﴿فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لانفصام لھا واللہ سمیع علیم﴾ [البقرۃ: 25].

"جس نے طاغوت سے کفر کیا اور اللہ پر ایمان لایا تو اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے کا نہیں اور اللہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے"(الجامع الفرید: صفحہ 266-265)

شیخ ابن باز رحمہ اللہ امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی کتاب التوحید کی شرح میں تعلیقاً لکھتے ہیں:

"سلف کے کلام کا جو خلاصہ بنتا ہے وہ یہ کہ ہر وہ چیز جو بندے کو صرف اللہ کی عبادت، دین کو ایک اللہ کے لئے خالص کردینے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے سے پھیر دے یا اس میں آڑے آئے "طاغوت" ہوتی ہے چاہئے تو وہ جنات کا شیطان ہو چاہئے انسانوں کا چاہئے شجر و حجر وغیرہ، اس کے ضمن میں بلا شک اسلام کے احکام چھوڑ کر ان دیگر قوانین کا نفاذ بھی آتا ہے جن کو انسان اپنے مابین مقرر کرلیتے ہیں اور ان کا اطلاق زندگی موت کے مسائل، مالی معاملات اور انسانی شرم گاہوں کی حلت و حرمت تک پر ہوتا ہے اور حدود کا قیام اور سود، زنا و شراب ایسے محرمات کی تحریم کا بطلان ہوتا ہے کیونکہ یہ قوانین (ان میں سے جسے چاہیں) حلال کرکے نافذ کرنے اور کروانے والوں کے لئے قانونی چھتری فراہم کرتے ہیں۔خود یہ قوانین طاغوت ہیں، ان کے بنانے والے طاغوت ہیں اور ان کو ترویج دینے والے طاغوت ہیں، یہی حکم عقل انسانی کی طبع زاد ہر کتاب کا ہوگا جو رسول برحق ﷺ کے آوردہ حق سے بندوں کو پھیرنے کا سبب بنے چاہئے وہ قصداً ہو یا بغیر قصد کے، اور اسے مقرر کرنے والا طاغوت ہوگا"۔(فتح المجید:387)

بقول سید قطب رحمہ اللہ:

"طاغوت ہر وہ سلطنت ہے، جس نے اپنے وجود کے لئے اللہ کی سلطنت سے پروانہ لے رکھا ہو اور نہ اس کے حکم پر قائم ہو نیز ہر وہ قانون طاغوت ہے جو اللہ کی شریعت سے نہ لیا گیا ہو اور ہر وہ سرکشی جو حق سے تجاوز کرجائے طاغوت کہلاتی ہے۔پھر جو سرکشی اللہ کے حق الوہیت و حاکمیت پر ہو وہ تو طاغوت کی بدترین اور سنگین ترین شکل ہوئی اور "لفظاً" و "معناً" وہی طاغوت کے اطلاق کی سب سے زیادہ مستحق بھی"(فی ظلال القرآن عربی 292/1)

مولانا مودودی کی زبان میں:

"طاغوت لغت کے اعتبار سے ہر اس شخص کو کہا جائیگا جو اپنے جائز حق سے تجاوز کرگیا ہو قرآن کی اصطلاح میں طاغوت سے مراد وہ بندہ ہے جو بندگی کی حد سے تجاوز کرکے خود آقائی و خداوندی کا دم بھرے اور خدا کے بندوں سے اپنی بندگی کرائے۔خدا کے مقابلے میں ایک بندے کی سرکشی کے تین مرتبے ہیں پہلا مرتبہ یہ ہے کہ اصولاً اس کی فرمانبرداری ہی کو حق مانے، مگر عملاً اس کے احکام کے خلاف ورزی کرے اس کا نام فسق ہے۔دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ اس کی فرمانبرداری سے اصولاً منحرف ہوکر یا خود مختار بن جائے یا اس کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے لگے۔یہ کفر ہے۔تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ مالک سے باغی ہوکر اس ملک اور اس کی رعیت میں خود اپنا حکم چلانے لگے اس آخری مرتبے پر جو بندہ پہنچ جائے اسی کا نام طاغوت ہے اور کوئی شخص صحیح معنوں میں اللہ کا مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اس طاغوت کا منکر نہ ہو"(تفہیم القرآن: 196/1)

دوسری جگہ مولانا مودودی فرماتے ہیں:

"یہاں صریح طور پر "طاغوت" سے مراد وہ حاکم ہے جو قانون الٰہی کے سوا، کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہو اور وہ نظام عدالت ہے جو نہ تو اللہ کے اقتدار اعلیٰ کا مطیع ہو اور نہ اللہ کی کتاب کو آخری سند مانتا ہو۔لہذا یہ آیت اس معنی میں بالکل صاف ہے کہ جو عدالت طاغوت کی حیثیت

رکھتی ہو اس کے پاس اپنے معاملات فیصلے کے لئے لے جانا ایمان کے منافی ہے اور خدا اور رسول کی کتاب پر ایمان لانے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ آدمی ایسی عدالت کو جائز عدالت تسلیم کرنے سے انکار کر دے۔ قرآن کی رو سے اللہ پر ایمان اور طاغوت سے کفر دونوں لازم وملزوم ہیں اور خدا اور طاغوت دونوں کے آگے بیک وقت جھکنا عین منافقت ہے۔" (تفہیم القرآن: 366/1)

بعض شبہات کا ازالہ

(1) طاغوت کیا صرف غیر اسلامی قانون پاس کرنے والے ارکان ہیں؟

طاغوت صرف وہی ارکان نہیں جو غیر اسلامی قوانین پاس کرتے ہیں۔ طاغوت کی تعریف سے لاعلمی کی بنا پر غلط فہمی ذہنوں میں پرورش پا گئی ہے کہ غیر اسلامی قانون سازی میں شریک نہ ہونے والے ارکان، یا کسی غیر قانونی بل کے پاس ہونے کے وقت ایوان سے غیر حاضر رہنے والے ارکان طاغوت کی تعریف سے نہیں آتے۔

اولاً: یہ ارکان ویسے ہی ممبران پارلیمنٹ کا خطاب نہیں پاتے بلکہ ملک کے دستور اور رائج قانون کے تحفظ اور احترام کا حلف بھی اٹھاتے ہیں (اس حلف کی عبارت آئندہ صفحات میں دی جارہی ہے) بنابرایں ایوان کے کوئی سے بھی اکاون فیصد ارکان ایک فیصلہ کردیں تو اس دستور کے بموجب جس کا یہ حلف اٹھاتے ہیں وہ فیصلہ صرف اکاون فیصد کا نہیں پورے ایوان کا تصور ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک غیر اسلامی قانون کے حق میں یا مخالفت میں ووٹ دینے کا کوئی اثر پڑسکتا ہے تو وہ اس قانون کے پاس ہونے سے پہلے پہلے، بعد میں تو اس بات کا کوئی مطلب ہی نہیں کے کس ممبر نے ووٹ دیا تھا اور کس نے نہیں۔ ایک بار اکثریت رائے سے کوئی قانون پاس ہوگیا تو وہ پورے ایوان کی نمائندگی کرتا ہے اور ملک کا باقعدہ قانون شمار ہوتا ہے جس کے احترام اور تحفظ کی ہر ممبر نے پیشگی قسم کھا رکھی ہے۔ اب کوئی ممبر موچی دروازہ پر کھڑا ہو کر کچھ بھی کہے مگر اپنے حلف کی رو سے اصولاً اور فی الواقع سبھی اس کے احترام کے پابند ہوتے ہیں اور سبھی اس کے محافظ۔

ثانیاً: یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ طاغوت ہونے کے لئے یہ قطعاً ضروری نہیں کہ وہ

قانون سازی میں عملی طور پر شریک ہو اور تا آنکہ ایسا نہ ہو تو اس کا طاغوت ہونا معلق رہے۔ شرک ایک اقرار و اعتقاد کا نام ہے سو ایک انسان الٰہی اختیارات رکھ کر ہی طاغوت بن جاتا ہے انہیں بروئے کار لانا تو بہت بعد کی بات ہے، پھر اس سے اللہ کی بندگی میں لوٹنے کے لئے شرط یہ نہیں ہے کہ وہ ایسے اختیارات کا استعمال ترک کردے، جیسا کہ تمام اسلام پسند کرلیا کرتے ہیں، بلکہ خدائی اختیار سے خود کو دستبردار کرنا، اس جیسے دوسرے ارباب اختیار کا صاف انکار کرنا اور اپنے ماضی پہ نادم ہو کہ توبہ و استغفار کرنا ضروری ہے۔

(2) ارکان پارلیمنٹ کی انفرادی حیثیت

بعض لوگ ارکان پارلیمنٹ کو اجتماعی حیثیت میں تو طاغوت تسلیم کرتے ہیں مگر کسی رکن کو انفرادی حیثیت میں یہ لقب دینا گوارا نہیں کرتے

فقہ اسلامی کا ایک معروف اصول ہے کہ جرم کا کوئی واقعہ ایک آدمی کے ہاتھوں سرزد ہو یا متعدد اشخاص کے تعاون سے رونما ہو، شرعاً ان سب کا ایک ہی حکم ہوگا۔ تعدد اشخاص کی صورت میں فرداً فرداً انیے تمام لوگوں پر وہ فرد جرم عائد ہوگی جو انفرادی جرم کی صورت میں اکیلے آدمی پر عائد ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شریعت کا یہ اصول یوں بیان فرمایا تھا۔

والله لو تمالأ عليه أهل صنعاء لقتلتهم جميعا. (التشريع الجنائی لعبدالقادر عودة 40:2)

یہ (قتل کا جرم) اگر سب اہل صنعا نے مل کر کیا ہوتا تو میں ان سب پر ہی قصاص کا حکم لاگو کرتا"

لہٰذا یہ کوئی دلیل نہیں کہ خدائی اختیارات چرا کر متعدد انسانوں میں تقسیم کردیئے جائیں تو انفرادی حیثیت میں سبھی اس کے شرعی حکم کی زد میں آنے سے بچ رہیں گے۔

(3) دستور کے اسلامی حصہ کو ہی مانا جائے تو!

دستور کی شرکیات اور انسانوں کے خدائی اختیارات کی توجیہ مشکل ہو جائے تو بعض دیندار حضرات کی طرف سے یہ جواب ملتا ہے کہ "ہم دستور کے صرف اسلامی حصہ کو مانتے ہیں، باقی اس کے

غیر اسلامی حصہ کو ہم بھی تسلیم نہیں کرتے''۔

اولاً اس چیز کو کیا کہتے ہیں جو آپ کے بقول اسلامی اور غیر اسلامی کا ملغوبہ ہے؟ ذرا واضح الفاظ میں، اس اسلامی حصہ کی اگرچہ حقیقت فرض بھی کر لی جائے تو بھی یہ کہا جائے گا کہ یہ دستور غیر اللہ کے حق کے ساتھ اللہ کا حق تسلیم کرتا ہے ...... بتائیے شرک کیا ہوتا ہے؟ ثانیاً کسی سے دریافت کر لیجئے کہ آئین جو نظام پاکستان کی مستند کتاب ہے کہاں سے شروع ہوتی ہے اور کہاں پر ختم ہوتی ہے کون نہیں جانتا کہ جس طرح یہ نظام ایک اکائی ہے اسی طرح اس نظام کا ترجمان دستور بھی ایک اکائی ہے۔ اس میں جس کا جو حصہ رکھ دیا گیا ہے اور اختیارات کی جو نسبت و تناسب بیان کر دی گئی ہے وہ اسے ایک کل ماننے کے بعد ہی سمجھ آ سکتی ہے۔ کوئی عقل مند بھی اس کے ایک حصہ کو الگ کر کے اس کی تفسیر کرنے کی اجازت نہ دے گا، کجا یہ کہ آپ اسی کو معتبر مانیں اور باقی کو دل سے نہ مان کر جان چھڑا لیں۔

ہر شخص جانتا ہے کہ پانی ہائیڈروجن اور آکسیجن کا مرکب ہے۔ اب اگر کوئی صرف ہائیڈروجن کو پانی ماننے لگے تو آپ اس کا کیا بگاڑ لیں گے؟ کوئی اگر اس ضد پر آ جائے کہ دوسرے جو بھی چاہیں مطلب لیتے رہیں گے مگر وہ سرمایہ دار نظام کو صرف ''شخصی ملکیت'' کے سنہری اصول کی بنا پر قبول کرتا ہے اور اس کے باقی امور سے متفق نہیں، کمیونزم کو ''اجتماعی مفاد کی ترجیح'' کے اصول کی بنا پر گلے لگاتا ہے اس کے باقی کفریہ نظریات کو ''ذاتی طور'' پر تسلیم نہیں کرتا، بدھ مت اس لئے اچھا ہے کہ اس میں رقت قلب اور خدا ترسی کے اسلام جیسے سبق ملتے ہیں اس کے غیر اسلامی عقائد سے وہ اتفاق نہیں کرتا، عیسائیت کو صرف عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان کی حد تک قبول کرتا ہے تثلیث کا وہ قائل نہیں ...... اور یوں دنیا بھر کے ادیان اور نظام ہائے باطل کی جمع تفریق کا عالمی فلسفہ پیش کر دے تو آپ اس کے لئے کیا علاج تجویز کریں گے۔ اور جب شرک کہتے ہی اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو کم یا زیادہ ملاتے کو ہیں تو اس فلسفہ کے اطلاق کے بعد کون سا شرک رد کئے جانے کے قابل رہ جائے گا؟ شرک مٹانے کا یہ نسخہ کیمیا اگر انبیاء کے ہاتھ لگتا تو ان کا کام حد درجہ آسان ہو جاتا آپ دیکھتے نہیں کہ باطل نظام کے صرف مثبت یا اسلام سے مشترک ''اسلامی پہلوؤں'' کی نیت کر کے اسے قبول کرنے اور یوں اس میں شرکت کرنے کا یہ فلسفہ انتہائی

''واقعیت پسندی'' کے باوجود انبیاء کی دعوت کا صاف انکار ہے؟ کیا کوئی نبی بھی ایسا گزرا ہے جس کی قوم اللہ کو نہیں پوجتی تھی اور اس کا مختص حصہ موجودہ دور کی آئینی ضمانتوں سے کہیں زیادہ عقیدت کے ساتھ پیش نہیں کرتی تھی؟ پھر ان مثبت پہلوؤں کی نیت کر کے کیوں نہ انبیاء نے نظام وقت کی اقتدا اختیار کی اور منفی پہلوؤں کا مثبت انداز سے خاتمہ کرنے کی پرامن اور بتدریج جدوجہد کرتے رہے۔ انبیاء کے پاس ان نکتہ سنج مفکرین کے اس اعتراض کا کیا جواب ہوگا کہ انہوں نے مثبت پہلوؤں سے چشم پوشی کر کے صرف منفی پہلوؤں کو اچھالنے اور یوں تنقید برائے تنقید کا ناپختہ انداز اپنانے میں جذباتیت کا مظاہرہ کیا، حالانکہ مل بیٹھ کر افہام و تفہیم کی راہیں نکالنے کا دروازہ بند نہ تھا اور یوں بھی اگر وہ اس درمیانی راہ پر قدم رکھ دیتے، خواہ وہ کیسی ہی کڑی شروط پر ہوتی، تو اپنے زوردار کردار کے بل بوتے پر قوم سے اپنی صلاحیتوں کو لوہا جلد منوا لیتے۔ آخر لٹیروں اور قوم کا خون چوسنے والوں سے جان بخشی کی فکر کس دور میں نہیں رہی یوں میدان بہرحال انبیاء کے ہاتھ ہی رہتا، ویسے بھی جس نصرت الٰہی کی امید ہر الیکشن پر آج کے گناہگاروں کا آخری سہارا ہے انبیاء اس سے مایوسی کا کفر نہ کرتے تھے۔

الغرض چند اشخاص کا اس طرح دستور سے اپنا مطلب نکالنا کیا دنیا کو بے وقوف بنانے کی کوشش نہیں؟ اگر دنیا کے معروف امور میں ہر آدمی کی اپنی مراد معتبر ہونے لگے تو اس وقت انسان جو زبانیں بول رہے ہیں وہ ہرگز اس مخلوق کے لائق نہ رہیں۔

ثالثاً ان سب باتوں کے بعد بھی کاش کہ صرف اتنا ہو کہ یہ دستور کے صرف ''اسلامی'' حصہ ہی کو لیتے اور کافر حصہ کو مسترد کرنے پر تلے رہتے، جو نوشتہ دیوار کا انکار تو ہوتا مگر ایک گونا اخلاص کا بھرم شاید رہ جاتا۔ ذرا ان سے پوچھئے جب انتخاب کی دیوی انہیں محفل طاغوت کا ممبر بناتی ہے تو پانچ سال کی رکنیت کیلئے جو حلف اٹھایا جاتا ہے کیا یہاں سے شروع نہیں ہوتا۔

I................do solemnly swear that i will bear faith and allegince to Pakistan that , as a member of national Asembly (for Senat) I will perform my functions honestl , to

the best of my acility , faithfullu , in accordance with the constitution ot the islamic repubild Of pakistan and the law and the rule of the assembly (or Senate) and alwaus in the interest of the Sovereignty , solidarity , well -being and Prosperity of pakistan.

اور یہاں ختم نہیں ہوتا؟

And that i will preserve , protece and defend the Constitution of the islmic Repubilc of pakistan . (1) (Third Schdual of Constitution)

(بجز جیسا کہ اس آرٹیکل میں قرار دیا گیا ہے، تمام موجودہ قوانین، اس دستور کے تابع، جس حد تک قابل اطلاق ہوں اور ضروری تطبیق کے ساتھ اس وقت تک بدستور نافذ رہیں گے جب تک کہ مناسب مقننہ انہیں تبدیل یا منسوخ نہ کردے یا ان میں ترمیم نہ کردے (ترجمہ از: حکومت پاکستان وزارت عدل و پارلیمانی امور، شعبہ عدل ص167)

اگر ان کے اس ''ذاتی مطلب'' لینے کے فلسفے کا اعتبار کرلیا جائے تو بھی ان سے دریافت کیجئے کہ جب یہ آئین کی اطاعت واحترام اور تحفظ ووفاداری کا ہاتھ اٹھا کر حلفیہ قسم کھاتے ہوئے خشوع وخضوع کے ساتھ اعلان کرتے ہیں تو کیا آدھے دستور کا حلف اٹھاتے ہیں یا پورے کا!؟

ممبران اسمبلی کے حلف کی بابت غور طلب بات یہ ہے کہ کچھ لوگ اس نظام وآئین اور قانون کے تحفظ کی حلفیہ قسمیں بھی کھاتے ہیں اور بیک وقت اس کو نیست ونابود کرنے کی بڑھکیں بھی لگاتے ہیں۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ آپ دعوی کریں ایک عمارت کو مسمار کرنے کا مگر اس کے قریب پھٹکنے سے بھی پہلے اس کی ایک ایک اینٹ کی سلامتی کا حلفیہ اسٹام لکھ دیں۔

﴿یخادعون اللہ والذین آمنوا وما یخدعون الا أنفسھم وما یشعرون﴾ [] .

(4) پارلیمنٹ کا اختیار اسلام کے حق میں ہوجائے تو!

کہا جاتا ہے کہ اس نظام میں شمولیت کے لئے کیا یہی دلیل کافی نہیں کہ پارلیمنٹ سب کچھ کرنے میں آزاد ہے۔ اگر وہ انگریز کے قانون کو سند جواز دے سکتی ہے تو اپنا یہ حق اسلام کے لئے بھی استعمال کرسکتی ہے۔ خصوصاً اگر دوتہائی اکثریت حاصل کرلی جائے تو دستور تک بدل سکتا ہے!

اولاً: پارلیمنٹ کا سب کچھ کرنے میں آزاد ہونا اس کی رکنیت کے جواز کی نہیں حرمت کی دلیل ہے۔ یہ پارلیمنٹ ایک طرف تو رب العالمین کی شریعت کی سند دینے یا نہ دینے میں پوری طرح آزاد ہے مگر دوسری طرف کروڑوں انسانوں کے لئے ہر حال میں واجب اطاعت۔ اب جو مجلس رب العالمین کی ہمسری کرتی ہو اس میں شمولیت کا خیال کسی مسلمان کے دل میں آجا ہی حیرت کی بات ہے۔

ثانیاً: رہا یہ کہ دوتہائی اکثریت کے ذریعے نفاذ اسلام کا امکان ہونے کی بنا پر پارلیمنٹ طاغوت نہیں رہتی تو یہ اگر کوئی اصول ہے تو پھر دنیا کے کسی ملک کی پارلیمنٹ طاغوت رہے گی؟ اگر آپ امریکی کانگریس میں دوتہائی اکثریت حاصل کرلیں تو کیا وہاں اسلام نہ لے آئیں گے؟ مسئلہ تو دراصل ان خدائی اختیارات کا ہے جو اس وقت اسے فی الواقع حاصل ہیں۔ امکانات اور احتمالات تو اس بنیاد پر شریعت کے احکام لاگو نہیں ہوتے۔

ثالثاً: کسی شراب سازوں کی یونین میں اکثریت حاصل کرکے اگر آپ اس کے قوانین تبدیل کرنے کی پوزیشن میں ہوں تو کیا شرب سازوں کی مجلس میں شرکت بھی دین کا تقاضا ہوگی؟

''علماء'' سے دریافت کیجئے، بعید نہیں کوئی دن یہ فتویٰ بھی نکل آئے!

رابعاً: شریعت کا نفاذ دین میں مطلوب ضرور مگر شرک کے راستے سے نہیں۔ شرک سے بچنا اور طاغوت سے کفر کرنا شریعت کے نفاذ سے کہیں بڑا فرض ہے۔ آج تک کسی نبی نے شریعت کے نفاذ کی خاطر طاغوت کی ہم نشینی نہیں کی۔ اس لئے شریعت کا نفاذ، شرک کرنے کے لئے ایک لمحہ حجت نہیں بن سکتا۔

خامساً: نیک ہو تو بھی اللہ کی نافرمانی کا ذریعہ اختیار کرنا کسی صورت جائز نہیں۔ ورنہ حج کرنے کے لئے سود لینا بھی جائز ہوجائے گا اور خیرات کرنے کے لئے رشوت ستانی بھی Justifies

The end the means کا میکیاولی فلسفہ اسلام میں نہیں، یہ شیاطین مغرب کی ایجاد ہے۔ اسلام کے اندر تو آپ مقاصدر کے تعین میں بھی شریعت کے پابند ہیں اور جائز ذرائع کے اختیار بھی۔

(5) پارلیمنٹ کا اختیار خیر وشر کی آزمائش میں آتا ہے؟

ایک شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ یہ حق تو خود اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دیا ہے کہ چاہیں تو حق راستہ قبول کریں اور چاہیں تو باطل، پھر یہ اختیارات پارلیمنٹ کو دینا کفر کیسا؟ ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس حق کا ناجائز استعمال غلط ہے۔

اولاً: اللہ کا بندے کو خیر وشر میں سے کوئی ایک راستہ قبول کر لینے کا اختیار دینا ایک تکوینی امر ہے جو اللہ تعالیٰ ہی سے متعلق ہے مگر جہاں تک انسان کا تعلق ہے تو وہ اسلام میں داخل ہی اپنے ہر قسم کے اختیارات کو ختم کر کے ہوتا ہے چنانچہ انسان کا ایسے اختیار کو باقی رکھنا ہی کفر ہے اسے استعمال کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔

﴿وما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله ورسوله أمراً أن يكون لهم الخيرة﴾ [الأحزاب: 36].

''کسی مؤمن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔''

ثانیاً: ہر انسان کو ذاتی حیثیت میں کفر واسلام کا انتخاب کرنے کا حق ضرور ہے کہ وہ چاہے تو مومن بنے اور چاہے تو کافر مگر کسی انسان کو قانون سازی کے ذریعے کروڑوں انسانوں کا رخ زندگی متعین کرنے کا دستوری حق ہونا ایک بالکل مختلف چیز ہے۔ان دونوں کو آپس مین ملانا گمراہ کن سوچ ہے جس کے ڈانڈے جہمیت (ایک گمراہ فرقہ) ایسے انداز فکر سے جا ملتے ہیں۔

(6) بہت سے موجودہ قوانین بھی اسلام سے ملتے جلتے ہیں

سیکولارزم کی وضاحت میں ہم نے یہی بیان کرنے کی کوشش کی کہ کافر نظام میں تمام احکام اور قوانین کا الٰہی شریعت سے سو فیصد برعکس اور متصادم ہونا ضروری نہیں بلکہ شریعت کا پارلیمنٹ کی دہلیز

سے اجازت نامہ حاصل کرنے کی شرط ہی اس کے طاغوت ہونے کے لئے کافی ہے۔

جب پارلیمنٹ یا انگریزی قانون کی اسلامی حکم کو شرف قبولیت بخش کے اسے قانون کے مرتبے پر فائز کرے تو اس کے اگلے لمحے اس کی جو اطاعت واجب ہو جائے گی وہ اللہ کی شریعت کی نہیں پارلیمنٹ اور اس کے قانون کی اطاعت ہوگی۔ بھلا بتایئے اگر پارلیمنٹ مزدوروں کے کسی مطالبے کی اطاعت شار ہوگی یا پارلیمنٹ کی؟ اسلام میں اصل مسئلہ اتھارٹی کا ہے۔ ذرا سوچئے یہ قوانین تو پھر بھی انسانوں کے ناقص دماغوں کی پیداوار ہیں اگر کوئی آج کے دور میں اصلی تورات یا انجیل کے احکام کو بھی قانونی حیثیت دیدے تو اس کے کفر میں کیا شک ہے جبکہ وہ اللہ کے احکام پر مبنی ہیں اور انگریزی قوانین کی بہ نسبت اسلام سے کہیں زیادہ مماثلت رکھتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کی پیروی کرائے بغیر ماننے والا نہیں۔ یہاں موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام آجائیں تو ان کو بھی پیروی اور صرف پیروی کئے بنا چارہ نہیں، پھر پارلیمنٹ کیا چیز ہے جس کے قوانین اسلام سے ''ملتے جلتے'' ہونے کی بنا پر امت مسلمہ پر تولا گو کئے جائیں مگر خود اسے مالک الملک کے سامنے ناک رگڑنے سے مستثنیٰ رکھا جائے۔

﴿فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في أنفسهم حرجاً مما قضيت ويسلموا تسليما﴾ [النساء: 65].

''نہیں اے محمد (ﷺ)! تمہارے رب کی قسم، یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی (تک) نہ محسوس کریں بلکہ بسر تسلیم کر لیں''۔

(7) مصلحت کا تقاضا!

بقول سید قطب رحمہ اللہ آج مصلحت ایسا بت بن گیا ہے جو نصوص کے ہوتے ہوئے تو کیا شرک وجہنم کی وعیدوں کے باوجود حلال وحرام کا تعین کرتا ہے۔

پارلیمنٹ کی ممبری کو ''مصلحت'' کا تقاضا قرار دینے والے حضرات ذرا مصلحت کی ان دو شرطوں پر غور فرمالیں جو فقہائے اسلام کے نزدیک مصلحت کا اعتبار کرنے کے لئے شرعاً عائد ہوتی ہیں۔

پہلی شرط: مصلحت، مقاصد شریعت کی ترتیب میں آتی ہو: امام شاطبی ''الموفقات'' کے جز اول میں فرماتے ہیں کہ جان و مال اور عقل ونسل کی حفاظت مقاصد دین میں شامل ہے مگر حفظ دین سب سے پہلے اور مقدم ہے۔ دیگر فقہاء بھی مصلحت کی اس شرط پر متفق ہیں کہ ہر وہ مقاصد شریعت کے ترتیب کے تابع ہو جو کہ حفظ دین سے شروع ہوتے ہیں اور دین کے بعد ہی جان، مال، عقل اور نسل کی حفاظت کی نوبت آتی ہے۔ آج تک کسی فقیہ نے اس بات سے اختلاف نہیں کیا کہ حفظ دین سب سے بڑی مصلحت ہے۔ پھر دین میں ہر آدمی جانتا ہے کہ عقیدا اہم ترین ہے اور عقائد میں عقیدہ توحید سب سے پہلے ہے۔ اس لحاظ سے علمی بنیاد پر مصلحت کو لیا جائے تو یہ ایک شرعی دلیل ہے۔ اور اس کا تقاضا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے چھوڑے ہوئے دین کو خالص اور شفاف عقیدہ کی تر و تازگی قائم رکھنے کے لئے اگر جان و مال، چودھراہٹ یا تعلقات واثر ورسوخ کی قربانی دینی پڑے تو ایسی قربانی سے نہ صرف دریغ نہ کیا جائے بلکہ اسے انبیاء صالحین کی سنت سمجھ کے اپنی انتہائی کوشی سمجھا جائے، کہ یہ رتبہ بلد ہر ایک کو نہیں ملا کرتا اور اللہ ہر ایک سے ایسی قربانی قبول بھی نہیں فرماتا۔ انما یتقبل اللہ من المتقین۔

آج اس باطل نظام میں امیدوار یا ووٹر کی حیثیت سے شرکت فرمانے والے دیندار حضرات آخر اپنی جان و مال یا پھر بدعقیدہ و بے عمل اکثریت کے قومی مفاد کی مصلحت سے زیادہ کیا دلیل رکھتے ہیں؟ بتایئے یہ مصلحت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی والدہ سمیہ رضی اللہ عنھا کی خاک پا کے سامنے کیا حیثیت رکھی ہے جنہیں دو اونٹوں سے باندھ کر مخالف سمت میں چروانا قبول کر لینا ہی محمد ﷺ کے ہاں مصلحت تھی؟ آخر کفار کا آپ ﷺ سے ذرا نرمی اختیار کر لینے کے سوا اور کیا مطالبہ تھا۔ جس کے بدلے سمیہ و یاسر رضی اللہ عنھما کی جان و مال ایسی مصلحتیں تو کیا بادشاہت بھی قدموں میں ڈھیر ہوتی تھی۔ ووٹ دے کر بڑے کفر کا راستہ روکنے والے اور ایک ایک سیٹ کی ذ خاطر ذلت کی خاک چھاننے والے اس حقیقت کو کیسے قبول کرتے ہوں گے کہ خاتم المرسلین ذرا نرم رویہ اختیار کرنے کے عوض جان بخشی یا طند سیٹیں نہیں پوری بادشاہت کی پیشکش ٹھکرانے پر بضد ہیں؟ ایک ایک دو دو سیٹوں کے بل پر دین کے پرچم گاڑنے والے کیا نہیں سوچتے کہ کیوں بلال رضی اللہ عنہ وصہیب رضی اللہ عنہ نے ماریں کا کھاتے

ہوئے رسول اکرم ﷺ کو مشورہ دیا کہ یہ قومی مفاد بھی ہے اور اسلامائزیشن کا راستہ بھی آپ کیوں ہمیں مروانے پر ہی تلے ہوئے ہیں؟ مصالح ومفاسد کا تفقہ کوئی بلال رضی اللہ عنہ سے لے جو تپتی ریت پر چیختے ہوئے کفار سے گویا ہیں ''تمہیں جلانے ستانے کے لئے مجھے کوئی اس سے بھی سخت بات آئی ہو تو میں ہو کہنے سے بھی گریز نہ کروں'' ایمانی عزت اور احساس برتری و بے نیازی جاہلیت کی خاک چھاننے سے کہاں نصیب ہوا کرتی ہے۔

(2) مصلحت کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مصالح مرسلہ میں آنی چاہئے

یعنی نہ تو وہ ظاہر شریعت کی کسی نص سے متصادم ہو۔ لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ۔ کا یہی مطلب ہے مثلاً سود کے مال کو صدقہ کرنے میں بظاہر مصلحت ہے مگر شریعت اسے مصلحت نہیں مانتی مصلحت کا تقاضا مفسدت (فساد) ہے، اب اگر کوئی جاہل نصوص سے متعارض چیز کو مصلحت مانتا ہے تو نصوص کا مفسدت (فساد) ہونا خود بخود لازم آجائے گا معاذ اللہ۔ دیکھ لیجئے ایسا اعتقاد کتنی بڑی گمراہی کا موجب ہے۔ پھر جب نصوص سے متعارض چیز کو مصلحت جاننا ظلم عظیم ہے تو عقیدہ ہی سے متصادم امر کو مصلحت قرار دینے کے بارے میں کیا خیال ہے؟ یہ نظام اگر باطل ہے اور پارلیمنٹ اس کا سب سے بڑا طاغوت تو اس کی رکنیت اختیار کر کے اللہ کی ہمسری کرنا یا دونوں کے ذریعے اللہ کے ہمسر بھرتی کرنا مصلحت کب سے ہو گیا؟

مصلحت کی بابت اور اصولی امر بھی جان لیجئے کہ اہل ایمان کے نزدیک نصوص کی مطابقت ہی مصلحت ہوتی ہے، جبکہ خلاف نصوص مصالح سے حجت پکڑنا منافقین کا مسلک ہے۔ چنانچہ یہود ونصاریٰ سے دوستی رکھنے کی حرمت کے مقابلے میں منافقین کی دلیل قرآن نے یوں نقل کی ہے۔

﴿فترىٰ الذين فى قلوبهم مرض يسارعون فيهم يقولون أن تصيبنا دآئرة﴾

[المائده : 52].

''تم دیکھتے ہو کہ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے وہ انہی (یہود ونصاریٰ کی دوستی) میں دوڑ دھوپ کرتے پھرتے ہیں۔ کہتے ہیں ہمیں ڈر ہے کہ کہیں ہم مصیبت کے چکر میں نہ پھنس جائیں''

یہ فلسفہ بھی منافقین کا ہے کہ مقصد صالح ہو تو اس کے لئے جو کام بھی کیا جائے گا وہ مصلحت ہوگا اسی لئے وہ کہا کرتے تھے کہ:

﴿انما نحن مصلحون﴾

اور یہ بھی کہ ﴿ان أردنا الا الحسنى﴾

"ہمارا مقصد تو نیک ہی تھا"

اس بنا پر اہل ایمان کے صرف نیک نیتی معتبر نہیں ہوتی، کیونکہ اس سے اہل نفاق اور اہل بدعت کے لے جو دروازہ کھلتا ہے وہ پورے دین پر تباہی لانے کے لئے کافی ہے، بلکہ حق سے مطابقت اور عقیدہ وایمان کی متابعت بھی عمل صالح کے لئے شرط ہے۔ اعمال صالح کی ان دو شرطوں پر پوری امت کا اجماع ہے اب مصلحت اگر عمل صالح کے علاوہ کوئی چیز ہوتی ہے تو پھر اس پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

ووٹ کی شرعی حیثیت

جو حضرات پاکستان کے نظام میں مجلس پارلیمنٹ کی رکنیت پر ہی مصر ہیں ان کے ساتھ تو ووٹ کے مسلے پر بات کرنا ایک لایعنی امر ہے۔ رہی ان لوگوں کی بات جو اس نظام کو باطل اور اس کے قانون سازوں کو طاغوت تسلیم کرتے ہیں مگر ان طاغوتوں کو منتخب کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے، بشرطیکہ نیت انتخاب طاغوت کے بجائے کچھ اور کرلی جائے، تو اس باب میں ہم اُن حضرات ہی کے موقف پر گفتگو کریں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسمبلیوں میں "اچھے لوگ" یا "کمتر برائی" بھرتی کرنے کا اصول جہاں ووٹ دینے کے لئے وجہ جواز بنتا ہے وہاں ووٹ لینے کے لئے اور الیکشن لڑنے کے لئے بھی بن سکتا ہے مگر کچھ لوگ مصر ہیں کہ اسے ووٹ دینے تک ہی محدود رکھا جائے چنانچہ ضرورت اور "مجبوری" کو دلیل بنا کر جب یہ حضرات مصلحت کا دروازہ کھولتے ہیں تو دوسرا فریق بھی اسی میں گزر جاتا ہے۔ پھر جس طرح ووٹ دے کر کفر کا زور توڑنے والے حضرات اپنے ووٹ کا "ذاتی مطلب" لیتے ہیں اسی طرح

ووٹ لے کر اسلام کی خدمت کرنے والا فریق بھی اپنی ممبری کی "ذاتی تشریح" کرنے کا مجاز ہونا چاہئے مگر نہ جانے ان دونوں فریقوں میں اختلاف کیوں ہوجاتا ہے جبکہ ان دونوں کے دلائل میں اصولی اور جوہری طور پر کوئی فرق نہیں۔

بنابریں ووٹ کا حکم جاننے سے پہلے ووٹ کا مطلب جاننا ضروری ہے ایک جمہوری نظام میں ووٹ کی حیثیت اور اہمیت نہ سمجھنے سے ہی ووٹ کا "ذاتی مطلب" لینے کی نوبت آتی ہے۔

ووٹ کی تعریف:

نمائندگان جمہور کی حاکمیت کا نظام جب قرون اولیٰ سے نہیں آیا تو ووٹ کی تعریف قرآن وحدیث سے تو نہیں ملے گی۔ اب ایک پارلیمانی نظام میں، جو کہ پاکستان میں رائج ہے، ووٹ کی حیثیت واہمیت اور جمہوری عمل میں ووٹروں کے کردار کے تعین کے لئے وہی مصادر مستند ہوسکتے ہیں جس اس نظام کو بنانے اور چلانے والوں کے ہاں معروف ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائینسز کے مطابق

Voting is the process whereby an idividual member of a group registers his opinion and thus participates inthe detemination of the consensus among the group with the tegard to either the choice of an officail or the decision upon a proposal . as such it is the procedure impiledin all elections as well as in all parlimentry of direct legislation , under a dictatorial form of government , the indicidual may be called upon to expres his opinion as to the choices already made by the dictator , various devises , however , render this procedure an empty formality . finds its principal

shera and its predomenant importance under democratic governments under conditions of minimum freedom of choice and suffrage.

ووٹ کے بارے میں ذرامولانا مودودی کی رائے بھی ملاحظہ فرمائیں:

''ووٹ دینے کے معنی یہ ہیں کہ ہم اپنی رائے سے کسی ایسے شخص کو منتخب کرتے ہیں جس کا کام موجودہ دستور کے تحت وہ قانون سازی کرنا ہے جو عقیدہ توحید کے سراسر منافی۔ اگر علمائے کرام میں سے کوئی صاحب اس چیز کو حلال اور جائز سمجھتے ہیں تو ان سے دلیل دریافت کیجئے'' (تحریک آزادی ہند اور مسلمان حصہ دوم ص234)

اگر کوئی صاحب ووٹ کا مطلب سمجھنے کی بابت مغرب کی محتاجی کے روادار نہیں تو بھی یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اس نظام باطل میں کوئی انسان یا انسانوں کا گروہ طاغوتی مناصب پر از خود اپنا تقرر نہیں کرتا۔ سوال یہ ہے کہ وہ کون سا عمل ہے جو ایک انسان کو عام حیثیت سے بلند کر کے خدائی کے مرتبہ پر فائز کر دیتا ہے؟ وہ کون سی فارمیلٹی ہے جو معبودوں کی خالی آسامیاں پر کر دیا کرتی ہے؟ وہ کیا چیز ہے جو طاغوت کو زندگی اور وجود بخشتی ہے اگر یہ نہ ہو تو طاغوت کی اپنی ولادت کے لئے کوئی اور ''ناجائز'' طریقہ اپنانا پڑیگا؟ وہ کون سا عمل ہے جو الوہیت کے کچھ خصائص آسمان سے اتار کے پانچ سال کے لئے زمین پر ایوان پارلیمنٹ میں محبوس کر دیتا ہے؟ کس بل بوتے پر کچھ انسانوں میں مالک الملک کے حق حاکمیت کو پانچ سال تک غصب کئے رکھنے کی آئینی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے؟

ان سوالات کا جواب تو کچھ بھی مشکل نہیں مسئلہ ان کے بارے میں سوچنے کی زحمت کا ہے کہ کسے اللہ کی عظمت ووقار اور اس کی ہیبت وجلال نے ان سوالات میں پریشان کیا ہے؟ کس کی جبین نیاز کے سجدوں میں ایسی تڑپ ہے کہ وہ اپنے مالک کی اس بغاوت پر تکلیف محسوس کرتا تو کچھ بھی نہیں دنیا کو الٹ دینے کے لئے تیار ہو جائے؟ کس کے دل میں اپنے سجدوں اور ریاضتوں کے یکتا وتنہا مالک کے لئے اتنی غیرت موجود ہے کہ ان سوالوں پر اس کا خون کھول اٹھے؟ کسے جہنم کا اتنا خوف لاحق ہے کہ وہ

معاشرے میں رائج اس شرک اور ہلاکت کے راستے کو ذرا اس نظر سے بھی دیکھ لے؟ عقیدہ توحید کا حقیقی شعور رکھنے والے جانتے ہیں کہ انبیاء کے منہج میں صرف سوال اٹھانا اور زندہ ترین سوالوں کے سامنے انسانی ضمیر کو لا کھڑا کرنا ہی دقت طلب مسئلہ رہا ہے پھر ہلاکت سے نجات کی تلاش شروع ہا جائے تو جواب انسان کے اندر ہی موجود ہوتا ہے بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ ولوالقی معاذیرۃ ایک شیطانی ماحول ہے کہ ذہنوں میں ایسے سوالات کو ہمیشہ سلاتا ہے، سو کتنے ہوں گے جو قبر سے پہلے ایسے ناگزیر سوالات کو وقت نہ دے سکیں گے؟

وہ لوگ جو طاغوت ازلی وابدی جنگ ان کے ایمان کا حصہ اور زندگی کا سرمایہ ہے اور پاکستان میں بستے ہوئے ان سے یہ بات بھی اوجھل نہیں کہ طاغوت نہ تو کوئی خلائی مخلوق ہے اور نہ بیرون ملک پائی جانے والی سوغات، بلکہ ان کے سروں پر چھائی ایک زندہ اور بھیانک حقیقت ہے وہ ان بھی سوالات کا جواب اس ملک کے بالغ انسانوں کے ''حق رائے دہی'' کے علاوہ اور کیا دے سکتے ہیں؟ اس اہم ترین مسئلہ کے بارے میں اگر سوال بھی واضح ہو جائے اور جواب بھی تو اس کے حکم کے بارے میں ویسے ہی کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

ووٹ کا حکم، طاغوت سے قربت کا ہر راستہ جہنم کو جاتا ہے

عموماً اس نظام کے طاغوت ہونے کا مقدمہ اولی تو بڑی آسانی سے مان لیا جاتا ہے مگر جب اس سے لازم آنے والے امور اور احکام پہ بات ہوتی ہے تو پھر یہ کہہ کر سرے سے پہلے مقدمہ کو ہی مشکوک کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ٹھیک ہے طاغوت تو ہے مگر ایسا بھی نہیں کہ سچ مچ کی ٹھن جائے۔ اس بنا پر ہماری گزراش ہے کہ اس سے پہلے اس ملک کے دو ابواب کو اچھی طرح پڑھ لیا جائے پھر اگر آپ اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس ملک پر جھوٹ موٹ کا طاغوت سوار نہیں بلکہ ویسا ہی ہے جیسا ہوا کرتا ہے تو ہماری آئندہ گزارشات انشاءاللہ فائدہ مند ہو سکیں گی۔

طاغوت کو جان لینے اور پھر اسے ووٹ اور مینڈیٹ دینے کا مطلب سمجھ لینے کے بعد اس کا شریعت میں حکم پوچھنا کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔ اگر آپ یہ علم یہ نہیں بلکہ ایمان رکھتے ہیں کہ یہ نظام باطل

ہے اوراس کے کارساز اللہ کے شریک، جو کہ ننگی فلموں اور طوائف کے کوٹھوں سے ہزار ہا گنا بڑھ کے اللہ کے غضب اوراس کے عذاب کودعوت دینے والا ہے تو پھر ایسے طاغوت کو پانچ سالہ تقریب ولادت میں شرکت جرم کیوں نہ ہوگی؟ جہنم اور ہلاکت کیلنیچب دروازہ ہے تو اسے کھولنے کے لئے زور مارتی خلقت کا ساتھ دینا اور جب وہ کھل جائے روگزرنے والوں کے جرم سے لاتعلقی کا اظہار یا یہ کہنا کہ میں نہ بھی کھولتا تو وہ کھول ہی جاتا، کون سی ایمانی منطق ہے؟ آئندہ صفحات میں ہم اس فعل کی قباحت کے دلائل ذکر کریں گے۔ شدید اختصار کی وجہ سے تصیل کسی اور موقع پر اٹھار کھتے ہیں

باطل کی ہمنوائی

عموماً یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ ووٹ اچھے یا برے نظام کا اختیار ہوتا ہے۔ حالانکہ سبھی امیدوار اسی ایک نظام کے تحت اور اسی کے دائرے میں انتخاب لڑتے ہیں کامیاب ہونے کے بعد اسی نظام کی متعین کی ہوئی حدود سے سرموانحراف کر سکتے۔ اس نظام کا متعین کیا ہوا کرادان کا واضح ترین مقصد ہوتا ہے۔ اسمبلی میں پہنچنے کے بعد اسی آئین اور قانون کے تحفظ کی قسم کھاتے ہیں اور اللہ کے دین کو قانون کا درجہ بھی عطا کر دیں پھر بھی طاغوت ہی رہیں گے۔ غرض پچھلے ابواب میں ان کا جو کفر ہم نے بیان کیا ہے وہ سارا کفر پانچ سال تک رہنے کے لئے یہ نظام ملک کے ہر بالغ انسان کی ایک پرچی کا محتاج ہوتا ہے۔ کہنے کو تو ایک پرچی ہے مگر کسی کو اس کے بارے میں اختلاف نہیں کہ رائج نظام کو پانچ سال تک چلانے کے لئے اصولاً یہ ایک اختیارات کی سند ہوتی ہے۔

قرآن مجید نے صرف طاغوت ہی نہیں "أولياء الطاغوت" کا بھی ذکر کیا ہے کیونکہ طاغوت کو جب تک طاغوتی منصب پر فائز نہ کیا جائے وہ رب بن ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ طاغوت اپنے تقرر کے لئے اولیاء الطاغوت کا محتاج ہوتا ہے۔ اب بتایئے اگر اس ملک کے طاغوت کا چناؤ لوگوں کے ووٹ نہیں کرتے تو اور کیا چیز ہے جو طاغوت کے تقرر کی رسم پوری کرتی ہے؟

طاغوت کے انتخاب کی صورت میں باطل کی یہ ہمنوائی تو بہت بڑی بات ہے اللہ نے ظالمین کی جانب تھوڑے سے جھکاؤ اور میلان ہی کی وجہ سے جہنم کی وعید سنائی ہے ﴿ولا ترکنوا الی الذین

ظلموا فتمسكم النار﴾ ذرا شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ سے اس جھکاؤ کی تفسیر بھی سن لیجئے۔

''ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ولاترکنوا سے مراد میلان بھی نہ رکھو۔ عکرمہ فرماتے ہیں مراد ہے تم ان کی بات نہ مانو، ان سے محبت اور لگاؤ نہ رکھو، نہ انہیں (مسلمانوں کے) امور سونپو مثلاً کسی فاسق فاجر کو کوئی عہدہ سونپ دیا جائے۔ امام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں۔'' جو ظالموں کے ظلم کے لئے دوات بنائے یا قلم تراش دے یا انہیں کاغذ پکڑا دے وہ بھی اس آیت کی وعید میں آتا ہے''۔ (مجموعہ التوحید 116)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ:

''منافق کو صاحب، جناب تک بھی نہ کہو کیونکہ اگر وہ تمہارا صاحب ہے تو تم نے اپنے رب کو ناراض کرلیا''۔ (مجموعہ التوحید از محمد عبدالوہاب ص118 تا 119)

شرک میں معاونت تو خیر بڑی بات ہے سود جو صرف ایک گناہ ہے اسلام نے اس کے لئے جو راستے بند کئے ہیں ذرا ان پر ایک نظر ڈال لیجئے۔ عموماً خیال کیا جاتا ہے کہ صرف سود کھانا حرام مگر رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنئے:

"عن جابر قال لعن رسول الله ﷺ أكل الربا وموكله وكتابه وشاهديه وقال هم سواء" (صحيح مسلم).

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی سود کھانے والے پر، کھلانے والے پر، سودی کھاتہ لکھنے والے پر اور سودی معاملہ میں دونوں گواہوں پر اور فرمایا یہ سب ایک برابر ہیں''۔

آج کے فقیہوں کی نظر خوردبین کیوں نہیں دیکھتی کہ کبھی ایسا ہوا ہے جو سود کی چٹی بھرنے والا ''مجبور'' نہ ہو اور بخوشی پیٹ کاٹنے کے لئے تیار ہو جاتا ہو۔ پھر کھاتہ لکھنے والے اور راہ چلتے گواہ بن جانے والے کس طرح سود سے پیٹ بھرنے والے کے برابر کے مجرم ہو سکتے ہیں؟ اور کیا گواہ یہ نہ سوچ لیتے ہوں گے کہ وہ گواہی بھی نہ دیں تو دوسرے تو دے ہی دیں گے مگر یہ تو کیا اس کے علاوہ کسی اور طریقہ سے بھی اگر اللہ کے اس ایک حکم کی نافرمانی میں کم یا زیادہ معاونت کی جائے اسی حرام اور پھٹکار کی مستحق

ہوگی۔ چنانچہ امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

''یہ حدیث باطل کی مددو اعانت کے حرام ہونے کی دلیل ہے''

اسی طرح شراب ایسے صرف ایک گناہ کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ نے اس کے نچوڑنے، بنانے، خریدنے، بیچنے اور پینے پلانے والوں سمیت دس آدمیوں پر پھٹکار بھیجی ہے۔

"عن أنس بن مالك رضي الله عنه، قال لعن رسول الله ﷺ في الخمر عشرة عاصرها ومعتصرها والمعصورة له وحاملها والمحمولة له وبائعها والمبيوعة له وساقيها والمستقاة حتى عد عشرة من هذا الضرب "(صحيح سنن ابن ماجه للألباني ص 243)

اگر گناہ کی اس ایک بات میں مددگار بننے پر ایسی وعید ہے تو پھر شرک کے نظام کو بنانے یا چلانے میں جو معاونت ہوتی ہے اس پر کس قدر لعنت برستی ہوگی؟ یہ جان لینے کے بعد اگر کسی میں اللہ کے سامنے ایسی جرأت کرنے کا برتہ ہو تو وہ بڑے شوق سے ''چھوٹے کفر'' کا انتخاب کرسکتا ہے۔ مزید جرأت ہو تو اللہ کی مخلوق کو بھی فتویٰ دے کے ساتھ لگا سکتا ہے۔

ووٹ کفر بالطاغوت کے عقیدہ کے منافی ہے

غیر اللہ کے انکار کے لئے طاغوت کی ہمنوائی ترک کردینا تو ضروری ہے ہی، جیسا کہ پچھلے نکتے میں واضح کیا گیا ہے، مگر یہ غیر اللہ کے انکار کی صرف ایک ہی شق ہے۔ اب اس کی دوسری شق ہے کہ اس سے بڑھ کر طاغوت سے کفر اور مخاصمت بھی کی جائے۔

﴿وقد أمروا أن يكفروا به﴾ [النساء :60].

''جبکہ ان کو طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا''

سو یہ کہنا انتہائی مضحکہ خیز ہے کہ زبان سے تو طاغوت کے ساتھ کفر ہو مگر عملاً اسے منتخب تک کرلیا جائے تو اس میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ اہل سنت کے ہاں ایمان قول اور عمل کا نام ہے اور ایمان سے عمل کو خارج کردینا مرجئہ کا عقیدہ ہے لہذا کفر بالطاغوت دل، زبان اور عمل ہر لحاظ سے فرض

ہوگا۔ یہ ایک ایسی دلیل ہے کہ اصول اہل سنت سے واقف انسان اس کا انکار ہی نہیں کرسکتا،

اب اگر طاغوت سے کفر کا مذکورہ بالا مطلب سمجھتے ہیں بتائیے کفر بالطاغوت اور انتخاب طاغوت بیک وقت جمع کیوں کر جمع ہوسکتے ہیں!؟

"من تشبه بقوم فهو منهم"

انتخابات کے اس جاہلی ناٹک میں عملی شرکت اس حدیث کی رو سے دو بنیادوں پر ناجائز قرار پاتی ہے۔ ایک یہ کہ یہ جاہلی عمل مسلمانوں میں نہ تھا بلکہ کفار اور یہود ونصاریٰ سے نہ صرف آیا بلکہ ابھی تک انہی کی تقلید میں یہاں چلتا ہے اس وجہ سے یہ یہود ونصاریٰ کی مشابہت ہے۔ پھر یہاں کے جاہل اس کام کو پورے قومی، وطنی اور جاہلی اہتمام سے بجالاتے ہیں اس وجہ سے یہاں کے اہل باطل اور فساق میں مشابہت ہوتی ہے۔

رہا یہ مسئلہ کو تشبہ صرف نیت کرنے سے ہوتا ہے تو عرض ہے کہ نیت سے تشبہ کا گناہ دو چند ضرور ہوجاتا ہے مگر صرف عمل سے بھی اس حدیث کی رو سے ممنوع ہے بلکہ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایسے مسلمانوں کو یہود ونصاریٰ کے جس تشبہ سے روکا گیا تھا وہ عملی ہی تھا ورنہ عمداً اور نیت کے ساتھ تشبہ کرنے کی تو ایسے ہی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے توقع نہ تھی۔

اہل جاہلیت کی مخالفت کرنا واجب ہے

اسلام نے صرف اتنا ہی نہیں کہا کہ یہود ونصاریٰ اور فساق وفجار کی مشابہت ترک کردی جائے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ بھی واجب قرار دیا ہے کہ قصداً ان کی مخالفت کی جائے اور جیسے وہ کرتے ہوں عمداً اس کے برعکس کیا جائے۔ یہ مسئلہ بہت معروف ہے اور گنجائش نہ ہونے کی سبب اس کی تفصیل یہاں ممکن نہیں۔

مسلمان ہر نماز کی ہر رکعت میں انبیاء وصالحین او رصدیقین وشہداء کا راستہ پانے کی دعا کرتا ہے اور مغضوب علیہم (یہود) اور ضالین (نصاریٰ) کے راستے سے پناہ مانگتا ہے۔ اہل جاہلیت کے راستے سے یہ نفرت وپناہ جوئی اعتقادی تو ہے ہی عملی بھی ہوتی ہے۔ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

''ظاہری عمل میں (غیر مسلموں کے) خلاف کرنا (دونوں ملتوں کے) اس امتیاز کو نمایاں کرتا ہے جو انسان کو اللہ کے غضب اور ضلال کے اسباب سے محفوظ رکھتا ہے اور اہل ہدایت ورضوان سے عقیدت بڑھاتا ہے پھر اللہ نے کامیابی کی مستحق اپنی جماعت اور اپنے بد بخت دشمنوں کے مابین موالات پر جو حرمت کی ابدی لکیر پھیر دی ہے اسے زندہ کرتا ہے۔'' (اقتضاء الصراط المستقیم ص 11)

معصیت اور عذاب کی جگہوں سے دور رہنا فرض ہے

امام ابن قیمؒ مسجد ضرار کے واقعہ سے استنباط کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''انہی احکام میں یہ بھی شامل ہے کہ معصیت کی ان جگہوں کو جلا دیا جائے جہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی ہوتی ہو، اس میں گرانا بھی آتا ہے، جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے مسجد ضرار کو جلایا تھا جبکہ یہ مسجد تھی، اس میں باقاعدہ نماز ادا کی جاتی تھی، اللہ کا نام لیا جاتا تھا لیکن وجہ یہ تھی کہ اس کا مقصد تاسیس مسلمانوں کو ضرر پہنچانا اور تفرقہ وانتشار پیدا کرنا تھا، پھر وہ منافقین کی پناہ گاہ بھی تھی، اب جو چیز بھی اس طرح کی ہوگی خلیفہ کا فرض بنتا ہے کہ وہ اسے ختم کردے چاہے تو مسمار کردے یا نذر آتش کردے اور چاہے تو اس کی ہیئت بگاڑ کے یا تبدیل کر کے، جس سے اس کا مقصد فوت ہو جائے، باقی رکھ لے۔ اب مسجد ضرار کا یہ حکم ہے تو شرک کے وہ اڈے تو ایسا حشر کئے جانے کے زیادہ قابل ہیں جس کے مجاور اپنے پیشواؤں کی ربوبیت کی ہی دعوت دیتے ہیں''۔ (زادالمعاد:5713)

اندازہ کر لیجئے کے اڈوں کی یہ بات امام ابن قیمؒ کے دور کی ہے آج شرکیہ اڈے جو چہار سو پھیلے ہوئے ہیں اور حاکمیت میں اللہ کے ساتھ شرک کے مہا اڈے کو ایک نظر برداشت کرنا کیونکر روا ہو سکتا ہے؟ ایسے معصیت کے کام اور جگہیں جہاں اللہ کا عذاب آ سکتا ہو ایک صاحب عقیدہ مسلمان کے لئے نیک نیتی سے بھی کیوں نہ ہو، وہاں جانا درست نہیں۔

امام نوویؒ صحیح مسلم کی اس حدیث کا ذکر کرنے بعد جس میں کعبہ پر چڑھائی کرنے والے لشکر کی تباہی کی پیشن گوئی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہ اس میں وہ لوگ بھی مارے جائیں گے جو ان کے جرم میں کسی طرح بھی شریک نہ ہوں گے بلکہ اس وقت ان کے ساتھ اس جگہ موجود ہوں گے، فرماتے ہیں:

من كثر سواد قوم جرى عليه حكمه فى ظاهر عقوبات الدنيا . (شرح النووى لصحيح مسلم 7:18) .

''جو شخص کسی قوم کی کثرت اور رونق بڑھاتا ہے دنیا کی ظاہری عقوبات میں اس پر انہی کے حکم کا اطلاق ہوتا ہے''

''اس میں اہل ظلم سے کوسوں دور رہنے اور دیگر باغیوں کی ہم نشینی سے خبردار رہنے کا حکم دیا ہے تا کہ جب ان پر عذاب آئے تو آدمی محفوظ رہے''

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول کو مسجد ضرار کے بارے میں وہ حکم آتا ہے ﴿**ولا تقم فیه أبدا**﴾ کہ اے نبی! تم اس میں کھڑے تک نہ ہونا'' کیونکہ وہ عذاب کی جگہوں میں آتی تھی۔ جس پر کہ ﴿**علی شفا حرف هار فانهار فی نار جهنم**﴾ کے لفظ دلالت کرتے ہیں۔

اب جب شریعت نے ایسی جگہ تک جانے میں کفار کے ساتھ شرکت سے منع فرمایا ہے جہاں ان پر عذاب نازل ہو چکا ہو تو ان کے ان اعمال ہی میں شرکت کے بارے میں کیا خیال ہے جن کے کرنے کی بنا پر وہ آئندہ عذاب کے مستحق ہیں؟ اگر یہ کہا جائے کہ یہ عمل جو وہ کرتے ہیں اس میں ان کی مشابہت مطلوب نہ ہو تو وہ حرام نہ ہوگا اور ہمارا مقصد ان سے تشبہ نہیں، پھر اسی طرح اگر ان کے پیچھے چلنا مقصود نہ ہو تو صرف اس جگہ چلے جانے میں کوئی معصیت نہیں جبکہ ہمارا مقصد اس میں بھی ان کی مشابہت کرنا نہیں تو (بات یہ ہے کہ) ان جگہوں پر چلے جانے کی بہ نسبت ان جگہوں پر سرد ہونے والے کام میں شرکت عذاب کی زیادہ مستحق ہے کیونکہ ان کے وہ تمام کام جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے کام نہیں یا تو کفر ہیں یا معصیت یا شعار معصیت یا کفر و معصیت کا پیش خیمہ اور پھر یا معصیت تک پہنچانے والے ہوں گے۔ میرا نہیں خیال کہ ان تمام باتوں میں کسی کو اختلاف ہو سکتا ہے، پھر اگر اس میں کوئی اختلاف کرلے تو بھی اس بارے میں تو اختلاف ممکن ہی نہیں کہ ان امور میں کفار کی مخالفت (برعکس کام) کرنا افضل اور کفر و معصیت کے کاموں میں ان کی مخالفت ایسے فرض سے قریب تر ہے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم:80:79)

سدالذرائع

اسلام نے برا کام ہی ممنوع قرار دیا اس کی طرف جانے والے سب راستے اور دروازے بھی بند کردئے ہیں۔ جس طرح نماز ایسی نیکی کے کام کے لئے اسلامی معاشرہ میں ہونے والے تمام انتظامات واجبات اور مستحبات میں شمار ہوتے ہیں اسی طرح برائی کی راہ ہموار کرنے والے تمام مقدمات اور انتظامات بھی ممنوع ہیں۔ چنانچہ جہاں یہ فقہی قاعدہ ہے کہ مالم یتم الواجب الا به فهو واجب وہ چیز جس کے بغیر فرض کی ادائیگی ناممکن ہو تو خود بھی فرض ہوتی ہے، وہاں یہ بھی ہے مادی الی الحرام فهو حرام ''جو چیز حرام کا سبب بنتی ہو وہ بھی حرام ہوتی ہے'' اس بنا پر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ طاغوت کو منتخب کرنا صحیح اس کا منتخب ہونا غلط ہے جبکہ یہ ایک سکے کے دو رخ ہیں۔

طاغوت کا انتخاب تو بہت بڑی بات ہے فقہائے اسلام نے تو اس اصول (سدالذرائع) کی رو سے انگور، جو کہ خود بھی حلال ہے اور اس کی خرید وفروخت بھی، ایسے شخص کو فروخت تک کرنا حرام قرار دیا ہے جو اس سے شراب بناتا ہو۔ اسی طرح ایک بدکار انسان کو اسلحہ کی فروخت بھی ممنوع ہے۔ پھر فتنہ کے وقت بھی اسلحہ کی فروخت ممنوع ہو جاتی ہے جبکہ فی نفسہ اس کو رکھنا یا بیچنا حلال ہے۔ اس باب میں علماء اسلام کی تصنیفات کھنگال لیجئے کہیں ایسی گنجائش نہیں ملتی کہ جب پتہ ہو کہ شراب بنانے والا ہزار جگہوں سے انگور خرید سکتا ہے میں فروخت بھی نہ کرو تو دوسرے کردیں گے۔ یہ سوچ کر اسے بیچ دیا جائے کہ شراب بننے سے تو اب رک نہیں سکتی، کیوں نہ اس سودے کے نتائج کو اپنے حق میں کرلیا جائے؟ ووٹ کو صرف ایک پرچی سمجھنے والے کیا نہیں دیکھتے کہ مذکورہ بالا سبھی چیزیں حلال تھیں مگر حرام مقصد کی وجہ سے خود بھی ممنوع ہو گئیں؟ جبکہ حرام مقصد بھی دینے والے کا نہیں صرف لینے والے کا تھا۔

﴿والذين لا يشهدون الزور واذا مروا باللغو مروا كراما﴾ [الفرقان: 72].

''رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو باطل اور فریب کے تماشائی نہیں بنتے اور کسی بے ہودہ ولغو چیز پر ان کا گزر (بھی) ہو جائے تو (اک معززانہ شان بے نیازی سے) گزر جاتے ہیں''

اس آیت کی تفسیر میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں: ''یہ مشرکین کے جشن اور عیدوں کے بارے

میں ہے'' عکرمہؒ فرماتے ہیں: یہ ایک کھیل تھی جو جاہلیت کے زمانے میں کھیلی جاتی تھی'' ضحاک کہتے ہیں: ''مراد ہے شرک کی بات'' امام ابن تیمیہ کہتے ہیں: ''جب اللہ تعالیٰ نے اس (زور ولغو) کا نہ دیکھنا ہی قابل ستائش بتایا ہے، جو کہ صرف اتنا ہے کہ ایسی جگہ پر جاکے کچھ سن یا دیکھ لیا جائے، پھر خالی دیکھنے کی بات تو رہی ایک طرف اس بارے میں کیا خیال ہے کہ اس سے بڑھ کر ایسا عمل ہی کرلیا جائے جو کہ بجائے خود عمل زور میں آتا ہے؟ (اقتضاء الصراط المستقیم:178)

روم اور ایران کی جنگ

کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے روم اور ایران کی جنگ میں روم کی حمایت کی تھی اس لئے ہم بھی انتخابات میں چھوٹے کفر کی حمایت کرنے کے مجاز ہیں۔ یہ شبہ دو غلط فہمیوں پر مبنی ہے۔

(1) اول تو یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ رسول اکرم ﷺ نے رومیوں کی کسی طرح کی حمایت کی تھی، حدیث کی کسی روایت میں یہ آیا ہو کہ آپ ﷺ نے رومیوں کی کسی طرح کی مدد فرمائی تھی یا زبان کی حد تک حمایت کا اعلان فرمایا تھا؟ ایسی کسی بھی بات کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے نہ ثبوت فراہم ہو سکتا ہے۔ واقعہ صرف اتنا ہے کہ ایرانیوں کی فتح پر قریش خوش ہوتے تھے اور رومیوں کی فتح پر مسلمان، علمی امانت سے کام لیا جائے تو اس سے بڑے کافر کی شکست پر خوش ہونے کا جواز ہے۔ رہا کسی کفر کا ہاتھ بٹانا، ساتھ دینا یا زبان کی حد تک ہی تائید کرنا تو ایسے کسی بھی واقعہ کا اگر اللہ کے رسول ﷺ پر دعویٰ کیا جاتا ہے تو وہ آپ ﷺ پر بہتان ہے اور اگر ایسا دعویٰ نہیں کیا جاتا تو پھر سرے سے مسئلہ ہی نہیں بنتا۔

(2) دوسری غلط فہمی ووٹ اور مینڈیٹ کا مطلب نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ یہ فرض کرلینے کے بعد کہ رسول اکرم ﷺ نے رومیوں کی تائید کی تھی ووٹ کو بھی ویسی ہی تائید سمجھ کے جائز کرلیا جاتا ہے۔ سو نہ پہلا مقدمہ درست ہوتا ہے اور نہ دوسرا۔ جبکہ ووٹ ایک جاہلی نظام میں اس کے شہریوں کی شرکت اور خود طاغوتوں ہی کا انتخاب ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں اس بات کی ابتداء میں ووٹ کا مطلب دوبارہ دیکھ لیا جائے۔

چھوٹا کفراور کمتر برائی

کفر چھوٹا ہو یا بڑا جب اس کا مطلب معبود برحق کی بغاوت ہے تو اسے اپنی نمائندگی کا حق تفویض کرنا تو بہت ہی بڑی بات ہے ہمارے دین کی تعلیم یہ ہے کہ نہ صرف اس سے براءت کی جائے بلکہ اس پر تیشے چلانے کے لئے بھی تیار رہا جائے۔ کفر بالطاغوت کے ضمن میں ہم نے وضاحت کی ہے کہ چونکہ ایمان سے عمل خارج نہیں اس لئے ہر قسم کے طاغوت سے اعتقاداً قولاً اور عملاً کفر کرنا فرض ہے۔ چھوٹے کفر کا انتخاب جائز قرار دینے والے علماء، اساتذہ کرام سے حد درجہ احترام سے درخواست ہے کہ اس سلسلے میں چین بھارت یا ریچھ کتے کی لڑائی کی بجائے شرعی دلیل سے مستفید فرمائیں۔

یہ مسئلہ تو سرے سے زیر بحث ہی نہیں کہ ایک کفر بہ نسبت دوسرا بدتر ہو سکتا ہے یا یہ کہ جائز طریقے سے ایک کفر سے دوسرے کو مروایا جا سکتا ہے یا نہیں۔ دلیل تو صرف اس بات کی چاہئے کہ ایسے کسی مقصد کے لئے باطل نظام کے تحت کفر کو منتخب کرنا، اپنی نمائندگی کا حق تفویض کرنا اور اللہ کے ساتھ شرکت کے منصب پر تقرر کے لئے سند دینا بھی جائز ہو جاتا ہے۔ اسی مؤخر الذکر مسئلہ پر کوئی جواز کی دلیل پیش کی جائے تو بحث فائدہ مند ہو سکتی ہے۔ رہا اول الذکر تو اس پر بحث ہی کس نے کی ہے تا آنکہ جواب یا دلیل دینے کی نوبت آئے؟ جہاں تک اخف الضررین (کمتر برائی) کے مسئلہ کا تعلق ہے تو دراصل یہ مصالح اور مفاسد کی ترجیح کی بیناد پر ہی ہوتا ہے اس بارے میں درخواست ہے کہ گزشتہ باب میں مصلحت پر ہماری گفتگو اچھی طرح پڑھ لی جائے۔

رہی یہ بات کہ کفر کو تشریع مالم یاذن بہ اللہ کا حق نہ دے کہ ہم بڑے کفر کی راہ ہموار کر رہے ہیں تو سوال یہ ہے کہ دنیا کب چھوٹے اور بڑے کفروں سے خالی رہی ہے؟ پھر یہ اصول کس فقیہ نے استنباط کیا ہے کہ جب بھی کبھی دو بدمعاشوں کی طبعیت جنگ وجدل کے لئے کسمسائے تو وارثان نبوت پر فرض ہو جاتا ہے کہ اپنا پورا وزن کمتر بدمعاش کے پلڑے میں ڈال دیں؟ ذرا اس اصول کو دنیا کے فسادات میں ''اسلامی کردار'' ادا کرنے کے لئے لاگو کیجئے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ آپ کس دلدل میں پھنس گئے ہیں۔ باطل کا بالکلیہ انکار اور طاغوت سے کفر جو اللہ نے فرض کیا ہے اس عہدہ برآں ہونے

کے لئے ایسے وقت کے انتظار کی آخر کیا دلیل ہے، جب جہاں بھر کے چھوٹے بڑے کفر سائز میں ایک سے ہو جائیں گے۔ اور تاوقتیکہ ایسا نہ ہو باطل اور کفر کا بالکلیہ انکار معلق رہے گا!؟

جمہوریت کی سپیئر پارٹ اسمگلنگ

ایک ''فقہی'' نکتہ اٹھایا جاتا ہے کہ ووٹ کو باقی نظام سے الگ کر کے دیکھنا چاہئے کیونکہ جب اس میں اصل برائی قانون سازی ایسا شرک ہے تو صرف اسی کو برا اور غلط کہنا چاہئے جبکہ ووٹ بہر حال اس میں نہیں آتا۔

کسی ملک کے کسٹم قوانین سے کھیلنے کیلئے عموماً مشین کو الگ الگ پرزوں کی صورت میں اسمگل کر لیا جاتا ہے۔ سو جمہوریت کو بھی داخل اسلام کرنے کے لئے یہ تدبیر کی جاتی ہے آپ نے ووٹ حلال کر دیا دوسرے نے امیدواری اور ممبری جائز کر دی تیسرا ذرا اس سے زیادہ بے تکلف ہو گیا تو وزارت ایک بدعنوان آدمی سے بچا کر اپنے پاس رکھ لی۔ دلیل سب ہی کے ہاتھ کہیں نہ کہیں سے لگ جائے گی، آخر جمہوریت کے جوڑ کھول دیئے تو اب اس کی ہر چیز الگ الگ حیثیت میں دیکھی جائے گی۔ حرام یہ تب ہوگی جب پوری ہو اور پوری جمہوریت کو دیکھنے سے ممانعت کر دی جائے گی۔

(1) جہاں تک ووٹ کو معمولی سمجھنے کا تعلق ہے اور خاص طور پر یہ کہنا کہ ایک ہمارے ووٹ سے تو اسمبلی قائم نہیں ہوتی تو عرض یہ ہے کہ فتویٰ سب کے لئے ہوتا ہے اور سب کے ووٹوں سے ہی اسمبلی وجود میں آتی ہے۔ اگر ہر آدمی کے لئے اس بنا پر ووٹ حلال کیا جائے کہ اس کے ووٹ سے کوئی فرق نہیں پڑے گا تو ایسے تفقہ کی داد دینی چاہئے کہ اسمبلی بھی تشکیل پا گئی اور کسی ایک فرد کا گناہ تک بھی لازم نہ آیا۔ آخر افراد کے مجموعہ کے مینڈیٹ سے ہی تو اسمبلی وجود میں آتی ہے۔ یہ فقاہت بالکل ایسی ہے کہ شراب چونکہ نشہ آوری کی بنا پر منع ہے اس لئے اس کی صرف وہ مقدار حرام ہوگی جو نشہ کر دے، رہی اس سے کم مقدار تو اس پر کوئی قدغن نہیں۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام (صحیح سنن ابن ماجہ للالبانی)

(2) رہی یہ بات کہ اللہ کی شریک اسمبلی بننا غلط ہے اسے ووٹ دینے میں کوئی حرج نہیں تو

سوال یہ ہے کہ ووٹ تفریح طبع کے لئے تو بہرحال نہیں ڈالے جاتے۔ آخر اسمبلی کے قیام کے علاوہ ووٹ کا کیا مقصد ہے؟

(3) گزشتہ ابواب میں ہم نے اس بات کی خاصی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قانون سازی وتشریع کا حق صرف استعمال کرنا نہیں بلکہ اسے رکھنا ہی شرک ہے۔ اب جب اسمبلی قانون نہ کرتے ہوئے بھی طاغوت ہوتی ہے اور ووٹ کا مقصد اس اسمبلی کی تاسیس کے علاوہ کچھ بھی نہیں تو ووٹ کو الگ کر کے دیکھنے میں آخر کونسی قباحت ہے؟

(4) پھر کوئی آدمی اس بات سے بھی انکار نہیں کر سکتا کہ اس نظام شرک میں ایک عام شہری کی عملی طور پر موثر ہونے والی شرکت کے علاوہ کچھ ہی نہیں ہے۔ پانچ سال تک چاہے آپ مخالفت میں بولتے رہیں یا حمایت میں ایک عام آدمی کی حیثیت سے اس میں آپ کا عملی کردار ان پانچ سالوں میں صرف ایک دن خاص لمحے کے لئے ہی ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ آپ کچھ کر ہی نہیں سکتے جسے حرام یا حلال کہا جائے۔ اب اس میں جو زیادہ سے زیادہ عملی کردار ممکن ہے اس میں تو آپ اور عقیدہ سے جاہل آدمی ایک برابر ہو گئے پھر باقی کیا بچا جس سے پرہیز کیا جائے؟

عوام کی جہالت

کہا جاتا ہے کہ اس نظام کی حقیقت کے بیان میں جو تم خامہ فرسائی کرتے ہو اور اس میں ووٹ کی حیثیت بتاتے ہو کون شخص یہ سوچ کر اس میں شرکت کرتا ہے کہ وہ طاغوت کا انتخاب کر رہا ہے؟ یہ بات تو ان کے ذہنوں میں ہوتی تک نہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر لوگ نہیں جانتے تب ہی تو ان کے سامنے اس نظام باطل کی حقیقت آشکارا کرتے اور انہیں اس میں شرکت سے روکتے ہیں۔ اگر آپ بھی اسے شر و باطل سمجھتے ہیں تو خود بھی آگے بڑھ کر ﴿أن اعبدوا اللّٰہ واجتنبوا الطاغوت﴾ ایسی دعوت کی سنت انبیاء پر عمل کا بیڑا اٹھائیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ حق اور ناحق کے مسئلے میں کسی کا علم یا لاعلمی خود اس کے لئے قابل عذر

ہونے کی حد تک تو زیر بحث ہو سکتی ہے اس سے حلال و حرام تبدیل نہیں ہوا کرتے بلکہ اس صورت میں یا ان حق ناگزیر ہو جاتا ہے۔

پھر تیسری بات یہ ہے عوام الناس کسی حکم کو اطلاق تو زیر بحث ہی نہیں لیکن اگر ایسی لاعلمی یا لاپرواہی حجت بھی ہو جایا کرے تو دنیا میں کون سی برائی برائی رہ جائے گی؟ ووٹ دینے کا مسئلہ تو پھر چھوٹا ہوگا یہ جو مزارات پر انسانوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ شرک بواح کرتے نظر آتے ہیں ان میں ایسے کتنے ہوں گے جو اپنے فعل کا پورا مطلب جانتے ہیں؟ ہندوستان کے وہ "مسلمان" جو تاج برطانیہ کے لئے پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں اپنے خون کے نذرانے پیش کرتے رہے ہیں وہ کس بصیرت کی بناء پر شیطان کی راہ میں مرتے رہے ہیں؟ عوام الناس کا سمجھنا یا نہ سمجھنا اگر حق و باطل میں تمیز کی کسوٹی تسلیم کر لیا جائے تو پھر اللہ کی طرف سے آئی کتاب کا کوئی اور ہی کام تجویز کرنا پڑے گا۔

اسمبلی میں کوئی اچھا آدمی نہیں رہے گا

بقول امام مودودی "اکثر یہ اندیشہ پیش کیا جاتا ہے کہ اگر ہم اسمبلیوں سے پرہیز کریں تو ان پر غیر مسلم قابض ہو کر نظام حکومت سے تنہا مالک و متصرف بن جائیں گے اور اگر نظام باطل کے کل پرزے ہم نہ بنیں تو دوسرے بن جائیں گے اور اس طرح زندگی کے سارے کاروبار پر قابض ہو کر وہ ہماری ہستی ہی کو ختم کر دیں گے، حتیٰ کہ اسلام کا نام لینے والے باقی ہی نہ رہیں گے تم ان سے خطاب کر سکو۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ اندیشے جتنے ہولناک ہیں اس سے زیادہ خام خیالی کے نمونے ہیں اگر ہم نے کہا ہوتا کہ صرف ایک حقی پالیسی اختیار کر کے مسلمان زندگی کا سارا کاروبار چھوڑ دیں اور گوشوں میں جا بیٹھیں تو یہ اندیشے ضرور کسی حقیقت پر مبنی ہوتے .... لیکن ہم اس نفی کے ساتھ ساتھ ایک اثبات بھی تو پیش کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ مسلمان اس نظام کے ساتھ سازگاری کرنے کی بجائے دنیا میں نظام قائم کرنے کے لئے منظم سعی شروع کر دیں اور دوسری قوموں کے ساتھ اپنے دنیوی مفاد کے لئے کشمکش اور مزاحمت کرنے کی بجائے ان کے سامنے وہ دین حق پیش کریں جس کی پیروی میں تمام انسانوں کی فلاح ہے اور قرآن کے ذریعہ، سیرت رسول ﷺ کے ذریعہ سے اور اخلاق اسلامی کے

ذریعہ سے دنیا میں فکری، اخلاقی ۔معاشی اور تمدنی اور سیاسی انقلاب برپا کرنے کی کوشش کریں"۔
(تحریک آزادی ہند اور مسلمان حصہ دوم ص230تا231)

اگرچہ ہمیں اندازہ ہے کہ عام لوگوں پر ہماری دعوت کا کتنا اثر ہوسکتا ہے تاہم اگر دین خالص کی بصیرت کے حاملین کی اتنی تعداد ہو جائے جو انتخابات کے نتائج پر اس حد تک اثر انداز ہوسکے کہ ان کے ووٹ نہ دینے سے اسمبلی متاثر ہو جاتی ہو تو وہ دن اس معاشرے کی خوش بختی کا ہوگا، کہ ایسے دن کے لئے تو چشم فلک بھی ترستی ہے۔اہل توحید کا عقیدہ صرف ووٹ نہ دینے کا سبق ہی نہیں دیتا انبیاء کی سنت میں معاشرے کے اندر حق اور باطل کی کشمکش بھی تو کھڑی کرتا ہے۔اس کشمکش کے لئے باطل کے چہرے سے اسلامی ملمع کاری کی تہیں کھرچنا خاص طور پر ضروری ہوتا ہے۔

جہاں تک اسمبلی میں "اچھا" آدمی نہ رہنے کا سوال ہے تو ایک بات تو یہ ہے کہ اسمبلی میں جانیوالا اچھا ہوتا کہاں ہے؟ پھر اگر اس پر بات نہ کی جائے تو بھی اسمبلی کے حسن وجمال کی فکر تو اسے لاحق ہو جو اس پر ایمان رکھتا ہو اور اس کی زیبائش کی خاطر اس میں کچھ دیندار پیش باقی رہنا ضروری خیال کرتا ہو۔اسلام کے لئے سب سے زیادہ ناقابل برداشت امر تو یہی ہے کہ باطل کی عمارت پر حق کا چینٹ کردیا جائے یا غلاظت کے ڈھیر پر اسلام کا ورق سجایا جائے۔اگر اس ناقابل برداشت امر کی راہ روکنے میں آپ کوئی کردار ادا کرنے کی پوزیشن میں ہیں تو تردد کس بات کا؟

ہمارے ووٹ نہ دینے سے کیا ہو جائے گا

اس کا مختصر جواب اگرچہ یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ آپ کے ووٹ ڈالنے سے بھی کیا ہو جائے گا، مگر ایسے موقع پر مومنانہ اظہار بے نیازی ہی دین کا تقاضا ہے۔

اسلام عرش سے نازل ہونے والا بابرکت وباعزت دین اور اصولی عقیدہ ہے۔پوری خلقت اللہ رب العزت کیلئے آمادہ اطاعت ہو جائے یا نافرمانی پر تل جائے اسلام کی صحت پر تو اس کا کیا اثر ہوگا اس کا معمولی سے معمولی حکم بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹایا جاسکتا۔اس کے لئے جائز وناجائز کا تعین زمین پر بسنے والے کر ہی نہیں سکتے۔یہ تو انسانوں کی اپنی آزمائش کے لئے آیا ہے۔سو جاہلیت کے نہ ماننے کے

ڈر سے اس کے پیچھے لائن میں لگ جانے کے لئے اپنی عافیت کی فکر اسے کبھی نہیں ہوئی۔

﴿انی أخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم﴾ [یونس: 15]۔

اس پر ایمان لانے والوں کو بھی اپنے عقیدہ کی عظمت و بے نیازی پر ایسا یقین ہوتا ہے کہ دریاؤں کے رخ بدلنے اور پہاڑوں کے دل چیرنے کے عزم لے کر معاشرے میں اترتے ہیں۔پھر اپنے دین کی حقانیت، اپنے ایمان کی پختگی اور اپنے رب کی توفیق سے بسا اوقات اس انہونی کو بھی ہونی کر دیتے ہیں اور اپنے عزم کو ایک زندہ و محسوس اور جیتی جاگتی حقیقت کا روپ بھی دے دیا کرتے ہیں۔ایسا نہ بھی ہوسکے تو انہیں ملال ان نتائج کے عدم حصول کا نہیں ہوتا ﴿فاستقم کما أمرت ومن تاب معک﴾ ایسے حکم کی تعمیل میں کوتاہی کی فکر پریشان کرتی ہے۔اس لئے پوری ایمانی بصیرت کے ساتھ جاہلیت کی اس ملک گیر رسم میں شرکت سے صاف انکار کر کے انسانوں کے ذہنی معیاروں کو طمانچہ رسید کیا جاسکے تو کسی کے لئے چاہے کچھ بھی نہ ہو ان کے لئے تو یہ ایک سعادت ہے۔مگر اس کی قدر صرف آگ سے بچنے کی فکر رکھنے والوں کو ہی ہوسکتی ہے۔

پہلے متبادل دیجئے

اگر آپ اس نظام کو باطل تسلیم نہیں کرتے تو اور بات لیکن اسے باطل تسلیم کر کے متبادل لانے کا چیلنج دینا یہی معنی رکھتا ہے کہ کفر اور باطل کا متبادل نہیں ہوا کرتا۔متبادل کا پیشگی تقاضا گویا ایسے ہی ہے کہتا آنکہ یہ پیش نہ کیا جائے "ہم ایمان لانے کے نہیں" دین برحق کو اپنانے کے لئے باطل کو چھوڑ دینا ہی تو باطل کا متبادل ہے۔آپ جو یہ حل دوسروں سے طلب فرما رہے ہیں وہ تو خود آپ کے پاس ہے۔

وہ دیندار حضرات جو لاجواب کر دینے والے انداز میں جمہوریت کا متبادل طلب فرماتے ہیں خود انہیں نے سود اور اس جیسے بے شمار خبائث کا کونسا "متبادل" پیش کر دیا ہے جو انہیں ختم کرنے کے صبح وشام مطالبے کیا کرتے ہیں؟

اسلام سے حل پیش کرنے کے مطالبے کا مذاق نہیں تشویشناک بات یہ ہے کہ اس جاہلی مطالبے میں اچھے خاصے معقول لوگ بھی شامل ہو جاتے ہیں۔دنیا کے نظام ایک دوسرے کے متبادل

ہوں تو ہوا کریں مالک الملک کے دین کو تبادل مان لینے سے زیادہ اس کی کیا اہانت ہوگی؟ سوچا توں کے رب سے تبادل نہیں طلب کیا جاتا بلکہ پورے ادب کے ساتھ اس سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ جہنم کے عذاب سے بچنے کے لئے ہمارا فرض کیا ہے؟ سارا فرق "تبادل" اور "فرض" دریافت کرنے میں مضمر ہے۔ اسلامی تبادل کا مطالبہ تو دین برحق کے ساتھ محض دل لگی ہے جہاں جو اپنا فرض دریافت کرنے کے لئے اسلام کی چوکھٹ پر آتا ہے خدا اسے خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا۔

دراصل ایسا مطالبہ کرنے والے حضرات کی خواہش ہے کہ معاشرے کا یہ ڈھب تو جوں کا توں رہے اس پر جو شیطان مسلط ہیں ان پر بھی ہاتھ ڈالا جائے، اس کے شب و روز بھی یونہی رہیں، جشن میلے بھی چلتے رہیں، کوئی بھی بڑی تبدیلی بھی نہ کرنی پڑے، اس میں موجود باطل عقائد اور افکار پر بھی تیشے نہ چلیں، اس کے تہذیب و تمدن کو بھی مسخ نہ کرنا پڑے، نظام تعلیم بھی ویسے کا ویسا رہے اس کے معیاروں کو بھی ختم نہ کیا جائے، اس کی قدروں کو بھی پامال نہ کیا جائے غرض اس کی شکل و صورت پر بھی کوئی آنچ نہ آنے پائے ـــــــ غرض یہ سب کچھ رہتے ہوئے اگر کوئی اسلامی حل پیش کر دے تو حصہ [illegible] حاصل کر سکتا ہے آخر یہ سوال کیوں نہیں کیا جاتا کہ دوزخ کے کنارے پر یہ ایستادہ عمارت ڈھیں [illegible] کیونکر ہو؟ اسلام کی فطرت سے ناواقف کیا جا نہیں کہ جاہلی نظام میں اس کا سامنا تو درکنار ایمان اور تقویٰ کی عمارت کے لئے تو شرک کا ملبہ تک کام میں نہیں آیا کرتا اور اللہ کے دین کی اقامت ایسی بنیاد اٹھانے کے لئے ایک ایک فرد کو پاک صاف کر کے جاہلیت کے اندھیروں سے ہدایت کے نور میں لایا جاتا ہے۔ طاغوت کے اس ڈھانچے کو ختم کرنے کی بجائے اسے اسلامی لباس کا ضرورت مند سمجھنے والے ہزار سال تک بھی صحرا نوردی کا شوق پورا کرنا چاہیں تو نہ کر سکیں گے۔

رہی یہ بات اس فرض کی بجا آوری کیونکر ہو تو سوال یہ ہے کہ رسولوں کی بعثت کے بعد کوئی حجت تو باقی نہیں رہی اب وہ لوگ کہاں ہیں جو اللہ کی غیر مشروط اطاعت و بندگی کے لئے کتاب اللہ سے اپنا فرض دریافت کریں اور اسے ادا کرنے کے لئے ہر وہ قیمت چکانا اپنے لئے باعث سعادت خیال کریں۔ جس کا دین ان سے تقاضا کرتا ہو؟ اسلامائزیشن کے ڈھونگ نے اچھے بھلوں کے ذہن سے یہ

حقیقت بھی اوجھل کر دی ہے کہ اسلام سے مجرموں کے مطالبے تو ہر دور میں ہوتے رہے ہیں مگر اسلام نے خود کو کسی کے مطالبے کا پابند نہیں کیا۔ ہاں اپنا مطالبہ پورا کرنے کی شرط ہر ایک پر عائد کی ہے جسے ایمان، اطاعت، فرمانبرداری، خود سپردگی، غلامی و بندگی ایسے الفاظ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اب جو لوگ اپنی عبودیت کا ایسا اظہار کریں کہ اسلام ہمارے تقاضوں کا غلام نہیں بلکہ ہم اس کے اشاروں پر چلنے کے پابند ہیں تو ایسے لوگوں کے لئے تبادل کا مسئلہ کبھی پیش ہی نہیں آیا (تبادل کے سلسلے میں مولانا مودودی کا جواب بھی ملاحظہ ہو۔ "میرا خیال ہے کہ آپ حضرات ایک ایسی پیچیدگی میں پڑ گئے ہیں جس کا کوئی حل شاید آپ نہ پا سکیں اور وہ پیچیدگی یہ ہے کہ ایک طرف تو اس پوری مسلمان قوم کو "مسلمان" کی حیثیت سے لے رہے ہیں جس کے ننانوے فی افراد اسلام سے جاہل، اور پچانوے فی صد منحرف اور نوے فی صد انحراف پر مصر ہیں یعنی وہ خود اسلام کے طریقہ پر چلنا نہیں چاہتے اور نہ اس منشاء کو پورا کرنا چاہتے ہیں جس کے لئے ان کو مسلمان بنایا گیا ہے۔ دوسری طرف آپ کے حالات کے اس پورے مجموعہ کو جو اس وقت عملاً قائم ہے، تھوڑی ترمیم کے بعد قبول کر لیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ حالات تو یہی رہیں اور پھر ان کے اندر کسی اسلامی اسکیم کے نفاذ کی گنجائش نکل آئے یہی چیز آپ کے لئے بڑی پیچیدگی پیدا کرتی ہے اور اسی وجہ سے میرا خیال یہ ہے کہ جن مسائل پر آپ حضرات تعرض کر رہے ہیں ان کا کوئی حل آپ کبھی نہ پا سکیں گے" (تحریک آزادی ہند اور مسلمان حصہ دوم ص 233)

﴿ومن يبتغ غير الاسلام دينا فلن يقبل منه وهو فى الآخرة من الخسرين ، كيف يهدى الله قوماً كفروا بعد ايمانهم وشهدوا ان الرسول حق وجآءهم البينت والله لا يهدى القوم الظلمين﴾ [آل عمران 85-86].

"اس فرمان برداری (اسلام) کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد رہے گا۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ ان لوگوں کو ہدایت بخشے جنہوں نے نعمت ایمان پا لینے کے بعد پھر کفر اختیار کیا حالانکہ وہ خود اس بات پر گواہی دے چکے ہیں کہ رسول ﷺ حق پر ہے اور ان کے پاس روشن نشانیاں بھی آ چکی ہیں۔ اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں

دیا کرتا"۔

اب یا تو اس حقیقت ایمان سے واقف انسان زمام کار کے مالک ہوں مگر جب ایسا نہیں تو ان کا فرض یہی ہے کہ باطل کے انکار اور اللہ پر اس انداز کے ایمان پر جمے رہیں، دوسروں کو بھی اس کی طرف دعوت دیتے رہیں، اولوالعزم رسولوں کی پیروی میں پوری جوانمردی سے اپنے رب کی بڑائی بیان کرتے رہیں، انتہائے سعی وکاوش صرف آخرت کو جانیں اور اللہ کی رحمت پر یقین رکھیں جو صرف محسنین کا حق ہے۔

﴿استعینوا باللّٰہ واصبروا ان الارض یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبة للمتقین﴾.

"اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، زمین اللہ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور اخروی کامیابی انہیں کے لئے ہے جو اس سے ڈرتے ہوئے کام کریں۔"

دوسرا حصہ

دستورِ اسلامی کا نمونہ

فہرست مضامین

اب میں اپنی کتاب الدستور اسلامی کا اردو ترجمہ ملانا چاہتا ہوں تا کہ اسلامی آئین کا ایک نمونہ قارئین کے سامنے آجائے کہ اسلامی آئین کیسے ہوتا ہے! اور وہ یہ ہے:

ہر قسم کی ہر طرح کی تمام تر تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، انتہائی مہربان نہایت رحم والا ہے، روز جزا کا مالک ہے، ساری مخلوق اور حکم اسی کا ہے اور شریعت اور فیصلہ بھی اسی کا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور سلامتی ہو اس کے محبوب ترین ذات اور انبیاء اور رسولوں میں سب سے آخری پیغمبر محمد ﷺ پر جو مکمل ترین شریعت، سب سے سیدھے راستے اور کامل ترین قانون کے ساتھ مبعوث ہوئے اور آپ علیہ السلام کی پاکیزہ آل اور ہدایت یافتہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد عرض یہ ہے کہ یہ کتاب مسلمانوں کی بیشتر حکومتوں کی اسلامی شریعت سے روگردانی، اعراض اور ان کی جانب سے مسلمانوں کو ایسے قوانین پر عمل کا حکم دینے کے پیش نظر تصنیف کی گئی ہے کہ جو قوانین نہ تو بنیادی طور پر ان کے لئے وضع کئے گئے ہیں اور نہ ہی ان کے عقائد اور دینی تعلیمات سے ملاپ رکھتے ہیں، یہاں تک کہ مسلمان ایسے دستور میں زندگی گزارنے لگ گئے جو کسی بھی طور پر ان کے شایان شان نہیں اور جس کے سبب نہ تو انہوں نے آزادی کا مزہ چکھا اور نہ ہی اس میں حریت کا مطلب جان سکے اور یہ وہی لوگ ہیں کہ جنہوں نے اس کفریہ سامراجی غلبہ اور قوت سے مسلسل جہاد کیا جو ان کے آباء واجداد کے گناہوں اور افراط وتفریط کے سبب اسلامی حکومت کے زوال کے بعد اپنے تمام تر ظالمانہ اور فاسدانہ قوانین کے ساتھ ان پر حکمرانی کرتا تھا۔

یہاں میں یہ کہوں گا کہ انہوں نے کفریہ قوانین والے اس غلبہ اور قوت سے جہاد اسلامی حکومت قائم کرنے کی خاطر کیا جو وجود کے لئے بمنزلہ زندگی اور جسم کے لئے بمنزلہ روح کے ہے۔ مسلمانوں کی شان کے خلاف یہ دستور اپنے پیچھے ایک بہت بڑا فساد لے کر آیا جس نے تمام شعبہائے زندگی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ چنانچہ عقیدہ میں تو یہ فساد آیا کہ کفر والحاد بہت سے لوگوں میں سرایت کر گیا، اخلاق میں یہ بگاڑ آیا کہ فساد پھیل گیا اور گروہ بندی عام ہوگئی، عام طرز زندگی میں یہ خرابی پیدا ہوئی کہ

حق سے پھرا جانے لگا اور شریعت زیادہ ہو گیا جب کہ حکومت میں یہ فساد آیا کہ قیادت کی بے جا سپردگی عام ہو گئی، ظلم اور سرکشی نے حکمرانی کی اور صورتحال بڑے بڑے خطرات سے ڈرانے لگی جن میں سب سے چھوٹا خطرہ حکمرانی کا ہاتھ سے نکل جانا اور آزادی کا فقدان تھا یا قدر و قیمت، اخلاق عالیہ اور مخصوص اہداف والی اس امت کا اس میں تبدیل ہو جانا تھا جس کی نہ تو کوئی قدر و قیمت ہو، نہ اس کے پاس اخلاق عالیہ ہوں اور نہ ہی اس کے اہداف مقرر ہوں اور جس کی حالت دیگر کافر اور ملحد امتوں کی سی ہو جو ایک عرصہ تک زندگی گزارتی ہیں اور پھر فنا ہو جاتی ہیں۔

اور اہل حق نے تمام مسلم ممالک میں سلطانوں کی شان سے انوکھے اس دستور کی مخالفت کرتے ہوئے اپنی آواز بلند کی اور تمام سلطانوں کے گورنروں اور حکومت پر فائز مقتدر شخصیات سے اسلامی شریعت کی طرف رجوع کا مطالبہ کیا تا کہ امت کو اس مہلک کنویں سے بچایا جا سکے جس میں اس کا گرنا یقینی ممکن تھا اور اس سنگین خطرے کے آگے رکاوٹ بن جانے کے پیش نظر جو لازماً اپنے ساتھ یہ فاسد اور انوکھا دستور لیکر آتا۔

تمام حکام اہل حق کی چیخ و پکار سننے سے بہرے بن گئے، میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بہرا پن ان کی ناپسندیدگی کی بناء پر تھا بلکہ یہ تو اس دائرے سے نکلنے سے عاجز ہونے کے سبب تھا کہ جس میں کفریہ سامراج نے انہیں چھوڑ رکھا تھا اور اسی طرح اس کی بجا اس مغربی ثقافتی روح کی کشش سے چھٹکارا پانے پر قادر نہ ہونا تھا جس کے دائرے میں وہ کافی طویل عرصے تک جیتے رہے تھے۔ اور بعض حکام نے اس زمانے کی اسلامی شریعت درست نہ ہونے اور اس کے موجودہ ثقافتی دائرے میں نہ چل سکنے کا عذر ظاہر کیا اور یہ شریعت کے غرف میں ایک ایسا عذر ہے جو گناہ سے بھی بدتر ہے۔

اور بعض دیگر حکام نے ایک منظم اسلامی قانون کے نہ ہونے کو اس کا سبب قرار دیا ہے کہ جس کی تطبیق اور اس پر چلنا ممکن ہو۔ اور بسا اوقات انہیں اس مت پر ابھارنے والا سبب ان کی اسلامی شریعت سے جہالت اور عدم واقفیت ہوتی ہے۔ اور اگر مسلم شخصیات میں کوئی بھی ایسا شخص موجود نہ ہوتا جو اسلامی شریعت اور اس کے قوانین کو صحیح صورت پر جان سکتا تو پھر تو یہ حضرات بغیر کسی شک و شبہ کے اللہ

رب العزت اور عامۃ الناس کے ہاں معذور ہوتے لیکن جب تک یہ ایسے مسلمانوں کے درمیان میں موجود ہیں جو اسلامی شریعت کو جانتے سمجھتے ہیں اور اس صورت پر اس کی عمدہ تطبیق کر سکتے ہیں جو دنیا و آخرت دونوں میں سعادت کو یقینی بناتی ہے (اور اقتدار کو ان حضرات کے حوالہ کرنا اور اس ذمہ داری کو ان کے سپرد کرنا ممکن بھی تھا تا کہ وہ حکومت کی تمام کلیات و جزئیات میں اللہ رب العزت کی شریعت بیان کرنے اٹھ کھڑے ہوتے اور حکام کی ذمہ داری بھی یہی ہے کہ وہ ان احکام کو نافذ کریں اور اپنے پاس موجود دلائل سے امت کو ان احکام پر ابھارے) تو پھر یہ حضرات (حکام) کسی بھی حال میں معذور نہیں ہو سکتے اور عنقریب ان کا اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر اس چھوٹی بڑی ذمہ داری پر محاسبہ ہوگا جو اس امت کے لئے نہ نبھا سکے خواہ انکا یہ عمل دنیاوی اعتبار سے ہو یا اخروی اعتبار سے اور اسی طرح ان پر شفقت مہربانی ان کے عذر کو ختم کرنے اور ان کی حجت کو باطل کرنے کے لئے ہی کیوں نہ ہو۔ میں نے اللہ رب العزت سے استخارہ کیا اور اسلامی شریعت کے دستور کے اقتباس میں اس سے مدد طلب کی جو ملک کے تمام احوال، امت کی ساری ضروریات اور مسلمان شخص کی زندگی کے تمام تقاضوں پر مشتمل ہے وہ زندگی جو ایک طرف ایمان، امید، پاکی، اور شرافت ہے تو دوسری جانب وہ عزت اور قیادت بھی ہے اور جیسا کہ اس کا رب اس کے لئے پاکیزہ زندگی چاہتے ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے (جو عمل صالح کرے مردوں میں یا عورتوں میں سے اور اس حالیکہ وہ مومن ہو تو پس ہم اس کو پاکیزہ زندگی دیں گے) (الآیۃ 97/16) اور اللہ جل شانہ کی مدد سے یہ دستور اس طرز پر مکمل ہو گیا ہے کہ اگر چہ مجھے اس امر میں کوئی شک نہیں کہ یہ اسلامی شریعت کی گراں قدر شخصیات کی طرف سے تصحیح و اصلاح کے قابل ہے لیکن اس کے برعکس اس امر میں بھی مجھے کوئی شک نہیں کہ جو بھی اسلامی حکومت اسے لے گی اور اس پر عمل پیرا ہوتے ہوئے دل و جان سے اسے ملک کے تمام احوال اور زندگی کے سارے امور پر منطبق کرے گی تو یقیناً وہ دنیوی و اخروی کمال اسے ملے گا جو اس کے علاوہ دنیا کی کسی دوسری امت اور عوام کو کسی بھی صورت میسر نہ ہوگا۔ اور تجربہ سب سے بڑی دلیل ہوا کرتی ہے تو کیوں نہ ہم تجربہ کر کے دیکھ لیں! اور یہ اس وجہ سے کہ یہ اللہ جل جلالہ کا طریقہ اور ہدایت ہے۔ جس کے متعلق رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

(پس جس شخص نے میری ہدایت کی پیروی کی تو نہ وہ گمراہ ہوگا اور نہ بدبخت ہوگا)(الآیۃ:123/20)اور حضرت محمد عربی ﷺ کی اطاعت ہے،جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (اور اگر تم اس (آپ علیہ السلام) کی اطاعت کرو گے تو ہدایت کو پالو گے)(الآیۃ:54/24) اور ایمان و عمل صالح ہے کہ جن سے اللہ رب العزت کا وعدہ متحقق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے پیش نظر (اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے انہیں ضرور خلافت (سلطنت) دے گا زمین میں جیسے ان کے پہلوں کو خلافت دی،اور البتہ ان کے لئے ان کا دین ضرور قوت (استحکام) دے گا جو اس نے ان کے لئے پسند کیا اور البتہ ان کے لئے خوف کے بعد ضرور امن بدل دیگا)(الآیۃ:24/55)

اور آخر میں عرض یہ ہے کہ یہ اسلامی دستور ہے جسے میں ہر مسلمان حاکم کے سامنے پیش کر رہا ہوں اور تمام مسلمان حکام کو اسے لینے اور اس پر عمل کی دعوت دیتا ہوں اور میرا پورا وجود پر اعتماد ہے کہ ہر وہ امت جس کے افراد اس کو صدق دل سے ذوق و شوق کے ساتھ لیں گے اور اسے اپنائیں گے یہ اس کے لئے دنیاوی عزت،سعادتمندی اور اخروی عزت اور آخرت میں ہمیشہ ہمیشہ کی نعمتوں کے ساتھ کامیابی کو یقینی بنائے گا۔

اور یہ دستور درج ذیل اقسام پر مشتمل ہے

(1)سیاسی قسم۔(2)قضاء اور جنایت سے متعلقہ احکام کی قسم۔(3)اسلامی عقائد کی قسم۔(4)شرعی عبادات کی قسم۔

اور میں اللہ جل شانہ سے سوال کرتا ہوں کہ جو کچھ اس دستور میں درج ہے تمام مسلمان حکمرانوں کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے لئے وہ عزت،شرافت،صفائی اور پاکیزگی والی زندگی واجب فرمائے کہ جس پر ان کے قبائل والوں کی نگاہیں ہوتی ہیں تاکہ وہ اپنی دنیا و آخرت دونوں میں سعادتمند ہو جائیں۔اے اللہ تو اس کی تصدیق فرما بلاشبہ تو بڑا طاقتور،قدرت والا ہے۔اور سلامتی ہو تمام رسولوں پر اور ہر قسم کی تمام تر تعریفیں اللہ رب العزت کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

الدستور الاسلامی

دستور اسلامی کی تعریف:اللہ تعالیٰ کا اسلامی دستور اسے کہتے ہیں جو انسان کی تکمیل اور دنیوی واخروی منزل میں اسے سعادتمند بنانے کے لئے وضع کیا گیا۔

انسان کی تکمیل کا مطلب:انسان اپنے محاسن و اخلاق میں ناقص اور اپنے ذاتی فضائل، انسانی قیمت اور اخلاقی آداب میں نامکمل پیدا کیا جاتا ہے اور ان سب امور میں وہ تکمیل کا محتاج ہوتا ہے اور اسی بناء پر اس پر رحم فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے اپنا الٰہی دستور مقرر فرمایا ہے جو اللہ رب العزت کی شریعت اور اس کا راستہ ہے تاکہ اس کی بدولت انسان کامل اور اپنے پروردگار کے ہاں معزز بن جائے۔

سعادت کا معنیٰ:اس زندگی کی سعادت انسانی جسم کو اس کے کھانے پینے اور ہر قسم کے جسمانی ونفسانی مشقت وتکلیف سے خالی گھر جیسی ضروریات کے حصول کے ساتھ آسودہ حال بنانا ہے۔اور اخروی زندگی کی سعادت یہ ہے کہ سلامتی والے گھر میں کامل نعمتوں کی لذت کے ساتھ انسانی جسم اور روح دونوں کو خوشحال بنایا جائے۔

(1)سیاسی قسم اور اس میں آٹھ ابواب ہیں جو اکیس فصلوں اور چھہتر دفعات پر مشتمل ہیں پہلا باب حکومت کے بیان میں اور اس میں چار فصلیں ہیں پہلی فصل حکومت بنانے سے متعلق ہے اور اس میں پانچ دفعات ہیں دفعہ(1)امام مقرر کرنے اور حکومت کی بنیاد رکھنے کے متعلق ہے۔

اسلام نے اپنا اتباع کرنے والوں پر اپنے لئے ایک امام مقرر کرنا اور ایک ایسی حکومت قائم کرنا لازم کیا ہے جو شریعت قائم کرنے کے سلسلہ میں امام کی معاونت کرے اور لوگوں کو اس امر پر ابھارے تاکہ وہ اس کی بدولت دنیا و آخرت میں سعادت کو پالیں۔اور اس اسلامی وجوب کی تین دلیلیں ہیں۔سب سے پہلی دلیل:اللہ تبارک وتعالیٰ کا اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو تمام مسلمانوں کا امام مقرر کرنا ہے بایں طور کہ آپ علیہ السلام کے اوپر واجب کر دیا کہ آپ (علیہ السلام) لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں اپنے اس ارشاد پاک کے تحت (بے شک ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی بچی تاکہ آپ

لوگوں کے درمیان فیصلہ کردیں جو اللہ آپ کو دکھادے (سوجھادے) (105/4) نیز اپنے اس ارشاد پاک کے تحت (اور یہ کہ ان کے درمیان فیصلہ کریں اس سے جو نازل کیا اللہ نے اور ان کی خواہشوں پر نہ چلو) (الآیۃ :49/5) اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آپس کے فیصلہ کرانا اپنے اس قول سے واجب کردیا (پس قسم ہے آپ کے رب کی وہ مومن نہ ہونگے جب تک آپ کو مُنصف نہ بنائیں اس جھگڑے میں جو ان کے درمیان اٹھے) (65/4) اور آپ علیہ السلام کی پیروی اپنے اس قول میں لازم قرار دیدی (یقیناً تمہارے لئے ہے اللہ کے رسول (ﷺ) میں ایک بہترین نمونہ) (21/33) اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام امراء کو متعین فرماتے تھے اور گورنروں کے ساتھ حکام اور قاضیوں کو مختلف صوبوں اور علاقوں میں بھیجا کرتے تھے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کے حکم سے تھا لہٰذا اس سے اس امر پر دلالت ہوئی کہ مسلمانوں کو اپنا امام مقرر کرنا اور اپنی حکومت قائم کرنا واجب ہے۔

دوسری دلیل: آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ احادیث مبارکہ ہیں جو اس بات کا فیصلہ کرتی ہیں۔ جیسا کہ آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ”جب تین آدمی سفر میں نکلیں تو اپنے اپر ایک شخص کو امیر مقرر کرلیا کریں“ (ابوداود) اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”ان تین اشخاص کے لئے جائز نہیں جو کسی بیابان زمین میں ہوں مگر یہ کہ وہ اپنے درمیان کسی ایک کو اپنا امیر مقرر کرلیں (اسے احمد نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا)

تیسری دلیل: تمام مسلمانوں کا (جو گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتے) اس وجوب پر اجماع اور ان کا اپنے نبی اور سب سے پہلے امام آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت اس وجوب کے قیام میں جلدی کرنا بایں طور کہ انہوں نے آپ ﷺ کے خلیفہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی جو مسلمانوں کو ان کے رب کی شریعت اور ان کے نبی ﷺ کے طریقے پر عمل کا بعینہ اسی طرح حکم دیتے تھے۔ جس طرح اللہ کے رسول ﷺ حکم دیا کرتے تھے۔

دفعہ (2) خلیفہ مقرر کرنے اور اس کی اطاعت واجب ہونے کے بیان میں مسلمانوں پر ان کا خلیفہ دو امروں میں سے کسی ایک امر سے مقرر کیا جائے گا پہلا امر یا پہلا طریقہ: یہ ہے کہ خلیفہ کو امت

میں باریک بیں اور دور اندیش شخصیات کے انتخاب والے طریقے سے مقرر کیا جائے۔ چنانچہ علماء وصلحاء اور میدان جہاد و اقتصاد سے وابستہ بڑے حضرات اس منتخب خلیفہ کے ہاتھ پر کتاب وسنت کے مطابق عدل وشریعت قائم کرنے پر بیعت کریں پھر پوری امت کتاب وسنت کے مطابق شریعت اور عدل انصاف قائم کرنے پر ان کی پیروی میں اس کے ہاتھ پر بیعت کرے اور ا[illegible]ت خیر اور نیکی کے کاموں میں اس کی اطاعت واجب ہوجائے گی اور اس کی بغاوت حرام ہوگی جب تک کہ وہ مسلمانوں کے درمیان ان کے رب کی شریعت اور ان کے نبی ﷺ کے طریقے کے مطابق فیصلے کرتا رہے اور عدل و شریعت قائم کرتا رہے اور اسی طریقہ کار پر سب سے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مقرر کئے گئے۔

دوسرا طریقہ: یہ ہے کہ خلیفہ خود اپنے آپ کو ہتھیار کے زور پر مقرر کرے اور لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دے سو امت میں سے دور اندیش اور باریک بیں علماء، میدان جہاد اور مالیات و اقتصاد سے وابستہ بڑے حضرات جلدی سے کتاب وسنت کے حکم کے مطابق شریعت اور عدل قائم کرنے پر اس کے ہاتھ پر بیعت کرلیں پھر ان کی دیکھا دیکھی باقی تمام مسلمان بھی اس کے ہاتھ پر اسی امر پر بیعت کرلیں کہ جس امر پر دور اندیش و باریک بیں حضرات نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی ہو یعنی کتاب وسنت کے مطابق فیصلے کرنا اور عدل و شریعت کا قیام۔ اور رہی بات مسلمانوں کے خلیفہ اور انکے امام کی اطاعت کے لازم ہونے کی تو اس بابت اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں (اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول (ﷺ) کی اور ان کی جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں) (58/4) اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد پاک ہے کہ ”سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم ایک حبشی غلام وحاکم ہو جس کا سر کشمش کی مانند ہو (اسے بخاری نے اور احمد نے روایت کیا) جیسا کہ مسلمانوں کے خلیفہ و امام کے خلاف سرکشی اور اس کے حکم کی بغاوت آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان سے ثابت ہے کہ ”جو شخص اپنے امیر سے کوئی چیز ناپسند کرے تو اسے چاہئے کہ صبر کرے کیونکہ جو شخص بادشاہ کے خلاف ایک بالشت کے برابر نکلے گا (بغاوت کرے گا) تو وہ جاہلیت کی موت مریگا (متفق علیہ) اور اچھے کاموں کے علاوہ

دیگر غیر شرعی امور میں نہ تو اطاعت واجب ہے اور نہ ہی بغاوت حرام ہے کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''مسلمان شخص پر سننا اور اطاعت کرنا لازم ہے اس کام میں جسے وہ پسند کرے اور اس کام میں بھی جسے وہ ناپسند کرے جب تک اسے کسی معصیت کا حکم نہ دیا جائے سو جب اسے کسی معصیت کا حکم دیا جائے تو نہ سننا چاہئے اور نہ اطاعت کرنا''

دفعہ (3) خلیفہ کی صفات کے بیان میں

خلافت یا امامت پر اسی شخص کے ہاتھ پر اختیاری بیعت کی جائے گی جس میں درج ذیل صفات جمع ہوں:

(1) اسلام: اس حیثیت سے کہ وہ تقویٰ دار مؤمن ہو اللہ رب العزت کے فرائض بجالاتا ہو اور اس کے منع کردہ امور سے مکمل احتراز کرتا ہو۔

(2) صحیح سلامت عقل۔

(3) اندھے، گونگے اور بہرے پن سے صحیح سلامت ہونا اور اسی طریقے پر ہاتھوں اور پیروں کا صحیح سلامت ہونا۔

(4) کتاب وسنت اور شریعت کے اصول وفروع پر عمل اور یہ کہ ان امور کے اندر وہ اجتہاد کا درجہ رکھتا ہو۔

(5) معزز اور پاکیزہ نسب کا ہونا۔

رہی بات اسلام کے شرط ہونے کی تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پاک کی بناء پر ہے: (اور اطاعت کرو ان کی جو تم میں سے حکومت والے ہیں) جس کے سیاق میں مؤمنین کو خطاب ہے چنانچہ اس سے اس امر پر دلالت ہوئی کہ خلیفہ اور امام کے اندر ایمان کا ہونا شرط ہے۔ اور رہی عقل کی شرط تو وہ اس وجہ سے ہے کہ مشقتیں اور تکالیف ہمیشہ عقل سے متعلق ہوا کرتی ہیں۔ اور اعضاء وحواس میں سلامتی کی شرط اس بناء پر ہے کہ اس اہم منصب کا حق وہی شخص ادا کرسکتا ہے جو صحیح سلامت اعضاء وحواس کا مالک ہو۔ اور رہی بات شریعت کا علم رکھنے کے شرط کی تو وہ اس لئے ہے کہ شریعت ہی دراصل اصل حکم اور

قانون ہے تو جو شخص شریعت کو نہیں جانتا تو نہ تو اس کے لئے شریعت کے مطابق فیصلے کرنا ممکن ہے اور نہ ہی وہ مطلوبہ صورت پر اس کا نفاذ کرسکتا ہے۔ اور رہ گئی بات نسب کے بڑا اور معزز ہونے کی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام انبیاء معزز امتوں میں سے مبعوث کئے جاتے تھے۔ اور خلیفہ چونکہ امت اور شریعت کے معاملے میں اللہ کے رسول ﷺ کا خلیفہ ہوا کرتا ہے تو لہٰذا مناسب یہی ہے کہ وہ اونچے اور معزز نسب والا ہو نہ کہ کمتر اور گرے پڑے نسب والا ہو کیونکہ یہ اس کی عظمت واحترام کے لوازمات میں سے ہے اور پھر اس کی اطاعت وفرمانبرداری کے لئے بھی لازم ہے اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول اس بات کا شاہد ہے کہ ''عرب دین اختیار نہیں کریگا مگر اس قریشی قبیلہ کی بدولت'' اور یہ مقام عرب کے ہاں قریش کے معزز ہونے اور اونچے رتبہ کی وجہ سے ہے۔

دفعہ (4) مجلسِ خلافت تشکیل دینے اور اس کے اہم کام کے متعلق

مجلسِ خلافت کے نام سے موسوم ایک مجلس حکومت کی ذمہ داریوں اور کام کاج کے بوجھ کے سلسلہ میں خلیفہ کی معاون ومددگار ہوگی جو ان افراد سے مل کر بنے گی۔ (1) خلیفہ کا ایک ایسا نائب جو علم، نیکی، کفایت اور خلافت کی ذمہ داریوں اور حکومت کے اہم کاموں کے تحمل میں اس کا ہم مثل ہو۔ (2) علم، جنگ وقتال اور مال وجائیداد والے وہ نیک تجربہ کار افراد کہ جن کا شمار ملک کے دور اندیش اور باریک بیں شخصیات میں ہوتا ہو۔ اور رہا اس مجلس کا اہم ترین کام تو وہ یہ ہے کہ باہمی رائے اور مشورے کے ذریعے خلیفہ کی رہنمائی اور معاونت کو زیادہ سے زیادہ بڑھایا جائے۔ اور یہ اللہ رب العزت کے اس قول پر عمل کے پیش نظر ہے: (اور آپ ان سے مشورہ کرلیا کریں معاملے میں) اور دوسری جگہ ارشاد ہے: (اور ان کو اپنے درمیان (معاملات میں) مشورے کا حکم ہے) اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی اور آپ علیہ السلام کی سنت پر عمل کے سبب ہے اس طور پر کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت سے امور میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہ اچھے مشورے دیتے جو وہ مناسب سمجھتے تھے چنانچہ آپ علیہ السلام ان کی رائے اور مشورے کو قبول کرلیتے۔ یہاں تک کہ ان کی حیثیت آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وزراء کی سی تھی اور وہ آپ علیہ السلام

کے مُعاون تھے۔مزید براں یہ کہ آپ علیہ السلام مختلف وزارتوں میں سے کسی ایک وزارت کی امارت ان میں سے ہرایک کے سپرد کردیتے تھے۔چنانچہ جو صحابی فقیہ ہوتا اسے عدول وقضاء کا وزیر مقرر فرماتے ،اور جو عالم ہوتا اسے تعلیم وتربیت کا وزیر مقرر فرماتے ،اسی طرح میدان جنگ سے وابستہ شخص کو وزیر دفاع ،اقتصادوالے کو وزیر مالیات واقتصاد اور صناعت والے کو وزیر صناعت مقرر فرماتے اور اسی طریقے پر ہرایک اپنے علاقے کی وزارت کی باگ ڈور سنبھالتا تھا جو اس کے مختص ہوا کرتا تھا۔

دفعہ(5) خلیفہ کو معزول کرنے اور کسی دوسرے شخص کو اس کی جگہ مقرر کرنے کے بیان میں جب تک خلیفہ خلافت کی ذمہ داریوں اور کام کاج کے بوجھ کے تحمل پر قدرت رکھتا ہو اور اس کا پورا پورا حق ادا کرتا ہو اس وقت تک اسے معزول نہیں کیا جاسکتا کیونکہ مسلم شریف کی ایک روایت ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اور جو شخص کسی امام سے بیعت کرے اور اس کو اپنا ہاتھ دے دے اور دل سے اس کی تابعداری کی نیت کرے تو اس کی اطاعت کرے اگر طاقت ہو پھر اگر دوسرا (امام) اس سے لڑنے آجائے تو اس دوسرے کی گردن مارو'' پھر اگر وہ اس منصب میں کوتاہی کرے خواہ کسی عاجزی کے سبب جو اسے لاحق ہوجائے یا کسی مستقل مرض کے سبب جس میں وہ مبتلا ہوجائے یا اس مرض کے سبب انتقال ہوجانے کے سبب،تو پھر مجلس خلافت اس کے نائب کے ہاتھ پر بیعت کرے گی جو اس کی تمام معتبر صفات میں اس کا ہم مثل ہو پھر تمام لوگوں کو نئے خلیفہ کے ہاتھ پر کتاب وسنت کے حکم کے مطابق شریعت اور عدل قائم کرنے پر بیعت کی دعوت دی جائے گی اور اس کے لئے مسلمان علماء میں سے ایک ایسا نائب مقرر کردیا جائے گا جس میں خلیفہ کی تمام صفات جمع ہوں اور اسے دائمی مجلس خلافت میں داخل کردیا جائے گا۔

فصل (2) حکام کے متعلق

اور اس میں چار دفعات ہیں

پہلی دفعہ: ولایت کی شرائط سے متعلق ہے

ملک کی کوئی بھی ولایت چاہئے وہ قضاء کی ہو، وزارت کی ہو، ولالیت کی ہو، امارت کی ہو ،انتظامی امور کی ہو یا کسی ادارے کی ولایت ہو، اس وقت تک کسی بھی شخص کے حوالے کرنا جائز نہیں ہے

جب تک اس میں درج ذیل شرائط نہ پائی جائیں:

(1) ایمان اور تقویٰ: کیونکہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: (بلاشبہ اللہ کے ہاں تم میں سے سب سے معزز تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے) چنانچہ اہل وطن غیر مسلم ذمی اور اسی طریقے پر وہ فاسق وفاجر مسلمان جو کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہو تو مذکورہ مناصب میں سے کوئی بھی منصب کسی بھی صورت ان جیسے لوگوں کے حوالے نہیں کیا جائے گا الا یہ کہ کوئی سخت ترین ضروت پیش آجائے اور نیز اس شرط پر کہ حکومت اس ضرورت کو ختم کرنے کے سلسلہ میں اس منصب کا اہل شخص تیار کرنے پر کام کریگی۔

(2) یہ کہ جو منصب اس کے حوالے کیا جارہا ہو اس کے معاملے میں مکمل علم اور سوجھ بوجھ رکھنے کے حوالے سے بھرپور قابلیت ہو۔اور یہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد پاک کے پیش نظر ہے کہ ''جب حکومت نااہل شخص کے سپرد کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرو'' (بخاری)۔

(3) یہ کہ منصب کے امیدوار نے نہ تو منصب ازخود مانگا ہو اور نہ ہی اس کے حصول کے بلسلہ میں کسی قسم کی کوئی کاوش وسعی کی ہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''بخدا ہم اس کام کا والی کسی بھی اس شخص کو نہیں بنائیں گے جو اسے طلب کرے یا اس میں طمع رکھے'' (مسلم)

دفعہ (2) حکام وغیرہ کو متعین کرنے کی کیفیت کے بیان میں:

ملک کے تمام اہم مناصب مثلاً: قضاء، وزارت، ولایت، امارت، قیادت، اور انتظامی امور کی انجام دہی، مذکورہ دو امور میں سے کسی ایک امر یا طریقے سے سپرد کئے جائیں گے۔ پہلا طریقہ: یہ ہے کہ حکومت ایسے شخص کو منتخب کرے جس کے لئے وہ منصب چاہتی ہے اور یہ کام (انتخاب) اس شخص کی امانت، کفایت، جاننے میں انتہائی چھانٹ پھٹک اور تہہ تک پہنچنے کے بعد کیا جائے گا کیونکہ خود آپ علیہ الصلوٰۃ السلام اور آپ علیہ السلام کے بعد خلفائے راشدین بھی اسی طریقہ پر امراء، حکام اور عمال کو متعین فرمایا کرتے تھے۔

دوسرا طریقہ

یہ ہے کہ ملک، شہر، علاقے یا گاؤں دیہات والے کسی ایسے شخص کو منتخب کریں کہ جو منصب اس

کے سپرد کرنے کا ارادہ ہو، اُس میں اُس منصب کی تمام شرائط بدرجہ اتم جمع ہوں مثلاً: امانت، کفایت وغیرہ۔

دفعہ(3)

حکام کا مرتبہ میں اپنے دیگر ہم وطنوں کے ساتھ برابری کے بیان میں اس امر کا پاس رکھنا ضروری ہے کہ ملک میں منصب والا حقوق اور واجبات کے باب میں کسی بھی صورت میں اپنے دیگر ہم وطنوں سے ممتاز نہ ہو اگر چہ صاحب منصب خود امام المسلمین ہی کیوں نہ ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام مسلمان برابر اور ایک جیسے ہیں جن کے خون باہم ایک دوسرے کے مماثل ہیں اور حفظ وامان کے حوالہ سے ان میں سے سب سے ادنیٰ و کمتر شخص بھی ذمیوں کو امان دے سکتا ہے، اور وہ سب اپنے اغیار پر ایک ہاتھ کی مانند ہیں جیسا کہ صحیح حدیث شریف میں آیا ہے کہ "صاحب منصب کے لئے خواہ اس کا منصب کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو یہ درست نہیں کہ وہ کسی مسلمان ہم وطن پر فضیلت رکھے یا اس کی حرمت کو پامال کرے یا اسے گالم گلوچ کرے یا اسے مارے پیٹے یا بغیر کسی لازمی حق کے اس کا مال اپنے قبضے میں لے"۔ اور جب یہ ثابت ہو جائے کہ صاحب منصب نے کسی بھی ہم وطن کے ساتھ زیادتی کی خواہ وہ کسی بھی قسم کی کوئی زیادتی ہو تو پھر اس صاحب وطن کو پورا پورا حق حاصل ہوگا کہ وہ قاضی کے ہاں اپنے اپر زیادتی کرنے والے اس صاحب منصب کے خلاف دعویٰ دائر کرے اور اس سے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کا فیصلہ کروائے۔ اور قاضی کے اپر بھی یہ لازم ہے کہ وہ انصاف کے ساتھ اس کا فیصلہ کرے اور اسے اس کا پورا پورا حق دے جو شریعت نے اسے دیا ہے، کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہ کرے اگر چہ اس شخص کے ساتھ زیادتی کرنے والا خود مسلمانوں کا امام اور خلیفہ یا اس سے بھی بڑھ کر کیوں نہ ہو کیونکہ کوئی بھی شخص اللہ کے رسول ﷺ سے زیادہ فضیلت اور شرف والا نہیں جبکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "میں نے جس کسی شخص کا مال لیا ہو تو یہ میرا مال حاضر ہے سو وہ اس میں سے لے لے۔ اور جس کسی کی پیٹھ پر میں نے (کوڑا وغیرہ) مارا ہو تو یہ میری پیٹھ حاضر ہے سو وہ اس سے بدلہ لے لے"۔ اور ایک دفعہ سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ پر ایک یہودی شخص نے ایک مقدمہ کر لیا اور اسے ان کے شریح نامی قاضی کے پاس لیکر چلا گیا چنانچہ امام القضاء فیصلہ کرنے بیٹھ گیا حالانکہ آپ رضی اللہ عنہ اس وقت مسلمانوں کے خلیفہ اور

ان کے امام تھے۔ اور اللہ کے رسول ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جو سارے جہاں کی تمام شریف عورتوں کی سردارنی ہیں ان کے متعلق اللہ کے رسول ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ "خدا کی قسم اگر یہ چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا"

دفعہ(4)

اس بیان میں کہ مخاطب کرنا اور نصیحت کرنا تمام ہم وطنوں کا حق ہے۔

ہر اہل وطن شخص جس نے حکومت کے کسی صاحب منصب سے کوئی ظلم یا زیادتی یا کوئی برا تصرف ہوتے دیکھا خواہ وہ صاحب منصب خود مسلمانوں کا امام یا اس سے کم رتبے والا کوئی حاکم گورنر ہی کیوں نہ ہو تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسے یاد دہانی کرائے اور وعظ و نصیحت کرے اور مہذب کلام سے اسے مخاطب کرے لیکن خیال رہے کہ یہ نصیحت آمیز بات ادب واحترام کے دائرے کے اندر ہو اور اس حق کا حصول ایک صحیح حدیث میں آپ علیہ الصلوٰۃ السلام کے اس ارشاد کے پیش نظر ہے کہ "اور یہ کہ تم اس شخص کو نصیحت کرو جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے معاملے کا حاکم بنایا ہے اور جسے نصیحت کی جائے اسپر لازم ہے کہ وہ نصیحت کو قبول کرے اور اس پر شکریہ ادا کرے"۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اس وقت کہ جب وہ مسلمانوں کے خلیفہ تھے یہ کہا اے عمر! ہمارے معاملے میں اللہ سے ڈرو تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے یہ کہہ کر جواب دیا کہ اگر تم ہم سے یہ بات نہ کہو تو تمہارے اندر کوئی خیر نہیں ہے اور اگر ہم تمہاری اس بات کو قبول نہ کریں تو ہمارے اندر کوئی خیر نہیں ہے اور ایک مرتبہ فرمایا کہ جو شخص مجھ میں کوئی کجی (غلطی) دیکھے تو اسے چاہئے کہ وہ اس کی اصلاح کرے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا کہ اگر تم لوگ اللہ کی کتاب کے مطابق یہ فیصلہ پاؤ کہ تم نے میرے پاؤں بیڑیوں میں ڈالنے ہیں تو میرے پاؤں بیڑیوں میں ڈال دینا۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ خلافت میں فرمایا کہ اے لوگو! میں تمہارے اپر حاکم بنایا گیا ہوں اور میں تم سے افضل نہیں ہوں، اگر میں درست رہوں تو تم میری مدد کرنا اور اگر میں کوئی غلطی کروں تو میری اصلاح کر لینا۔ ہاں البتہ اتنی بات ہے کہ وعظ و نصیحت میں ایسی باتیں کہنا جائز نہیں کہ جو صراحۃً

مسلم حکمرانوں کی توہین وتذلیل پر دلالت کرتی ہوں کیونکہ ہر اہل وطن پر تمام حُکام کا احترام اور تعظیم لازم ہے اور اس کا سبب آپ ﷺ کا قول ہے کہ بلاشبہ مسلمان بوڑھے شخص اور اس حافظ قرآن کی عزت کرنا اللہ تبارک وتعالیٰ کی تعظیم میں داخل ہے جو نہ تو اسے (قرآن کریم کو) غلط مقاصد میں استعمال کرتا ہو اور نہ اس سے بے وفائی کرتا ہو اور اسی طریقے پر مُنصف بادشاہ کی عزت کرنا۔

(تیسری فصل)

حکومت کی کیفیت اور خلافت کے تابع صوبوں کا نظام چلانے کے بیان میں اور اس فصل میں دو دفعات ہیں۔ پہلا دفعہ خلیفہ کا کوئی نائب متعین کرنے کے متعلق ہے۔

خلیفہ اپنا ایک نائب متعین کریگا جو حکومت اور خلافت کے تابع تمام صوبوں کا نظام چلانے کا والی ہوگا جو "والی الاقالیم" یعنی تمام صوبوں کا حاکم کہلائیگا۔ اس امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ اس میں تقریباً وہ تمام مطلوبہ شرائط پائی جائیں جو خود خلیفہ کے لئے منصب خلافت سنبھالنے کے لئے مطلوب ہوا کرتی ہیں یعنی کہ شریعت کے تمام اصول وفروع کا علم رکھنا اور تقویٰ واستغناء کی صفت سے متصف ہونا اور اس معاملہ میں بنیادی اصل رسول اللہ ﷺ اور آپ علیہ السلام کے بعد خلفائے راشدین کا عمل ہے کہ وہ حکام کو اپنی طرف سے متعین فرماتے تھے تاکہ وہ دارالحکومت سے دور دراز واقع علاقوں پر حکمرانی کریں۔

دفعہ (2)

صوبہ کی مجلس انتظامیہ کے بیان میں

خلیفہ کا نائب جب صوبے میں آکر مقیم ہوجائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی تزکیہ کی ایک صوبائی مجلس وجود میں لائے اور اس مجلس کے لئے وہ اس کے ارکان صوبے اور ضرورت پڑنے پر صوبے سے باہر کے علم، تقویٰ اور استغنا جیسی صفات کے حاملین حضرات میں سے منتخب کریگا بایں طور کہ یہ مجلس مجلسِ خلافت (وزراء کی مجلس) کی ایک چھوٹی سی شکل ہوگی پھر وہ علم، حرب وقتال، اقتصاد اور صناعت والوں میں سے خیر واستطاعت رکھنے والے حضرات کو اس مجلس میں شامل کریگا۔ اور حاکم اس مجلس میں

سے اپنا ایک سہارا اور جماعت تشکیل دیگا جس کے ذریعے وہ صوبے کا نظام چلائے گا اور اس پر حکمرانی کریگا۔ اور جیسا کہ وہ اس مجلس کے ارکان میں سے ہر رکن کے ذمہ تمام صوبوں میں ملک کے فلاحی امور میں کسی ایک فلاحی کام کا نظام سونپے گا تو ساتھ ہی ساتھ وہ اس مجلس کے تمام ارکان سے مشورے لیگا اور ان میں سے اکثریت کی درس رائے کو اپنائے گا۔ چنانچہ وہ فقہاء کی جماعت میں سے قاضیوں کا ایک سربراہ مقرر کریگا، علماء کی جماعت میں سے تعلیم کا ایک سربراہ مقرر کریگا اور میدان کارزار سے وابستہ جماعت میں سے امن وامان کا ایک سربراہ مقرر کریگا اور اسی طریقے پر ہر مخصوص فلاحی کام کا سربراہ اپنے شعبے میں ایک عام سربراہ مقرر کریگا اور اپنے تمام تصرفات کو اس کے حوالے کردیگا چنانچہ ان حضرات میں سے کوئی بھی اپنے فلاحی کام سے متعلقہ کسی بھی امر کو اس وقت تک نافذ نہیں کرسکے گا جب تک کہ اسے مجلس کے روبرو پیش نہ کردے اور اس پر تبادلہ خیال کرکے اس پر موافقت نہ کرلے پھر اس کے بعد یہ امر تصدیق اور ثابت کرنے کے لئے مجلسِ خلافت کے سامنے رکھا جائے گا۔

وضاحت:

مثال کے طور پر اگر کوئی وزیر تعلیم اپنی وزارت سے متعلق کوئی رائے دیکھے تو وہ اس میں غور وخوض اور اس کی تصدیق کے لئے اس کو مجلسِ خلافت کے تمام ارکان کے سامنے پیش کریگا سو جب مجلس کی موافقت ثابت ہوجائے تو خلیفہ اس امر کو جاری کردیگا اور وزیر کے حوالے کرکے اسے تمام صوبوں اور علاقوں میں اس امر کے نفاذ اور اس پر عمل کرنے کے لئے سارے تعلیمی سربراہان کی طرف روانہ کردیگا اور وزراء کی مجلس میں ہر وزیر کی بہ نسبت یہی معاملہ ہوگا۔

چوتھی فصل

صوبے کے اندر شہروں اور گاؤں دیہاتوں کا نظام چلانے کے بیان میں اور اس فصل میں نو دفعات ہیں پہلا دفعہ شہری مجلس کے قیام کے بیان میں شہر یا قریبی تمام گاؤں دیہاتوں کی سربراہی شہری مجلس کے نام سے موسوم ایک مجلس کریگی۔ اس مجلس کے ارکان ملک کے تمام معاملات میں انتہائی ماہر وتجربہ کار افراد میں سے ہونگے اس طور پر کہ اس میں موجود ہر رکن حکومت کے فلاحی کاموں میں سے

کسی ایک کام کے سربراہ کا قائم مقام ہوگا۔ چانچہ اس مجلس کا سربراہ صوبے کے حاکم کا نائب ہوگا اور پولیس کا سربراہ صوبے میں عام امن وامان کے سربراہ کا نائب ہوگا اور عدالت اور قاضیوں کا سربراہ صوبے میں عدل وانصاف کے سربراہ کا قائم مقام ہوگا اور اسی طرح سے ہر شعبے میں ہوگا یہاں تک کہ شہری مجلس اُس صوبائی مجلس کی چھوٹی سی شکل بن جائے گی جو خود مجلسِ خلافت کی ایک شکل ہے۔

دفعہ (2) شہری مجلس کے مقصد کے بیان میں:

شہری مجلس کا مقصد دو امور میں منحصر ہے۔ پہلا امر ہر اس سبب کو تلاش کرنا ہے جو شہر کی شان کو اونچا کردے اور اس کے لئے درستگی اور بھلائی کو یقینی بنالے اور اسی طرح اس معاملے میں دو طرح سے تعاون کرنا ہے۔ ایک تو یہ کہ ہر رکن ان تمام مسائل کو پیش کرے جو اس کی مصلحت یعنی فلاحی کام میں پیش آئیں اور دوسرے یہ کہ مجلس کے تمام ارکان ان مسائل کے حل کے حوالے سے ایک دوسرے سے مشورہ لیں اور پھر ایک متفقہ رائے کو اپنالیں۔ اور دوسرا امر یہ ہے کہ مجلس میں موجود ہر رکن شہر میں حکومت کے فلاحی کاموں میں سے کسی ایک خاص فلاحی کام کی سربراہی انجام دیگا اور اسی بناء پر شہری مجلس سے درج ذیل مجلس وجود میں آئیں گی:

(1) پولیس کی مجلس۔ (2) قضاء اور فیصلے کی مجلس۔ (3) مالیت کی مجلس۔ (4) تعلیمی مجلس۔ (5) اجتماعی اصلاح کی مجلس۔

دفعہ (3) پولیس کی مجلس کے قیام اور اس کے مقصد کے بیان میں پولیس کا عملہ ان افراد سے مل کر بنے گا:

(1) پولیس کے عملہ کا سربراہ اور اس کے لئے یہ شرط لگائی جائے گی کہ وہ شریعت کا علم رکھنے والا ہو اور صاحب تقویٰ واستغناء ہو۔

(2) مجلس میں کام کرنے والے ارکان جو عملے کے کاموں کی آسانی کے سلسلہ میں اس کی مدد کریں گے۔ اور اس عملے کے تصرف کے تحت ان ہی جیسے افراد کی کچھ تعداد مقرر کی جائیگی جو شہر کی کشادگی اور تنگی کے حساب سے کم زیادہ ہوتے رہیں گے۔ یہ لوگ پولیس کے اصل مقصد کو وجود میں

لائیں گے جو ان امور پر مشتمل ہے:

(1) شہر کے اندر امن وامان اور درست نظام کی حفاظت۔

(2) شہر کے اندر عام چال چلن کی ترتیب اور اس کی سرپرستی۔

(3) ان شرعی احکام کا نفاذ جنہیں حکومت تمام اہلیانِ وطن پر صادر کرتی ہے۔

(4) شہر کے اندر اہلیان وطن کے مابین اچھائی کا حکم کرنا اور برائی سے منع کرنا چنانچہ یہ ہر اس اچھائی کا حکم کریں گے جس کو یہ لوگوں کے درمیان چھٹتا ہوا دیکھیں گے اور ہر اس برائی سے منع کریں گے جس کا یہ لوگوں کے درمیان ارتکاب کرتا ہوا دیکھیں گے اور یہ اللہ رب العزت کے اس ارشاد کے پیش نظر ہے (اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو خیر کی طرف بلائے اور اچھائی کا حکم کرے اور برائی سے منع کرے اور یہی لوگ کامیاب ہیں) [آل عمران 104]

دفعہ (4) عدل وقضاء کی مجلس کے بیان میں

ایک شہر یا قریب کے تمام گاؤں دیہاتوں میں عدل وقضاء کی ایک عدالت قائم ہوگی جو ایک سربراہ اور چند قاضیوں پر مشتمل ہوگی۔ یہ قاضی صاحبان اس سربراہ کی ان فیصلوں میں شرعی احکام صادر کرنے کے سلسلہ میں مدد کریں گے جنہیں اہلیان وطن غور وخوض اور فیصلے کے لئے عدالت میں پیش کریں گے اور یہ اللہ رب العزت کے اس ارشاد کے پیش نظر ہے (ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی ہوئی چیزیں دیکر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور انصاف کرنے کو نازل کیا تاکہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں) اور نیز اس ارشاد پاک کے پیش نظر ہے (اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو)

دفعہ (5) مالی مجلس کے بیان میں

کسی ایک شہر یا قریبی تمام گاؤں دیہاتوں میں ایک مالی مجلس قائم ہوگی جو صندوق کے ایک سربراہ، ایک کاتب، ایک حساب کتاب کے ماہر اور اور خراج جمع کرنے والے شخص پر مشتمل ہوگی۔ اس صندوق میں ملک کے اموال جمع کرنے اور تصرف کرنے کی خاطر رکھے جائیں گے۔ اس پر بیت المال

کے فرغ (اس کی ایک قسم) کا اطلاق ہوگا اور یہ مالیت کی وزارت اور خلافت کے بیت المال کے ساتھ ملا ہوا ہوگا۔

دفعہ (6) تعلیمی مجلس کے بیان میں

خلافت کے کسی ایک شہر میں ایک تعلیمی ادارہ وجود میں لایا جائے گا جو ایک سربراہ اور چند محررین اور نگہبان اشخاص پر مشتمل ہوگا اور اس کا مقصد تعلیمی معاملات کا قیام اور صوبے میں تعلیم کے عام ادارے کا قیام ہوگا جو تعلیمی معاملات کے لئے ناگزیر ہے اور یہ ادارہ ایسے امور پر قائم ہوگا جن کا تعلق تعلیم وتربیت جیسے اہم مقصد کے ساتھ ہو۔

دفعہ (7) اجتماعی اصلاح کے عملے کی مجلس اور اس کے مقصد کے بیان میں اجتماعی اصلاح کے عملے کی مجلس ان افراد سے مل کر بنے گی:

(1) اسلامی شریعت کا علم رکھنے والا ایک جید عالم جو سربراہ ہوگا۔(2) ایک ماہر وتجربہ کار ٹھیکدار۔(3) ماہر وحاذق طبیب۔(4) اقتصادیات کا ہر شخص۔اور اس عملے کا مقصد وہ تمام امور ہیں جو شہر کے دنیوی واخروی دونوں پہلوؤں کے معاملات سے تعلق رکھتے ہوں اور وہ درج ذیل ہیں:

(1) شہروں اور گاؤں دیہاتوں میں تعمیرات اور حدود مقرر کرنے کی صدارت۔(2) شہر اور گاؤں گوٹھ میں برابر سرابر عام صفائی ستھرائی۔

(3) پانی اور بجلی کے انتظامات کی حفاظت اور ان کی دیکھ بال کرنا۔(4) شہر اور گاؤں دیہاتوں میں اشیاء کی منتقلی کی دیکھ بھال۔(5) آگ بجھانے اور جان بچانے والے (ایمرجنسی) آلات وذرائع کی تیاری اور ضرورت پڑنے پر انہیں عمل میں لانا۔(6) عمومی محافل کی سرپرستی اور ان کی نگرانی کرنا اور اسی طریقے پر عام اجتماعات کی۔مثلاً قہوہ خانے، نجی محافل، ورزش اور کھیل کھود کے میدانات اور ساحل سمندر وغیر تفریح گاہیں وغیرہ وغیرہ۔(7) بازاروں، قیمتی سرمایوں او رتجارتی سامانوں کی نگرانی۔(8) اہلیان وطن مردوں اور عورتوں کے لباسوں کی نگرانی اور اسی طریقے پر مردوں اور عورتوں کے الگ الگ لباس کے اعتبار سے بھی ان کے ملبوسات کی کڑی نگرانی کرنا۔چنانچہ

مرد ہو یا عورت دونوں کو معروف اسلامی لباس کے آداب کے دائرے سے باہر نکلنے کی اجازت نہ ہوگی۔(9) لباس کی ایک ترتیب مقرر کرنا اور اسے مندرجہ ذیل جماعتوں کے لئے مخصوص کرنا:

(1) علماء۔(2) فوج۔(3) پولیس۔(4) عورتیں۔(5) کھیل کھود اور ورزش کرنے والے۔اور یہ سارا التزام آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے اس ارشاد کے سبب خوف اور احتیاط کے پیش نظر ہے کہ "جو جس قوم کی مشابہت اختیار کریگا تو وہ انہیں میں سے ہوگا" (یعنی اس کا حشر انہیں کے ساتھ ہوگا)

دفعہ (8) مجلس صحت کے بیان میں۔

ہر شہر یا قریب کے تمام گاؤں گوٹھوں میں صحت کا ایک ادارہ قائم ہوگا جس کا سربراہ صحت کے اس عام سربراہ کا نائب ہوگا جو بذات خود مجلس خلافت میں موجود وزیر صحت کا قائم مقام ہوگا۔اور اس مجلس کا مقصد حکیموں، ڈاکٹروں، مریضوں اور علاج کی اور ہر اس معاملے کی سرپرستی ہوگی جو ہسپتالوں، دواخانوں اور کلینکوں میں علاج معالجے سے تعلق رکھتا ہو۔اور یہ عملہ اپنی تمام طبی وتشخیصی توجہ اور محنت صرف کریگا جس کی بدولت خلافت کے ماتحت سارے ہسپتالوں مریضوں کے لئے قائم دنیا کے تمام ہسپتالوں سے زیادہ بہتر خدمات انجام دینے والے اور زیادہ توجہ اور دیکھ بھال کرنے والے ہوجائیں۔اور یہ اس بناء پر کہ مسلمانوں کو نیکی اور اخلاص کے ساتھ کام کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس لئے بھی کہ وہ نرمی، شفقت اور رحم دلی جیسی صفات سے متصف ہیں۔اور جن خصوصیات کے ساتھ خلافت کے ماتحت ہسپتالوں کا ممتاز ہونا ضروری ہے۔ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مردوں کی تشخیص کے لئے مردوں کے ساتھ خاص الگ ہسپتال ہوں اور عورتوں کے علاج معالجے کے لئے الگ ہسپتال ہوں جو انہیں کے ساتھ مختص ہوں۔

دفعہ (9) باہمی تعاون کی جماعتیں تشکیل دینے کے بیان میں

پیش نظر اس بات کے اللہ رب العزت نے نیکی اور تقویٰ پر تعاون کا حکم دیا ہے اور گناہ اور سرکشی پر تعاون سے منع فرمایا ہے اپنے اس ارشاد پاک میں: (اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو) اور اس عالی مقصد کو محقق اور ثابت کرنے کے لئے خلافت

کے شہروں کے تمام محلوں اور سارے گاؤں دیہاتوں میں ایک دوسرے کی معاونت کی جماعات قائم ہوں گی اس طور پر کہ محلے یا گاؤں کے افراد جنہیں شہری مجلس کی معاونت حاصل ہوگی اپنے محلے یا گاؤں میں ایک ایسی جامع مسجد تعمیر کریں گے جو محلے یا گاؤں کے تمام افراد کے لئے خواہ مرد ہوں یا عورتیں کشادہ ہو اور یہ لوگ علماء وصلحاء حضرات میں سے اپنا امام منتخب کریں گے اور اپنی نمازوں اور اسی طریقے پر ہفتے میں دو مرتبہ قرآن کریم اور حدیث پاک کا درس دینے کی غرض سے اپنی مسجد میں تمام افراد کو خواہ مرد ہوں یا عورتیں جمع کرنے کی ذمہ داری اسے سونپیں گے تاکہ اس سے ان کی اصلاح ہو، ان کی گھر والیوں کی تربیت ہو اور ان کے اخلاق درست ہوں۔ اور مسجد و اہل مسجد کی جانب سے درج ذیل اصلاحی مجلس منعقد ہوں گی:

(1) محلے میں قائم صندوق کی مجلس اور اس کا مقصد محلے یا گاؤں کے افراد سے ماہانہ چندہ وصول کرنا اور اسے اجتماعی صندوق میں محفوظ کر دینا ہے۔

(2) محلے یا گاؤں کی دیکھ بال کی مجلس اور اس کا مقصد محلے یا گاؤں کے رہنے والوں کے احوال پر اطلاع پانا ہے۔ تاکہ ان میں بیمار محتاج، گم شدہ، مظلوم اور ظالم کا پتہ لگ سکے اور پھر ان احوال کو محلے یا گاؤں کے امام کے سامنے پیش کرنا ہے تاکہ اسلام نے پڑوس اور اسلامی بھائی چارگی کے ناطے جو معاونت فرض قرار دی ہے اسے فوری طور پر پیش کیا جا سکے۔

(3) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی مجلس اور یہ ان افراد سے مل کر بنے گی: ایک پولیس اہلکار اور دوسرے وہ شخص جسے شہر میں موجود عام پولیس کا ادارہ متعین کرے اور ان کے علاوہ محلے والوں میں سے بطور کارکن دو مزید افراد۔ اور اس کا مقصد محلے یا گاؤں کے افراد کے چال چلن کی نگرانی اور ہر اس شخص کی پہچان کرنا جسنے کوئی نیکی کا کام چھوڑا ہو حالانکہ وہ اس کے کرنے پر قادر ہو یا جس نے کسی برائی کا ارتکاب کیا ہو حالانکہ وہ اس کے ارتکاب پر مجبور نہ کیا گیا ہو اور پھر اسے مسجد میں تادیبی مجلس میں طلب کرنا تاکہ وہ مجلس اپنے مخصوص تادیبی طریقوں سے اس کا مواخذہ کرے۔

(4) تادیبی مجلس۔ اور یہ ان افراد مل کر بنے گی: مسجد کا امام، ایک پولیس اہلکار اور محلے کے صندوق کا امین شخص اور اس کا مقصد محلے یا گاؤں میں بسنے والوں میں ہر اس شخص کی تادیب اور اصلاح

کرنا ہے جو کسی نیکی کو چھوڑ کر یا کسی برائی کا ارتکاب کر کے اپنے واجب میں خلل ڈالے خواہ وہ قولاً ہو، فعلاً ہو، یا اعتقاداً ہو۔ اور یہ مجلس ان افراد کی اصلاح کے سلسلہ میں درج ذیل تادیبی ذرائع کو استعمال کریگی۔

(1) وعظ ونصیحت۔ کیونکہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام بھی کبھی کبھی اپنے کلام میں صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو ادب سکھایا کرتے تھے۔ سو اگر اس سے کام نہ چلے تو پھر درج ذیل دوسرا اور تیسرا طریقہ کار اختیار کیا جائے گا۔

(2) محلے کے تمام افراد کی جانب سے اس سے مکمل لاتعلقی یہاں تک کہ اس کے قریب ترین رشتہ دار کی طرف سے بھی جب تک کہ وہ اس بھلائی کو اختیار کر کے توبہ نہ کر لے جس کا وہ ارتکاب کرتا ہے پھر اگر اس سے بھی کوئی فائدہ حاصل نہ ہو تو پھر تیسرا طریقہ اختیار کیا جائے گا اور وہ یہ کہ:

(3) یہ معاملہ شہر میں موجود پولیس کے دائرہ کار کے سامنے پیش کیا جائے گا اور محلے یا گاؤں کے تمام افراد کا نام لیکر اس شخص کی اصلاح یا پھر محلے یا گاؤں سے جلاوطنی کا مطالبہ کیا جائے گا کیونکہ وہ ایک ایسے فاسد عضو کی مانند ہے جس کی موجودگی کی صورت میں یہ ڈر اور اندیشہ ہے کہ اس کا فساد اور بگاڑ محلے کے تمام نیک افراد میں سرایت کر جائے گا۔ اور یہی حال اس شخص کا ہے کہ جس نے اللہ تعالی کی منع کردہ حدود میں سے کسی حد کا ارتکاب کیا ہو تو پھر اس صورت میں یہ معاملات فی الفور پولیس کے دائرے کے ہاں فیصلہ سنائے اور شہر یا صوبے کے خلیفہ کے حاکم کی اجازت سے اس شخص پر حد جاری کرنے کے لئے لیجائے جائیں گے۔

دوسراباب

امن وامان اور دفاعی نظام کی تقویت اور مضبوطی کے بیان میں

اوراس باب میں چار فصلیں ہیں۔

پہلی فصل: دفاعی عملے کو تشکیل دینے کے بیان میں ہے، اوراس فصل میں تین دفعات ہیں:

پہلا دفعہ: مسلمانوں کی جانوں، مالوں اور عقائد وغیرہ کا دفاع کرنے کے متعلق ہے، کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق مسلمانوں کی روحوں، اموال، عزت اوران کے عقائد کا دفاع کرنا واجب ہے ارشاد خداوندی ہے: (اللہ کے راستے میں قتال کرو یا دفاع کرو) نیز ارشاد فرمایا: (اور اگر اللہ تعالی لوگوں کا زور ایک دوسرے سے گھٹاتا رہتا تو نصاری کی خانقاہیں اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے، منہدم ہوگئے ہوتے اور تحقیق اللہ اس کی مدد کریگا جو اس کی مدد کریگا بے شک اللہ طاقت والا زبردست ہے) اور ایک جگہ ارشاد فرمایا: (اور اللہ کی راہ میں لڑو ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں، اور حد سے باہر مت نکلو کہ اللہ حد سے باہر نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا) اور آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ "جو شخص اپنے مال کے دفاع میں لڑا تو وہ شہید ہے (یعنی مال کے دفاع کے لئے مزاحمت کی اوراس مزاحمت میں مارا گیا تو وہ شہید ہے) اور جو شخص اپنی جان کے دفاع کیلئے لڑا تو وہ بھی شہید ہے۔ اور جو شخص اپنے دین کے دفاع میں مارا گیا تو وہ بھی شہید ہے۔ اور جو اپنے گھر والوں کے دفاع میں مارا گیا تو وہ بھی شہید ہے" [اسے اصحاب سنن اور احمد نے روایت کیا ہے۔

دفعہ (2) اعلیٰ دفاعی مجلس کے بیان میں اعلیٰ دفاعی مجلس ان افراد سے مل کر بنے گی:

(1) وزیر دفاع جو مجلس خلافت کا ایک رکن ہوگا۔ (2) مسلح قوتوں کا ایک عام قائد اور یہ بھی مجلس خلافت کا ایک رکن ہوگا۔ (3) حرب وقتال کے ارکان۔ (4) اس مجلس کے تینوں ارکان میں سے ہر ایک کا ایک نائب شخص۔

دفعہ (3) دفاعی عملے کو خلافت کے ساتھ جوڑنے کے بیان میں:

چونکہ وزیر دفاع اور عمومی قائد دونوں مجلس خلافت کے دو ارکان ہیں اس لئے کہ وزارت دفاع جو اعلیٰ دفاعی مجلس ہے کوئی بھی قرارداد جو حالت جنگ وسلامتی میں دفاعی معاملے سے متعلق ہو اس وقت تک نہیں اپنائے گا جب تک اسے مجلس خلافت کے سامنے پیش نہ کردے اور اس پر تبادلہ خیال کر کے اسے ثابت نہ کروادے۔ چنانچہ کسی وزیر دفاع، مسلح قوتوں کے عام لیڈر، حرب وقتال کے ارکان یا ان کے علاوہ قائدین اور حکام میں سے کسی کے لئے یہ درست نہیں ہوگا کہ وہ فوج یا اپنی بعض ولایت اور کسی بھی قتال کے تحریکی لشکر میں کوئی بھی امر اس وقت تک صادر کرے جب تک کہ مجلس خلافت کی جانب سے اس کی منظوری ظاہر نہ ہوگئی ہو اور خلیفۃ المسلمین کی جانب سے اسے جاری نہ کردیا گیا ہو وگرنہ بصورت دیگر مسلح قوتوں کے افراد میں سے کسی بھی فرد کے لئے کسی حال میں اس کی اطاعت اور اس کے حکم کی بجا آوری صحیح نہ ہوگی۔

اسلامی دستور

دوسری فصل

فوج میں بھرتی ہونا یا فوجی ملازمت: یہ فصل تین اجزاء پر مشتمل ہے

جز (1) اسلامی فوج میں ملازمت کا وجوب:

اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وجاهدوا فى الله حق جهاده﴾ [الحج 78] (اور اللہ (کی راہ) میں جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے)۔

دوسری جگہ ہے: ﴿ان الله اشترىٰ من المؤمنين انفسهم واموالهم بأن لهم الجنة يقاتلون فى سبيل الله فيقتلون ويقتلون وعداً عليه حقاً فى التورات والانجيل والقرآن﴾ [التوبة : 111] (اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں (اور اس کے) عوض میں ان کے لئے بہشت (تیار کی) ہے۔ یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے

بھی ہیں اور مارے بھی جاتے ہیں)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:"من مات ولم يغز ولم يحدث نفسه بالغزو مات ميتة جاهلية "(رواه احمد ومسلم وغيرهما) (جو شخص مرے اس حال میں کہ اس نے نہ جہاد کیا اور نہ اس کے دل میں جہاد کا جذبہ پیدا ہوا وہ جاہلیت کی موت مرا)۔

مندرجہ بالا نصوص کے مطابق اسلامی فوج میں ملازمت، جدید اسلحہ اور دفاعی طور طریقوں میں غیر معمولی ترقی کے ان حالات میں ہر اس مسلمان نوجوان پر واجب ہے،، جس کی عمر اٹھارہ برس یا اس سے زائد ہو، جسمانی اور ذھنی طور پر مکمل صحت مند ہو، سو ہر وہ مسلمان نوجوان جو، ان مطلوبہ شرائط پر پورا اترتا ہو، اس پر لازم ہے کہ وہ اس دفاعی لڑی میں خود کو پرو کر مسلسل دو سال تک، فن حرب وضرب کی مکمل تربیت (ٹریننگ) اور جہاد وقتال کے جملہ وسائل کو استعمال کرنے کی قدرت حاصل کرے۔

جز(2) بھرتیاں کرنے والی کمیٹی اور اس کی ذمہ داریاں:

فوجی ملازمت کے لئے نوجوانوں کو بھرتی کرنے والے عملے کے ارکان:

(1) مسلح افواج کے سربراہ کا نائب۔(2) میدان جنگ میں عملاً برسر پیکار رہنے والے جرنیلوں میں سے ایک ماہر جرنیل۔(3) محکمہ صحت کا ایک مستند ڈاکٹر۔(4) محکمہ عدل کا ایک تجربہ کار قاضی۔ یہ ادارہ فوجی بھرتی اور عسکری امور کا وفاقی ادارہ کہلائیگا۔

کمیٹی کی ذمہ داریاں:

سالانہ شرح پیدائش کا جائزہ لینا، اور فوجی ملازمت کیلئے مطلوبہ شرائط پر پورا اترنے والے نوجوانوں کو تربیتی مراکز (ٹریننگ سینٹرز) میں بلانا، جہاں انٹرویوز کے بعد انہیں تربیت کے مختلف مراحل سے گزار کر فوجی ملازمت کے لئے منتخب کیا جا سکے۔

جز(3) تربیتی مراکز:

مرکزی اور صوبائی سطح پر ایسے تربیتی مراکز قائم کئے جائیں، جن میں ہر قسم کا فوجی ساز وسامان

اتنی مقدار میں موجود ہو۔ جو سالانہ ایک بڑی تعداد میں لشکر اسلام میں شامل ہونے والے اس علاقے کے نوجوانوں کے لئے کافی ہو۔ یہ تربیتی مراکز اس قابل ہوں کہ ان کا تربیت یافتہ نوجوان فریضہ جہاد کی ادائیگی پر نہ صرف قادر ہو بلکہ آلات حرب وضرب کے استعمال میں مہارت تامہ کا حامل بھی ہو۔ دو سالہ تربیت مکمل کرنے کے بعد ہر نوجوان کو باقاعدہ فوج کی صفوں میں شامل ہونے یا واپس آکر شہری زندگی اختیار کرنے کا اختیار ہو، مگر اس دوسری صورت میں اس کا نام احتیاطی فورس (ریزرف) میں شامل رہےگا تا کہ ضرورت کے وقت یہ ملک وملت کی آواز پر لبیک کہتا ہوا میدان جہاد میں حاضر ہو۔ اس عمل سے نہ صرف یہ کہ وہ اپنے فرضی منصبی سے سبکدوش ہوگا بلکہ آپ ﷺ کے ارشاد مبارک "ولكن جهاد ونية" (لیکن جہاد اور اچھی نیت باقی ہے) اور "من سأل الشهادة صادقاً أعطيها ولو مات على فراشه" (جس نے صدق دل سے شھادت کی تمنا کی اسے اس کا اجر دیا جائیگا اگر چہ اس کا انتقال اسے کے بستر پر ہو) کا مصداق بن کر مجاہدین کے اجر کا مستحق قرار پائیگا۔ کیونکہ بنیت جہاد تربیت لینے والا مجاہد کے حکم میں ہے جب تک اس کا نام مجاہدین کی لسٹ میں ہو۔

فصل(3) ادارہ فراہمی ہتھیار

یہ فصل تین اجزاء پر مشتمل ہے۔

جز(1) محکمہ فراہمی ہتھیار کا عملہ:

محکمہ فراہمی ہتھیار کے عملہ میں وزیر دفاع، مسلح افواج کا سربراہ، میدان جنگ میں عملاً برسر پیکار رہنے والے جرنیل اور وزیر مالیات واقتصادیات شامل ہوں۔ اس ادارے کی ذمہ داریاں، اسلامی لشکر کو اسلحہ، طاقت، ٹیکنالوجی اور تربیت کے لحاظ سے افواج عالم میں اونچا ترین مقام عطا کرنا ہے۔

جز(2) ہتھیار سازی

محکمہ فراہمی ہتھیار کی سب سے بڑی اور اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اسلامی فوج کو ہر قسم کا جدید اسلحہ، جس میں ہائیڈروجن بم سے لیکر نیزہ اور چاقو تک ہوں، مہیا کرے تا کہ خلافت اسلامیہ کا فوج

عالمی افواج میں قوت، اسلحہ اور تجربہ کے لحاظ سے سب پر مقدم ہو۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ہتھیار سازی کی بڑی بڑی فیکٹریوں کا قیام ناگزیر ہے۔ جو انواع واقسام کا جدید اسلحہ تیار کرے۔ فراہمی ہتھیار اور اسلحہ سازی جیسے اہم فریضہ سے سبکدوشی کیلئے حکومت اور عوام کو اپنی تمام تر توانائیاں بروئے کار لانی پڑینگی۔ اور ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار رہنا پڑیگا۔ یہاں تک کہ اس عظیم مقصد کے حصول کے خاطر انہیں ایک وقت کھانے پر اکتفاء کرنا پڑ جائے تو کرنا پڑیگا۔ کیونکہ حصول قوت موقوف ہے قربانی پر۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے: ﴿وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة﴾ [الأنفال 60] (اور تم ان کے مقابلے کے لئے تیاری کرو، جتنا تم سے ہو سکے)

جز (3) دفاعی بجٹ:

فوجی تربیت، اسلحہ، ہتھیار ساز فیکٹریوں، فوجی نقل وحمل، خورد ونوش اور تنخواہوں کی تمام اخراجات دیگر محکموں کی طرح خلافت اسلامیہ کے وفاقی بجٹ سے لی جائیگی۔ اور اگر ضرورت پڑی تو ہنگامی چندوں کا اعلان بھی کیا جائیگا جس میں امت کا ہر فرد اپنی وسعت کے مطابق حصہ لے گا تا کہ فوجی ضروریات کو پورا کیا جاسکے۔ کیونکہ جہاد جیسے اہم فریضہ کے قیام کے لئے ہر مسلمان پر مالی تعاون واجب ہے جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے۔ ﴿وجاهدوا في الله حق جهاده﴾ [الحج 78]. (اور اللہ کی (راہ میں) جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے) ﴿انفروا خفافا وثقالا وجاهدوا باموالكم وأنفسكم في سبيل الله﴾ [التوبة 41] (تم سبک بار ہو یا گراں بار (یعنی مال واسباب تھوڑا رکھتے ہو یا بہت گھروں سے) نکل آؤ اور اللہ کے راستے میں مال اور جان سے لڑو)

فصل (4) مسلح افواج کا استعمال

اس کے دو حصے ہیں

حصہ (1) مسلح افواج کو کاروائی کی اجازت کون دے؟

چونکہ خلافت اسلامیہ میں امیر اور خلیفہ کی اطاعت لازمی ہے اس لئے دیگر محکموں کی طرح

عسکری محکمہ بھی خلیفہ کے حکم کا پابند ہے۔ سو عسکری قوت کی کسی بھی کاروائی کے لئے خلیفۃ المسلمین کی صریح اجازت تحریری صورت میں ہونا لازم ہے جس پر خلیفہ اور امارت اسلامیہ کے تمام یا کم از کم دوتہائی وزراء کے دستخط ہوں۔ معلوم ہوا کہ اسلامی مملکت کی عسکری قوت صرف اور صرف اس جنگ میں حصہ لے سکتی ہے جسے جہاد کہا جاتا ہے جس کی اجازت اللہ نے یوں دی ہے ﴿أذن للذين يقاتلون بأنهم ظلموا وان الله على نصرهم لقدير﴾ [الحج 39] (جن (مسلمانوں) سے (کافر) جنگ کررہے ہیں انہیں بھی مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ مظلوم ہیں) ﴿وان طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما، فان بغت احداهما على الأخرى فقاتلوا اللتي تبغي حتى تفيء الى أمر الله﴾ [الحجرات 9] (اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں میل ملاپ کرادیا کرو پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم (سب) اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے)

حصہ (2) کن حالات میں فوجی کاروائی کی اجازت دینی چاہیے؟

جیسا کہ اس فصل کے پہلے حصہ میں عرض کیا جاچکا کہ فوجی کاروائی خلیفہ کی اجازت اور امارت اسلامیہ کے تمام یا دوتہائی وزراء کے اتفاق ہی سے ممکن ہے۔ رہی یہ بات کہ خلیفۃ المسلمین فوجی کاروئی کی اجازت کب اور کن حالات میں دیگا۔ سو فوجی کاروائی کی اجازت صرف درج ذیل صورتوں میں دی جاسکتی ہے۔

(1) جب دشمن کی طرف سے امارت اسلامیہ پر زمینی، فضائی یا سمندری حملہ ہو۔

(2) جب دشمن کی طرف سے امارت اسلامیہ کی مسلمان رعایا یا ذمیوں کے مال، جان یا دین وعصمت پر حملہ ہو۔

(3) حدود امارت اسلامیہ میں لوٹ مار کرنے، اموال واملاک پر قبضہ کرنے، اور لوگوں دہشت زدہ کرنے یا ان کا خون بہانے والے مسلح ٹولوں، ڈاکوؤں، غاصبوں اور لٹیروں کو ختم کرنے یا انہیں راہ راست پر لانے کے لئے۔

(4) خلیفۃ المسلمین کی اطاعت کی رسی کو توڑ کر اپنی حاکمیت اور تسلط قائم کرنے کے لئے

امارت اسلامیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے والے باغیوں کا قلع قمع کرنے کے لئے۔سوان سے قتال کیاجائیگا،جس کی مکمل تفصیل اس دستور کے "باب القضاء" میں "قتال اهل البغى" کے ذیل میں آچکی ہے۔

(5) اسلام میں داخل ہونے سے لوگوں کو روکنے اور اسلام کی اشاعت وتبلیغ کی راہ میں رکاوٹ بننے والوں سے قتال کرنے کے لئے۔

مندرجہ بالا پانچ صورتوں میں کی جانی والی کاروائی شرعی جہاد کہلائی گی،اور امارت اسلامیہ کی طرف سے لڑنے والے مجاہدین فی سبیل اللہ کہلائینگے۔

ان میں سے جو اللہ کی راہ اپنی جان سے گزر جائینگے وہ شہید کہلائینگے اور جو زندہ لوٹ کر آئینگے عزت واحترام کی زندگی گزارینگے۔پہلی اور دوسری صورت کی دلیل قرآن کریم میں اللہ کا ارشاد: ﴿فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل مااعتدى عليكم﴾ [البقرة 194] (جوتم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اسی کے مثل زیادتی کرو جوتم پر کی ہے) اور: ﴿وقاتلوا فى سبيل الله الذين يقاتلونكم﴾ [البقرة 190] (اور لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جوتم سے لڑتے ہیں) اور تیسری صورت کی دلیل ﴿انما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون فى الأرض فساداً أن يقتلوا أو يصلبوا أو تقطع أيديهم وأرجلهم من خلاف أو ينفوا من الأرض﴾ [المائدة 33] (جو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑے اور زمین میں فساد کرتے پھرے،ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کردئے جائیں یا سولی چڑھادئے جائیں یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دئے جائیں یا انہیں جلاوطن کردیا جائے) چوتھی صورت کی دلیل ﴿وان طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما فان بغت احداهما على الأخرى فقاتلوا اللتى تبغى حتى تفىء الى أمر الله﴾ [الحجرات 9] (اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑے تو ان میں میل ملاپ کرادیا کرو پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم (سب) اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو۔یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے) پانچوں

صورت کی دلیل ﴿وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين لله﴾ [البقرة 193] (ان سے لڑو جب تک کہ فتنہ نہ مٹ جائے اور اللہ تعالیٰ کا دین غالب نہ آجائے) اور ﴿قاتلوا الذين لا يؤمنون بالله ولا باليوم الآخر ولا يحرمون ما حرّم الله ورسوله ولا يدينون دين الحق من الذين أوتوا الكتاب حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون﴾ [التوبة 29] (ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے۔جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ اشیاء کو حرام نہیں جانتے،نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں۔ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے۔یہاں تک کہ وہ ذلیل وخوار ہوکر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کرے)

تیسراباب

معاشیات واقتصادیات

اس میں تین فصلیں ہیں:

پہلی فصل:احترام اموال،ذرائع آمدن اوراس کی نگرانی

اس فصل کوتین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں

حصہ(1)احترام مال:

اسلام مال کومحترم قرار دیکراس کی بڑہوتری اوراصلاح کاحکم دیتاہےاوراس کوخراب یاضائع کرنے سے منع کرتا ہے۔مال چرانااورغصب کرناحرام قراردیتاہے۔چنانچہ اللہ کاارشاد ہے:﴿ولا تؤتوا السفهاء أموالكم التى جعل الله لكم قياماً﴾ [النساء 5] (بے عقل لوگوں کواپنامال نہ دوجس مال کواللہ تعالیٰ نے تمہاری گزران کے قائم رکھنےکاذریعہ بنایاہے)﴿والذين اذا أنفقوا لم يسرفوا ولم يقتروا وكان بين ذلك قواما﴾ [الفرقان 67] (اورجوخرچ کرتےوقت بھی نہ تو اسراف کرتے ہیں نہ بخیلی بلکہ ان دونوں کے درمیان معتدل طریقے پر خرچ کرتے ہیں) ﴿والسارق والسارقة فاقطعوا أيدهما﴾ [المائدة 38] (چوری کرنے والےمرداورعورت کے ہاتھ کاٹ دیاکرو)﴿ويل للمطففين الذين اذا اكتالوا على الناس يستوفون واذا كالوهم او وزنوهم يخسرون﴾[المطففين] (بڑی خرابی ہےناپ تول میں کمی کرنے والوں کی۔کہ جب لوگوں سے ناپ کرلیتے ہیں تو پوراپورا لیتے ہیں۔اور جب انہیں ناپ کریاتول کردیتے ہیں توکم دیتے ہیں)۔

حصہ(2)خلافت اسلامیۃ کی ذرائع آمدن

امارت اسلامیہ کے بیت المال میں درج ذیل ذرائع سے اموال جمع ہوتے ہیں۔

(1)ملکی زمین سے نکلنے والےقدرتی معدنیات۔

(2)مسلمانوں کےاموال میں فرض زکوۃ۔اللہ کاارشاد ہے:﴿خذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها﴾ [التوبة 103] (آپ ان کے مالوں میں سےصدقہ لےلیجئےجس کے ذریعے سے آپ ان کوپاک صاف کردیں)۔

(3)حکومتی صنعتیں،فیکٹریاں،تعمیراتی ادارےاورتجارتی وفلاحی ادارے۔

(4)کفار،اہل ذمہ اوردیگرممالک سےدرآمدکی جانی والی تجارتی سامان پرتجارتی ٹیکسز۔

(5)صاحب حیثیت لوگوں کےعطیات،ڈاک ٹکٹ اورڈاک سےمتعلق دوسری چیزوں سےملنی والی رقم۔

(6)مال غنیمت۔

حصہ(3)اموال کی حفاظت ونگرانی

موجودہ جدید دور میں کسی بھی ملک کے وجود،بقا،سلامتی،استحکام اورترقی میں مال کو بنیادی حیثیت حاصل ہےاس لئے اسلامی مملکت کیلئے مال کی حفاظت اوراس کی نگرانی کرناضروری ہے۔چنانچہ امارت اسلامیہ کافرض بنتاہے کہ آمدنی واخراجات میں حلال وحرام کی تمیز کرتے ہوئے ہروہ طریقہ وذریعہ اختیارکرے جوجائز،حلال،حق،اورمنصفانہ ہو۔نہ کہ وہ ناجائز ذرائع جن سے کمانے کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔سوحکومت ہویارعایااس کی آمدنی سودی منافع،حرام چیزوں کی خریدوفروخت،غصب،چوری اور غیرشرعی طریقوں سے نہ ہو۔جس طرح سے اسلام نے صرف جائزطریقوں سے کمانے کی اجازت دی ہے اسی طرح خرچ کرنے میں بھی اسلام نے کچھ حدودوقیودمقررکی ہیں۔سوحکومتی اموال ہوں یاشخصی اموال، چونکہ اسلام میں مال کی حیثیت ایسی چیزکی ہےجس سےتمام مسلمان فائدہ اٹھائیں اس لئےاس کواس وقت تک خرچ کرناجائزنہیں جب تک اس کے خرچ کرنے میں کوئی عمومی یاخصوصی مصلحت نہ ہو۔فضول خرچی

،اسراف،اللہ کی نافرمانی اوروہ تمام صورتیں جن میں کوئی عام یاخاص فائدہ نہ ہو،ان میں مال خرچ کرنا اسلام نے منع کردیاہے۔ارشادباری تعالیٰ ہے:﴿ولا تاكلوا اموالكم بينكم بالباطل﴾ [البقرة 188] (اورایک دوسرے کامال ناحق نہ کھایاکرو)﴿كيلا يكون دولة بين الأغنياء منكم﴾ [الحشر 7] (تاکہ تمہارے دولتمندوں کے ہاتھ میں ہی یہ مال گردش کرتانہ رہ جائے)لہذاکسی ظاہری،انفرادی،یااجتماعی مصلحت کے بغیر مال خرچ کرناجائزنہیں ہے خواہ وہ مال شخصی ہویاحکومتی۔

دوسری فصل حکومت کی معاشی ترقی

یہ فصل دواجزاءپر مشتمل ہے

جز(1)اندرون ملک سرمایہ کاری

ملکی ضروریات اورترقیاتی منصوبوں پرآنی والی لاگت کوپوراکرنے کے لئے ملکی خزانہ کانہ صرف بھراہواہونا بلکہ اس میں روز بروز اضافہ ہونابھی ضروری ہے۔اس مقصد کے حصول کے لئے حکومت پرلازم ہے کہ وہ صنعت وتجارت اوردوسرے نفع بخش میدانوں میں بہت بڑی مقدار میں سرمایہ کاری کرے اورمختلف قسم کے صنعتی،فلاحی اورتجارتی ادارے قائم کرے جس میں دیگرفوائد کے ساتھ ساتھ ذیل کے دوبنیادی مقاصد کے حصول میں ممکن حدتک مدد ملے گی

(1)ملکی خزانہ یعنی بیت المال کے دولت میں مسلسل اضافہ ہوگاجوایک ابھرتے ہوئے ترقی پذیرملک کوطاقتوربنانے اوراس کے وجود کی حفاظت میں مدہوگا۔

(2)زیادہ سے زیادہ ہم وطنوں کوملازمت کے مواقع میسرہونگے جنہیں انجام دینے کے بعد ملازمین،بیت المال میں اپنامقررہ وظیفہ وصول کرکے اپنااوراپنے اہل خانہ کی بہترکفالت کرسکیں گے۔

عام ضروریات زندگی جیساکہ پانی،بجلی،گیس اوردیگرقدرتی معدنیات اوران کے ذخائر میں حکومت جتنی زیادہ سرمایہ کاری کریگی اتناہی قومی معیشت ترقی کریگا،قومی خزانہ یعنی بیت المال بھرے گااورعوام کوزیادہ سے زیادہ روزگاروملازمت کے مواقع میسرہونگے اورانہی ملازمتوں کوانجام

دیکروہ اپنامقررہ وظیفہ وصول کرکے اپنے خاندان کی بہترکفالت کرینگے۔

انتباہ

اس کاہرگزیہ مطلب نہ لیاجائے کہ حکومت تمام نفع بخش ادارے،صنعتیں اورتجارتی اشیاء کی درآمد برآمد صرف اپنے ہی قبضہ میں رکھے۔نہیں!نہیں!بلکہ عوام کوصنعتی،تجارتی،فلاحی اورتعمیری اداروں کے قیام کی مکمل آزادی ہو۔وہ جوجائزاورحلال طریقہ وذریعہ آمدن اختیارکرناچاہئے کرسکتے ہیں صرف یہی نہیں بلکہ حکومت کوان کی ہراعتبارسے حوصلہ افزائی،ہمدردی اورتعاون کرناچاہئے۔

ہاں!حکومت کے ان پردوحق ضرورہیں(1)ان سے فرض زکوۃ وصول کرنا۔(2)ان نجی اداروں میں ملازمین کے حالات کی جانچ پڑتال کرنا،تاکہ کوئی فیکٹری یاادارہ کسی ملازم کی حق تلفی کرکے اس کی اہلیت وقابلیت سے کم اجرت نہ دئے جتنی اس کوایسے اہلیت وقابلیت پرحکومتی اداروں اور فیکٹریوں میں ملنی چاہئے تھی۔اورحکومت کی طرف سے مختلف میدانوں میں سرمایہ کاری اورصنعتی وتجارتی اداروں کے قیام کابڑااوراہم مقصد ہی یہ ہوکہ ان اداروں میں عوام کوزیادہ سے زیادہ روزگارمل سکے تاکہ ہرآدمی باعزت طریقے سے اپنی زندگی کے شب وروزگزارسکے۔

بایں ہمہ جب حکومت کوایسے اہل اورامانتدارودیانتداراداروں کاعلم ہوجائے جواپنے ملازمین کوہمہ اقسام کی مراعات اورمناسب تنخواہیں دیتی ہیں۔توحکومت کوایسے اداروں کی بھرپورحوصلہ افزائی کرنی چاہئے تاکہ ترقی وکامیابی کایہ سفرمسلسل اسی طرح جاری وساری رہ سکے۔

جز(2)بیرون ملک سرمایہ کاری

جس طرح ملک کے اندرمختلف نفع بخش میدانوں میں سرمایہ کاری کے ذریعے ملکی معیشت کو استحکام بخشاجاسکتاہے بعینہ اسی طرح ملک سے باہردیگرممالک میں بھی وہاں کے نفع بخش اداروں سرمایہ لگاکرملکی خزانہ بھراجاسکتاہے۔بیرونی سرمایہ کاری کے دیگربہت سارے فوائد کے ساتھ ساتھ دواہم فائدے یہ بھی ہیں(1)ملکی خزانہ میں بیرونی سرمایہ کی مسلسل آمد جس سے ملکی معیشت مضبوط ہوکرملک ترقی یافتہ ممالک کے صف میں شامل ہوگا۔(2)اقوام عالم میں اچھی شہرت کے علاوہ جن ملکوں میں

سرمایہ کاری کی گئی ہے،ان میں سیاسی اثر ورسوخ۔

تیسری فصل: بیت المال کے مصارف

اس فصل کو چار اجزاء میں تقسیم کیا جاتا ہے

جز(۱) فضول خرچی اور اللہ کی نافرمانی میں خرچ کرنے کی حرمت:

چونکہ شریعت مطہرہ نے فضول خرچی کرنے اور اللہ کی نافرمانیوں میں خرچ کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔اس لے کسی مسلمان کے لئے چاہئے وہ حاکم ہو یا محکوم، مسئول ہو یا غیر مسئول، کسی غیر شرعی کام میں مال خرچ کرنا جائز نہیں چاہے وہ قومی دولت ہو یا شخصی۔اور جو شخص مخالفت کرتے ہوئے پکڑا جائے ،اسے سزا دی جائے۔ارشاد ربانی ہے:﴿ولا تاکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾ [البقرة :188] (اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو) دوسری جگہ ارشاد فرمایا:﴿ولا تبذر تبذیرا ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین و کان الشیطان لربه کفورا﴾ [الاسراء : 26-27]. (اسراف اور بے جا خرچ سے بچو، بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے) ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہے:﴿و کلوا واشربوا ولا تسرفوا انه لا یحب المسرفین﴾ [الأعراف 31] (اور خوب کھاؤ اور پیئو اور حد سے مت نکلو بیشک اللہ تعالیٰ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا)۔

جز(2) فضول خرچی اور اسراف کی تعریف:

مال کو خرچ کرنے کی درج ذیل صورتیں اسراف کہلاتی ہیں:

(1) خورد و نوش، لباس، رہائش اور سواری پر ضرورت سے زائد خرچ کرنا۔

(2) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہوئے مال کو ایسے کاموں میں صرف کرنا ،جن کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیکر اس میں خرچ کرنے سے منع کیا ہو، چاہئے اس کا تعلق خورد و نوش سے ہو یا لباس و رہائش سے، دیکھنے سننے سے ہو یا بچت و ذخیرہ اندوزی سے۔

(3) لایعنی اور فضول کاموں میں صرف کرنا جس کا کوئی ظاہری انفرادی یا اجتماعی فائدہ نہ ہو یا اس سے کسی کی کوئی تکلیف یا مصیبت دور کرنے کا ارادہ نہ ہو۔

جز(3) امارت کا مالی امور کی نگرانی کرنا

امارت اسلامیہ کی طرف سے حکومتی اور شخصی اموال اور اس سے متعلق امور کی نگرانی ضروری ہے۔اللہ کا ارشاد ہے:﴿ولا تاکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾ [البقرة : 188]. (اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو) دوسری جگہ ارشاد ہے:﴿ولا تؤتوا السفهاء أموالکم التی جعل الله لکم قیاما﴾ [النساء : 5]. (بے عقل لوگوں کو اپنا مال نہ دے دو جس مال کو اللہ تعالیٰ تمہاری گزران کے قائم رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے) نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "ان الله حرم علیکم عقوق الأمهات و وأد البنات ،ومنع وهات و کره لکم قیل وقال و کثرة السؤال و اضاعة المال" (متفق علیه). (اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی، ضرورت کے موقع پر خرچ نہ کرنے اور بلاضرورت سوال اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کو حرام کیا۔اور فضول بحث مباحثہ کو اور کثرت سوال کو اور مال کو بے جا ضائع کرنے کو تمہارے لئے ناپسند فرمایا)۔

جز(4) ملکی اموال کے مصارف

امارت اسلامیہ صرف اموال میں ایسے منظم، شفاف اور منصفانہ وعادلانہ طریقے اختیار کرے کہ جس سے عوام میں حکومت کی نیک نامی ہو اور عوام حکومت پر اعتماد کرے۔سب سے پہلے حکومت کی طرف سے ملک کے طول وعرض میں نہایت صاف وشفاف مردم شماری ہو، جس کی بنیاد پر حکومت سالانہ بجٹ ترتیب دے، جس میں امت کے ہر فرد اور شہری کے لئے اتنا وظیفہ مقرر کیا جائے جو اس کی ضرورت کے لئے کافی ہو۔ہاں یہ وظیفہ اس کو اس عمل کے انجام دہی کے بعد دیا جائے، جو حکومت نے اس کے ذمہ لگایا ہو۔یعنی حکومت پر لازم ہے کہ ہر اس شہری کے لئے وظیفہ مقرر کرے جو حکومتی خدمات کی بجا آوری کر سکتا ہو جب مذکورہ شہری اس خدمت کو انجام دے لے تو اسے بیت المال میں سے اس کا مقررہ وظیفہ دیا جائے۔اس سلسلہ میں حکومت ذیل کی دو باتیں کی خاص رعایت رکھے۔

(1) ہر شہری کے افراد خانہ کا، مثلاً ایک بیوی اور تین بچوں والے شہری کو اس کے کام کا جتنا ماہانہ معاوضہ دیا جائیگا وہ بغیر فیملی والے کو یا پہلے شہری کے مقابلے میں کم فیملی والے کو نہیں دیا جائیگا۔

(2) اونچے یا اہم منصب والے، اسی طرح مشکل کام کرنے والے کا معاوضہ دوسروں سے بہر حال زیادہ ہونا چاہئے تا کہ یہ لوگ ہمت واخلاص کے ساتھ اپنے کام کو مسلسل جاری رکھ سکیں۔ لیکن یہ زیادتی دوگنا سے زیادہ نہ ہو۔

اس ساری تفصیل کا خلاصہ اور نچوڑ یہ ہے کہ امارت اسلامیۃ کا سرمایہ صرف کرنے کی صرف دو ہی صورتیں ہیں۔

(1) تنخواہوں کی ادائیگی میں، جس میں خلیفہ سے لے کر ادنٰی کارکن تک کی تنخواہیں شامل ہیں۔ اس کا سیدھا سادھا مطلب یہ ہے کہ قومی دولت قوم کے ہر ہر فرد پر صرف ہوگا۔ اس لئے کہ کوئی بھی شہری ایسا نہیں ہوگا جس کے ذمہ حکومت کی کوئی خدمت نہ ہو۔ لہذا ہر شہری اپنے ذمہ کی خدمت سے سبکدوش ہونے کے بعد حکومت کے بیت المال سے اپنا مقررہ وظیفہ وصول کرے گا۔

(2) حکومت کی قائم کردہ فیکٹریوں، تجارتی اداروں اور زرعی منصوبوں پر صرف کرنا، جن میں عوام ملازمتیں کرتے ہیں۔ اس طرح ملک کا تمام تر سرمایہ اپنے ہی ملک وعوام پر صرف ہوگا۔

چوتھا باب

تعلیم وتربیت

یہ باب چار فصلوں پر مشتمل ہے:

پہلی فصل تعلیم کے وجوب، تعلیم کی حقیقت، تعلیمی مراکز ومدارس اور مراحل تعلیم:

یہ فصل چار اجزاء پر مشتمل ہے

جز (1) وجوب تعلیم وتربیت

قرآن وسنت کی رو سے مسلمان بچوں کی تعلیم وتربیت واجب ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿یا أیہا الذین آمنوا قوا أنفسکم وأهلیکم ناراً وقودها الناس والحجارة﴾ [التحریم : 6]. (اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر) اہل کا اطلاق اولاد پر بھی ہوتا ہے۔ اولاد کو آگ سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی بہتر تعلیم وتربیت کی جائے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "مروا أولادکم بالصلاة اذا بلغوا سبعا، واضربوهم علیها اذا بلغوا عشراً وفرقوا بینهم فی المضاجع" (اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب وہ سات برس کے ہوجائیں (اور نماز نہ پڑھنے) پر ان کو مارو جب وہ دس برس کے ہوجائیں۔ اور ان کے بستروں کو علیحدہ کرو۔) اس حدیث میں بچوں کو نماز کا حکم دینے اور ان کے بستر علیحدہ کرنے کے متعلق ارشاد فرما کر نہ صرف یہ کہ ان کی تعلیم وتربیت لازم کردی گئی ہے بلکہ ان کی انفرادی واجتماعی زندگی کی آداب وتربیت پر بھی توجہ دینا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

جز (2) حقیقت تعلیم وتربیت

تربیت سے مراد بچے کی جسمانی وروحانی نشو ونما کا ہر طرح سے خیال رکھنا، کہ جسمانی لحاظ

سے بھی بچہ صحت مند تندرست وتوانا رہے اور روحانی لحاظ سے بھی وہ اعلیٰ وعمدہ اخلاق، اور پاکیزہ روح کا مالک ہو۔ اول الذکر یعنی جسمانی تربیت، پاک صاف مناسب غذا اور مختلف قسم کی آسان وراحت رسان ورزشوں کے ذریعہ حاصل ہوگا جبکہ ثانی الذکر یعنی روحانی واخلاقی تربیت، خالص دینی عقائد، اسلامی اخلاق اور نماز جیسے دینی عبادات وریاضات سے حاصل ہوگا۔

جز (3) مدارس ومراکز تعلیم

تعلیمی مدارس ومراکز، حصول تعلیم کا ایک وسیلہ وذریعہ ہیں۔ اور کسی بھی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جو ذریعہ اور وسیلہ اختیار کیا جاتا ہے اس کا وہی حکم ہوتا ہے جو اصل اور مقصد کا ہے۔ اس اصول سے تعلیمی مدارس ومراکز کا قیام واجب ہوا۔ لہٰذا اس واجب پر عمل پیرا ہونے کے لئے اسلامی حکومت پر لازم ہے کہ وہ ملک کے تمام شہروں اور قصبوں میں ایسے تعلیمی مراکز ومدارس قائم کرے جن کی بنیاد سادگی ، اخلاص اور تقویٰ پر ہو۔ ان مدارس میں کھیل کے میدان حوض اور مسجدیں بھی ہوں۔ تاکہ مدارس سے علوم وفنون کی درس وتدریس، حوض سے تیراکی سیکھنے سکھانے اور مسجدوں سے نماز اور ذکر وتلاوت اور کھیل کے میدانوں سے انواع واقسام کی جسمانی ورزشوں کا کام لیا جاسکے۔

جز (4) اقسام تعلیم اور اس کی مختلف مراحل

تعلیم کی پہلی قسم اور مرحلہ قرآن وسنت کا وہ ضروری حصہ اور اہم مسائل ہیں جو عقائد، عبادات، فقہ اور اخلاق وآداب پر مشتمل ہوں۔ اسی طرح بقدر ضرورت ریاضی اور خط وکتابت سکھانا۔ جبکہ تعلیم کے بقیہ مراحل مشتمل ہیں ان علوم وفنون پر جن میں ملک وملت کی بقاء، سلامتی، کمال اور عزت وسعادت کا راز مضمر ہے۔

دوسری فصل لازمی تعلیم واختیاری تعلیم

یہ فصل پانچ اجزاء پر مشتمل ہے

جز (1) لازمی وجبری تعلیم

لازمی وجبری تعلیم سے مراد وہ بنیادی تعلیم ہے جو ایک مسلمان کے لئے بحیثیت مسلمان سیکھنا

اور حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ اسے حاصل کئے بغیر ایک مسلمان مکمل طور پر اپنے دین پر عمل نہیں کرسکتا۔ مثلاً اللہ کی معرفت ووحدانیت اور اس کے احکام وعبادات کا علم اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی معرفت اور سنتوں کا علم اور آپ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کے وجوب کا علم۔ اسی طرح دین اسلام کی دیگر اہم اور بنیادی باتوں کا علم۔ تعلیم کے اس مرحلہ اور قسم کا حصول امت کے ہر ہر فرد پر خواہ مرد ہو یا عورت لازمی اور ضروری ہے۔ اس لئے کہ یہی وہ علم ہے جس کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا: "طلب العلم فريضة على كل مسلم" (علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے) اور جس کی تائید اللہ کے قول: ﴿فاقرأوا ما تيسر من القرآن﴾ [المزمل : 30]. (جتنا قرآن تمہارے لئے پڑھنا آسان ہو اتنا پڑھو) سے بھی ہوتی ہے۔

جز (2) عام اختیاری تعلیم

عمومی اختیاری تعلیم سے مراد وہ تمام علوم وفنون ہیں جو مرحلہ اولیٰ کی لازمی واجباری تعلیم کے علاوہ ہیں۔ عمومی اختیاری تعلیم کے لئے حکومت اسلامیہ باقاعدہ ایک نظام ترتیب دے جس کے تحت مسلمان طلبہ کو مختلف علوم وفنون کی تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔ تعلیم کی یہ قسم چونکہ اختیاری ہے لہٰذا اس کے حصول اور عدم حصول میں عوام کو اختیار ہے۔ یعنی اس علم کا حصول انکے صوابدید پر ہے جو چاہئے حاصل کرے اور جو نہ چاہئے اس پر کوئی زور زبردستی نہیں۔ اسی طرح انہیں اس بات کا بھی اختیار ہے کہ وہ اپنی پسند اور طبعی میلان کے مطابق کوئی بھی فن اپنائیں۔ ہاں اس اختیار سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جنہیں کسی خاص قسم کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے (جو ملکی مفاد میں ہو) مختص کیا گیا ہو جس کی مکمل تفصیل اس فصل کے چوتھے جز میں آرہی ہے۔

جز (3) خاص اختیاری تعلیم

خاص اختیاری تعلیم سے مراد مختلف پیشے اپنانے کے متعلق حصول تعلیم ہے۔ لہٰذا اسلامی حکومت پر ملک کے ہر شہر میں ایسے ٹیکنیکل مدارس کا قیام لازم ہے۔ جس میں باشندگان مملکت اپنی پسند کے مطابق مختلف پیشے اپنانے کی تعلیم اور ان میں مہارت حاصل کریں۔ اور پھر انہی پیشوں اور انہی

مہارتوں کواستعمال کرتے ہوئے وہ اپنا اپنے گھربار اور اپنے ملک وقوم کی حقیقی خدمت کریں۔ جنہیں ان جیسے ٹیکنیکل ماہرین کی ضرورت ہے۔ مزید برآں ان ٹیکنیکل مدارس ومراکز میں ان علوم کے ساتھ ساتھ دینی ، اخلاقی اور اصلاحی پروگرامات بھی منعقد کئے جائیں ، جو طلبہ میں دینی روح اور پاکیزہ اسلامی روایات پروان چڑھانے کا ذریعہ بنیں۔

جز(4)خاص لازمی تعلیم

اسلامی مملکت پر لازم ہے کہ وہ اعلیٰ تعلیم کیلئے ایسے مدارس کا قیام یقینی بنائے جن میں طب ، انجینیر نگ اور ان جیسے دیگر اہم اور ضروری علوم وفنون کی تعلیم ہو۔ان مدارس میں صرف ایسے قابل ، ذہین، محنتی ، دیندار اور باصلاحیت طلبہ کو داخلہ دیا جائے جو انتہائی محنت ،مواظبت اور لگن کے ساتھ ان علوم کو حاصل کرکے اپنی قابلیتوں وصلاحیتوں کا لوہا منوائیں۔ یہ مدارس اس قدر کثیر تعداد میں ہوں جو ماہرین اور تجربہ کار لوگوں کو اتنی وافر مقدار میں تیار کریں جتنی کی حکومت کو مضبوط ،طاقتور اور خود کفیل بنانے کے لئے درکار ہیں، گویا یہ علم فرض کفایہ کے درجے میں ہے کہ اس کے ترک کرنے سے پوری قوم گنھگار ہوتی ہے۔اور امت اس سے اس وقت تک بری الذمہ نہیں ہوسکتی جب تک ان علوم وفنون کے ماہرین ان میں نہ ہوں۔

جز(5)بیرون ملک تعلیمی وفود بھیجنا

اگر بعض علوم وفنون ایسے ہوں جو ملک کے اندر نہ ہوں اور نہ ہی ان کے ماہرین اور مدارس ومراکز ہوں، اور ان علوم وفنون کی ملک وملت کو اشد ضرورت ہو۔تو انہیں حاصل کرنے اور اپنے ملک اور اس کے عوام میں منتقل کرنے کے لئے حسب ضرورت طلبہ کی ایک جماعت یا کئی جماعتیں بنا کر بیرون ملک بھیجنا صرف درست ہی نہیں بلکہ ضروری بھی ہے۔جس میں درج ذیل شرائط کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔

(1) یہ وفود صرف ان علوم وفنون کے حصول کے لئے بھیجے جائیں جو ملک کے اندر موجود نہ ہوں۔

(2)ان وفود میں شامل طلبہ کو اسلامی طور طریقے اختیار کرنے کا پابند کیا جائے اور بیرون ملک انہیں تمام شعائر دینیہ کے قیام کا سختی سے کاربند کیا جائے ۔تاکہ وہ اپنے عقائد ،شعائر دینیہ اور اسلامی آداب واخلاق کی حفاظت کرسکیں۔

(3) ہر وفد اور جماعت پر ایک نگران مقرر کیا جائے جو اپنے گروپ اور جماعت کے تمام افراد کی چال چلن اور اعمال وافعال کی مکمل نگرانی کرے۔ نیز ان نگرانوں کو اتنے اختیارات دئے جائیں کہ ہر نگران اپنی جماعت کے ہر اس رکن کی اصلاح کرسکے، جو اسلامی آداب سے نکلنے کی کوشش کرے یا فرائض وواجبات کی ادائیگی میں کوتاہی کا مرتکب ہو۔ان پابندیوں اور شرائط کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ ان تعلیمی وفود کے ذریعے ملک کے عوام میں وہ تمام اخلاقی خرابیاں سرایت نہ کرجائیں جو کئی اسلامی ممالک اور معاشروں میں ان جیسے تعلیمی وفود کے ذریعے پھیل کر اپنی جڑیں مضبوط کرچکی ہیں۔

(4)حکومت فوری طور پر ان تمام علوم وفنون اور ان کے مدارس کا قیام یقینی بنائے جو ملک کے اندر معدوم ہیں اور ملک وقوم کو ان کی ضرورت ہے۔ایسے مدارس کے قیام سے ملک کی ایک بڑی مشکل حل ہوجائیگی ۔اس طرح ملک اور مسلم معاشرہ دیگر بیرونی معاشروں کی اخلاقی ودینی خرابیوں کی اثرات سے محفوظ ومامون ہوجائیگا۔

تیسری فصل خواتین کی تعلیم

یہ فصل چار اجزاء پر مشتمل ہے

جز(1)مردوں کی عورتوں پر برتری

اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ شرعی، عقلی اور فطری طور پر ہر اعتبار سے مرد کا مرتبہ عورت کے مرتبہ سے اونچا اور بڑیا ہے۔فرق مراتب کا یہ ذکر قرآن کریم نے یوں بیان کیا ہے:﴿الرجال قوامون علی النسآء بما فضل الله بعضهم علی بعض﴾ [النساء : 34] . (مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے)﴿وللرجال علیهن

درجة﴿ [البقرة : 228] . (مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے) اس فرق کی بنا پر مردوں کے لئے حصول علم کی ضرورت اور مواقع زیادہ اور رکاوٹیں کم ہوتی ہیں جبکہ اس کے برعکس عورتوں کے لئے حصول علم کی راہ میں رکاوٹیں زیادہ اور مواقع کم ہوتے ہیں۔ لہذا بنین اور بنات کے نظام تعلیم میں واضح فرق ہونا چاہیے۔

جز(2) خواتین کا نظام تعلیم اور اس کی مدت

جیسا کہ اس فصل کے جزء اول میں بیان ہو چکا کہ فطری طور پر لڑکے اور لڑکی میں ایک واضح فرق موجود ہے اور اسی فرق کی بنا پر لڑکے کے برعکس لڑکی کے لئے حصول علم کے مواقع کم اور موانع زیادہ ہوتے ہیں اور یہی چیز لڑکیوں کے نظام تعلیم اور مدت تعلیم کے اختصار کا تقاضا کرتا ہے۔ سو لڑکیوں کا تعلیمی کورس عقائد، عبادات، اداب معاشرت اور اسلامی اخلاق پر مشتمل ہونا چاہئے اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کے چند پارے یا سورتیں اور خواتین ہی کے مسائل کے متعلق چند مخصوص و متعین احادیث کا حفظ بھی ان کے کورس میں شامل ہونا چاہئے۔

مدت تعلیم

جہاں تک خواتین کے مدت تعلیم کا مسئلہ ہے۔ سو لڑکیوں کا تعلیمی مدت صرف اور صرف پانچ سال پر مشتمل ہونا چاہئے۔ اس طور پر کہ عمر چھٹے سال کی ابتدا میں بچی کو مدرسہ میں داخل کیا جائے اور دسویں سال کے آخر میں اسے مدرسے سے فارغ کیا جائے۔ تعلیمی اثنا میں نہ اس سے امتحان لیا جائے اور نہ ہی اسے سند دی جائے بلکہ اس کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے تعلیمی کورس کو اچھی طرح پڑھ کر اسے عملی زندگی میں لائے کیونکہ کسی مسلمان لڑکی کی تعلیم کی ابتداء وانتہا یعنی اصل مقصد ہی اس کی دینی واخلاقی تربیت ہے۔

جز(3) خواتین کے لئے ٹیکنیکل تعلیم

اسلامی حکومت پر ملک کے تمام شہروں میں بنات کے لئے ایسے ٹیکنیکل مدارس کا قیام لازم

ہے، جن میں مسلمان لڑکیاں اپنی پسند اور طبعی میلان کے مطابق گھریلو دستکاری وغیرہ کے متعلق تعلیم حاصل کرسکیں۔ مگر ان مدارس میں درج ذیل شرائط کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔

(1) ان مدارس میں گیارہ سال کی عمر کی بچیوں کو داخلہ دے کر چودھویں سال کی عمر میں فارغ کیا جائے۔

(2) ملک کی دیگر مسلمان عورتوں کی طرح ان مدارس کی طالبات، مدرسے میں آتے اور جاتے وقت اسلامی اصولوں کے مطابق مکمل شرعی پردے کا اہتمام کرینگی۔

(3) ان مدارس میں ٹیکنیکل تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی واصلاحی اسباق بڑھانے کا اہتمام بھی ہو۔ تاکہ یہاں سے نکلنی والی طالبات ہنر مند ہونے علاوہ نیک، دیندار اور پاک دامن بھی ہوں۔

جز(4) خواتین کے دو اہم ہنر ''نرسنگ اور دایہ گری''

اسلامی حکومت پر ملک کے ہر ہر صوبے میں خواتین کے لئے ایک ایسے بڑے مدرسے کا قیام لازم ہے، جس میں مسلمان لڑکیاں دایہ گری اور نرسنگ کی تعلیم حاصل کریں۔ ان مدارس میں صرف ان لڑکیوں کو داخلہ دیا جائے جنہوں نے خواتین کی تعلیم کا پہلا مرحلہ مکمل کیا ہو۔ ان مدارس میں درج ذیل شرائط کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔

(1) ان مدارس میں داخلوں کی درخواستیں ''پہلے آئیں پہلے پائیں'' کی بنیاد پر قبول کی جائیں اور جب مطلوبہ تعداد مکمل ہوجائے تو داخلے بند کردئے جائیں۔

(2) چونکہ کسی بھی مسلمان عورت کے لئے ضرورت شدیدہ کے بغیر کسی غیر محرم کی تیمارداری جائز نہیں ہے اس لئے نرسنگ کی تعلیم مکمل کرکے فارغ ہونے والی نرسیں سرکاری ہسپتالوں کے صرف ان وارڈوں میں خدمات انجام دینگی جو خواتین کے لئے مختص ہوں۔ جبکہ دایہ گری کی تعلیم مکمل کرکے فارغ ہونے والی دایہ طالبات کو سرکاری ہسپتالوں اور نجی طور پر گھروں میں مسلمان خواتین کی خدمت کرنے کا اختیار ہے۔ وہ جہاں چاہیں اپنی خدمات انجام دیں

(3) یہ فاضل طالبات خواہ نرسیں ہوں یا دایہ دیگر مسلم خواتین کی طرح مکمل شرعی پردے کا

اہتمام کرینگی ۔یعنی نرسنگ اور دایہ گری کا پیشہ اختیار کرنا ان طالبات کوادب اور اصلاح کے دائرہ سے نکالنے کا جواز نہیں بن سکتا۔

(4)ان میڈیکل مدارس میں مملکت کے دیگر مدارس کی طرح دینی واصلاحی اسباق پڑھانے کا اہتمام بھی ہو۔

پانچواں باب

شعبہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر

اس باب میں ایک فصل ہے جو دو اجزاء پر مشتمل ہے

جز (1) امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا عملہ:

خلافت اسلامیہ میں ایک ادارہ ایسا ہونا چاہئے جو لوگوں کو نیکی اور بھلائی کی طرف بلائے اور برائی سے منع کرے۔ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿ولتكن منكم أمة يدعون الى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر وأولئك هم المفلحون﴾ [آل عمران 104]. (تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے اور یہی لوگ فلاح ونجات پانے والے ہیں) یہ شعبہ اور اس کا عملہ نیک اور صالح علماء پر مشتمل ہونا چاہئے جنہیں ریڈیو، ٹی وی اور صحافت سمیت نشر واشاعت کے دیگر تمام وسائل استعمال کرنے کے مکمل اختیارات حاصل ہوں۔

جز (2) شعبہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داریاں

شعبہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر درج ذیل ذمہ داریاں نبھائیگا

(1) ملک میں نشر ہونے والے ہر پروگرام کی نگرانی کرنا، سو ہر اس پروگرام اور وعظ کو نشر نہیں ہونے دیگا جو خلافت اسلامیہ میں رائج اسلامی قوانین سے متصادم ہو اور جو پروگرام یا وعظ شریعت اسلامیہ سے متصادم نہ ہو اسے نشر کریگا۔

(2) امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے ریڈیو، ٹیلی ویژن اور صحافت سمیت تمام جائز وسائل استعمال کرنا، تاکہ یہ چیزیں شر اور فساد کے بجائے خیر اور بھلائی کے ذرائع بن جائیں نہ کہ شر وفساد

کا۔جیسا کہ دنیا کے بیشتر ممالک میں شراور فسادان ہی چیزوں کی وجہ سے ہے۔

(3) ایسے اہل علم واعظین اور دینی رہنما منتخب کر کے مختلف شہروں اور قصبوں میں تعینات کردئے جائیں۔جولوگوں کی دینی،روحانی،اخلاقی،اورفکری تربیت کریں۔

چھٹاباب

شعبہ محنت وافرادی قوت

اس بات میں تین فصلیں ہیں

پہلی فصل وزارت محنت وافرادی قوت اوراس کی ذمہ داریاں

یہ فصل دواجزاء پر مشتمل ہے

جز(1) تشکیل عملہ

وزارت محنت وافرادی قوت پانچ ارکان پر مشتمل ہو۔جن میں ایک وفاقی وزیر ہو جواس ادارہ کا سربراہ ہو ااوراس کے ساتھ ساتھ ایک مستند ڈاکٹر ،ایک ماہر انجینیر ،ایک ماہر اقتصادیات اور ایک مفتی یعنی ماہر فقہ ہو۔ملک کے تمام صوبوں کے ہر ہر شہر اور ہر ہر قصبہ میں اس وزارت کے ذیلی دفاتر اور کمیٹیاں ہوں۔اس ادارہ کی تشکیل آپ ﷺ کے اس فرمان کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے۔"ثـــــلاثة أنا خصمهم يوم القيامة ....وذكر من بينهم رجل استاجر أجيراً فاستوفى منه ولم يوفه" (قیامت کے دن تین آدمی ایسے ہونگے جن کی طرف سے میں خصم ہونگا......اوران تین آدمیوں میں سے ایک کا ذکر کیا جیسے کسی نے اجرت پر رکھا پس اس نے اپنا کام پورا کیا۔لیکن اسے اجرت پوری نہیں دی گئی)اور"أعطوا الاجير حقه قبل أن يجف عرقه" (مزدور کواس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کا حق دو)

جز(2) وزارت محنت وافرادی قوت کی ذمہ داریاں

وزارت محنت وافرادی قوت ملازمین اوران کے متعلق تمام امور کی نگرانی کریگا۔جن میں سر فہرست چند امور ہیں۔

(1) کام اور کام کرنے والے ملازمین کی مہارت وقابلیت کو مدنظر رکھتے ہوئے کم سے کم اجرت مقرر کرنا تا کہ کسی ملازم کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اسے کم اجرت نہ دی جائے۔اللہ کا ارشاد ہے: ﴿لا تبخسوا الناس أشياء هم﴾ [الاعراف 85]. (اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے مت دو)اور کسی بھی عامل کی قدرت ، مہارت اور قابلیت بھی شیء ہے اور کسی بھی شیء کو اس کے مرتبہ سے گھٹانا جائز نہیں۔

(2) آجر اور اجیر کے درمیان ہونے والے تنازعات کی تحقیق کر کے شریعت اسلامیۃ کے مطابق ان کے فیصلے کرنا۔

3) آجر اور اجیر کے درمیان مختلف امور پر ہونے والے اختلافات کو ختم کرنے کے لئے مداخلت کرنا اور ہر ممکن طریقے سے ان میں صلح صفائی کرنا۔جس کا حکم اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے دیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے: ﴿والصلح خير﴾ [النساء 128] .(اور صلح بہتر ہے)اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: "الصلح بين المسلمين جائز الاصلحا أحل حراماً اور حرم حلالاً" (مسلمانوں کے مابین صلح جائز ہے لیکن وہ صلح (جائز نہیں) جو حرام کو حلال کردے یا حلال کو حرام کردے)۔

(4) صنعت کاروں اور حکومت کے مابین ثالثی کا کردار ادا کرنا اس طور پر کہ صنعت کاروں کے مسائل اور حاجات وضروریات کی طرف حکومت کی توجہ دلانا اور صنعتوں کو وسعت اور ترقی دینے میں ان کی مدد کرنا۔

فصل (2) ریٹائرمنٹ کا نظام

یہ فصل چار اجزاء پر مشتمل ہے

جز (1) حق ریٹائرمنٹ کن کو حاصل ہے؟

ریٹائرمنٹ یا پنشن لینا سرکاری اور غیر سرکاری صنعتوں اور اداروں کے تمام ملازمین کا حق ہے اسی طرح یہ حق کسانوں اور چھوٹے بڑے تمام تاجروں کے ان ملازمین کو بھی حاصل ہے جو ان کے ہاں

مستقل اور دائمی ملازمت کرتے ہیں۔اور ماہانہ اجرت حاصل کرتے ہیں۔نظام ریٹائرمنٹ کا حصہ بننے والے تمام ملازمین سے ان کی تنخواہوں میں سے ماہانہ ایک مخصوص رقم فی صد کے حساب سے منہا کر کے جمع کی جائیگی۔ریٹائرمنٹ کے نظام کی تائید قرآن کریم کی آیت ﴿الا الذين آمنوا وعملوا الصالحات فلهم أجر غير ممنون﴾ [التين 6] . (لیکن جو لوگ ایمان لائے اور (پھر) نیک عمل کئے تو ان کے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا)اور نبی کریم ﷺ کے فرمان: "اذا مرض العبد أو سافر كتب الله تعالىٰ له من الأجر مثل ما كان يعمل صحيحاً مقيماً" (رواه البخاری) (جب کوئی بندہ بیمار ہو جائے یا سفر پر جائے تو اللہ تعالی اس کے (نامہ اعمال میں)اس اجر کے مثل لکھتا ہے جو اجر اس کے لئے صحت اور حالت اقامت میں لکھا جاتا ہے)(عمل کرنے کی وجہ سے)

جز (2) نظام ریٹائرمنٹ میں شرکت اختیاری ہے

کسی ملازم کے لئے اس نظام میں شمولیت اختیار کرنا اور اس نظام کا حصہ بننا لازم نہیں ہے بلکہ یہ ایک اختیاری عمل ہے۔ہاں اس کے فوائد ضرور ہیں۔اس لئے تمام ملازمین کے سانے نظام کے تمام فوائد اور شرائط بیان کی جانی چاہئیں اور ان کی تنخواہوں سے منہا کی جانی والی ماہانہ رقم اور ریٹائرمنٹ کے بعد انہیں یکمشت یا پنشن کی صورت میں ملنی والی رقم کے متعلق تمام تفصیلات انہیں بتانی چاہئیں۔ان ساری معلومات کو جاننے کے بعد اب ہر ملازم پر اس نظام میں شرکت یا عدم شرکت کا اختیار ہے۔اگر وہ شرکت پر آمادہ ہو جائے تو اس کا نام ریٹائرمنٹ کے لئے مخصوص رجسٹر میں درج کر کے اس کی تنخواہوں سے ماہانہ کٹوتی شروع کی جائے۔اس عمل سے وہ اس نظام کا باقاعدہ ایک رکن بن جائیگا۔اب جب وہ ریٹائرمنٹ کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے ریٹائر کر کے اس کی جمع شدہ اسے یک مشت دی جائے یا ماہانہ پنشن کی صورت میں اسے ملتی رہے۔اور اگر وہ مرجائے تو اس کی پنشن اس کے ورثہ یعنی اس کی بیوہ، والد یا بچوں کو ملتا رہے۔اور اگر اس کی بیوہ کہیں اور شادی کرلے تو وہ اس حق سے محروم ہو جائیگی۔اسی طرح اگر اس کا بیٹا بالغ ہو جائے یا بیٹی کی شادی ہو جائے تو انہیں ان کے فوت شدہ والد کا پنشن نہیں ملے گا۔

جز (3) ریٹائرمنٹ کے لئے عمر کی حد، اور ملازم کی تنخواہ سے منہا کی جانے والی ماہانہ رقم کی

تعین:

ریٹائرمنٹ کانظام اور اس میں شمولیت چونکہ شرعی اعتبار سے لازم نہیں ہے بلکہ یہ منصوبہ خالصتاً عوامی مفاد کا ہے اس لئے مناسب ہے کہ اس کے لئے عمر کی ایک حد متعین کردی جائے۔ جو ساٹھ سال کی عمر سے لیکر ستر سال کی عمر تک ہو لہذا جب کسی ملازم کی عمر ساٹھ برس ہو جائے اور وہ کام کرنے کے قابل ہو تو اسے کام جاری رکھے یا ریٹائرمنٹ لینے دونوں باتوں کا اختیار دے دیا جائے۔ اگر وہ کام جاری رکھنا چاہے تو اسے مزید دس سال کام کرنے دیا جائے اور جب اس کی عمر ستر برس ہو جائے تو اسے حتمی طور پر ریٹائر کردیا جائے اگر کوئی ملازم فیکٹری یا ادارے کے حدود میں یا کام کے دوران زخمی ہوکر معذور ہو جائے تو اسے سن ریٹائرمنٹ پہنچنے سے پہلے بھی ریٹائر کیا جاسکتا ہے۔

نظام ریٹائرمنٹ کا حصہ بننے والے ملازمین کی تنخواہوں سے منہا کی جانی والی رقم کی تعین

اس نظام کا حصہ بننے والے ملازمین کی تنخواہوں سے اتنی مقدار میں رقم منہا کی جائے جس سے ان کی تنخواہوں اور روزمرہ زندگی پر اثرات مرتب نہ ہو۔ یہ کٹوتی اور ریٹائر ہونے کے بعد واپسی "فی صد" کے حساب سے ہونی چاہئے تاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ لہذا جس سے کم رقم کاٹی جائے گی اسے کم رقم واپس کی جائیگی اور جس سے زیادہ رقم کاٹی جائیگی اسے زیادہ رقم واپس کی جائیگی۔

جز(4) ریٹائرڈ ملازم کوملنی والی رقم کی مقدار

ریٹائرڈ ہو جانے والے ملازم یا اس کے ورثہ کو بعد از ریٹائرمنٹ کم از کم اتنی رقم ملنی چاہئے جتنی ایک عام شہری کے لئے ملکی بجٹ بناتے وقت بیت المال میں مخصوص کرکے رکھی جاتی ہے۔ اس سے کم ہرگز نہیں ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ ملکی بجٹ باشندگان ملک کی کثرت وقلت کو دیکھ کر افراد کے حساب سے تیار کی جاتی ہے۔ جس میں ہر فرد کے لئے اتنی رقم مختص کی جاتی ہے کہ اگر وہ میانہ روی کے ساتھ اپنی زندگی گزارنا چاہے تو یہ رقم اس کی ضروریات زندگی کے لئے کافی ہو جاتی ہے۔ اب اگر وہ شہری ہنرمند ہو اور کام کرنے پر بھی قادر ہو تو اسے اس کا مخصوص وظیفہ کسی سرکاری خدمت کے عوض دیا جاتا ہے۔ اور اگر ہنرمند نہ ہو یا کام پر قادر نہ ہو تو اسے اس کا وظیفہ بغیر کوئی کام کئے دیا جاتا ہے۔ ملازم کوملنی والی رقم کم از کم اتنی ضرور

ونی چاہئے جو ایک سرکاری ملازم کو ریٹائرمنٹ کے بعد ملتی ہے۔ اور سرکاری ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے ند ملنی والی رقم اس شخص کے لئے ملکی بجٹ میں مختص کے گئے حصے سے کم ہرگز نہ ہونی چاہئے۔

تیسری فصل "انشورنس"

یہ فصل دو اجزاء پر مشتمل ہے

جز(1) انشورنس کی تعریف اور اس کا حکم

انشورنس کہتے ہیں: لوگوں کو مستقبل میں درپیش مالی، جانی اور کاروباری خطرات ونقصانات کا ازالہ اور تلافی کسی انسان یا ادارے کا اپنے ذمہ لینا۔

انشورنس کا نظام ترتیب دینے والوں کا مقصد گاڑی یا سامان کی انشورنس کے لئے متاثرہ شخص یا ادارے کی مالی مدد کرنا ہے۔ یہ مدد اس رقم سے کی جاتی ہے جو اس نظام میں حصہ لینے والے ارکان ماہانہ یا سالانہ جمع کرتے ہیں۔ اور متاثرہ رکن کی مدد اس کی جمع کی ہوئی رقم کے حساب سے کی جاتی ہے۔ موجودہ زمانہ میں انشورنس کی بہت ساری اقسام متعارف ہیں جن میں سے اکثر اسلامی اصول وضوابط کی کسوٹی پر پورا نہ اترنے کی وجہ سے اسلامی نقطہ نظر سے ناجائز ہیں۔ چونکہ اسلام اپنے ماننے والوں کو اخوۃ اور بھائی چارہ کی ایک ایسی مضبوط رسی سے جوڑتا ہے کہ تمام مسلمانوں کو جسد واحد کی مانند کردیتا ہے۔ اس طور پر کہ جب ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارے اعضا بخار اور شب بیداری میں اس کا ساتھ دیتے ہیں۔ لہذا جب کسی مسلمان کی حادثے کی صورت میں جانی یا مالی نقصان ہو جائے تو دوسرے مسلمان از راہ ہمدردی اس کے آنسو پونچھ کر اس کے ہونے والے نقصان کا ازالہ کرتے ہیں۔ اور اپنی اموال میں اس کا حصہ نکالنا اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہیں۔ جس کا ذکر قرآن کریم نے ان الفاظ میں کیا ہے:

﴿والذین فی أموالهم حق معلوم للسائل والمحروم﴾ [المعارج 24]. (اور جب کے مالوں میں مقررہ حصہ ہے مانگنے والوں کا بھی اور سوال سے بچنے والوں کا بھی) لہذا جب ہر مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی مدد اپنا دینی فریضہ سمجھتا ہے تو ایسی صورت میں مسلمانوں کو انشورنس کمپنیوں کی

قطعاً ضرورت نہیں رہتی۔ جبکہ مسلمانوں کے برعکس کفار کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارہ کا وہ تعلق نہیں ہوتا جو مسلمانوں کا ایک دوسرے کے ساتھ ہوتا ہے۔ لہذا انہیں ان جیسے اداروں کی بہر حال ضرورت ہے جو مختلف حادثات، آفات اور مصائب میں ان کی مدد کر کے ان کی تکالیف دور کریں۔

البتہ انشورنس کی ایسی کوئی خاص قسم جس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو اور اس کی مخصوص شرائط ہوں تو اس قسم کے انشورنس تو اسلام منع نہیں کرتا بلکہ اس کی اجازت دیتا ہے۔ کیونکہ اسلامی اصول ہے کہ "ألمسلمون على شروطهم الا شرطاً أحل حراماً أو حرم حلالاً" (مسلمانوں کو شرائط کی آزادی ہے مگر ایسی شرط (منع ہے) جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام کر دے) سو ہر وہ عمل جس سے مسلمانوں میں اخوۃ اور بھائی چارہ کا تعلق مضبوط تر وہ مسلمانوں کے وقار میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہو۔ اس کے نتائج ایک دوسرے کے ساتھ نیکی اور بھلائی میں تعاون جیسے ہوں اور اس میں کوئی شرعی قباحت بھی نہ ہو تو ایسا عمل نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔

جز (2) جائز انشورنس کی حقیقت اور اس کی شرائط

انشورنس کی جس قسم کی اسلام اجازت دیتا ہے یہ ہے کہ ایک ہی پیشہ یا کاروبار سے منسلک افراد مثلاً ڈرائیونگ کے پیشے سے وابستہ تمام ڈرائیورز اس بات پر متفق ہو جائیں کہ ہر فرد اس صندوق میں ماہانہ اتنی رقم جمع کریگا۔ اور سب کی نیت یہ ہو کہ شرکاء میں سے جس کسی کو کوئی حادثہ پیش آئے جس کی وجہ سے اس کا جانی یا مالی نقصان ہو جائے۔ تو جمع شدہ رقم سے اس کی مدد کی جائیگی۔ تا کہ وہ اپنے علاج اور گاڑی کے ٹھیک کرنے پر آنے والے اخراجات پوری کر سکے۔ یا گاڑی کی ٹکر سے مرنے والے کی دیت ادا کر سکے۔ اس قسم کی انشورنس میں جب مندرجہ ذیل شرائط پائی جائیں تو اسلام اس سے منع نہیں کرتا۔

جائز انشورنس کے شرائط:

(1) نیت کی درستگی یعنی ہر شخص اس عمل میں شرکت کو تعاون علی البر سمجھتے ہوئے اسے اپنا دینی ... اور مصیبت زدہ شخص کے ساتھ ہمدردی سمجھے۔ جس کا حکم اللہ نے ان آیات میں دیا ہے: ﴿وتعاونوا على البر والتقوىٰ﴾ [المائدہ 2]. (نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو) ﴿وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمة﴾ [البلد 7]. (اور ایک دوسرے کو صبر کی اور رحم کرنے کی وصیت کرتے رہیں)۔

(2) مقررہ رقم اپنی خوشی اور اختیار سے دے۔

(3) تمام ارکان رقم جمع کرنے میں مساوی ہوں۔ ہاں جو اپنی مرضی وخوشی سے مقررہ رقم سے زائد دینا چاہئے تو اس کے لئے کوئی ممانعت نہیں ہے

(4) جن لوگوں کو حادثہ پیش آئے انہیں ملنی والی رقم بھی مساوی ہو۔

(5) اگر کوئی رکن ناراض ہو کر یا ماہانہ رقم جمع کرانے سے عاجز ہو کر اپنی رکنیت ختم کر دے تو وہ اپنی جمع شدہ رقم کی واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتا اس لئے کہ جو کچھ اس نے جمع کیا ہے وہ نیکی اور صدقہ کی نیت سے کیا ہے اور صدقہ کرنے کے بعد واپس لینا جائز نہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: "العائد فى هبته كالعائد فى قيئه" (رواہ البخاری) (ہبہ کر کے واپس لینے والا ایسا ہے جیسا کہ اپنے کئے ہوئے قی چاٹنے والا)۔

(6) تنظیم جمع شدہ رقم کو بڑھانے یا کسی اور غرض سے سودی معاملات میں نہیں لگا سکتا۔ ہاں ایسے غیر سودی معاملات جیسے تجارت اور صنعت وحرفت وغیر میں لگا سکتا ہے جس سے وہ مسلسل بڑھتا رہے۔

(7) تنظیمی امور چلانے والے عملے جیسے کاتب، محاسب اور محافظ وغیرا اپنی خدمات اور کام کے عوض جمع شدہ رقم سے تنخواہ کی صورت میں لے سکتے ہیں۔

تنبیہ

حکومت اور دیگر خیراتی وفلاحی اداروں پر لازم ہے کہ اس جیسی تنظیموں اور کمیٹیوں کے ساتھ مالی تعاون کر کے ان کا حوصلہ بڑھائیں۔ تا کہ یہ لوگ مزید اچھے اور منظم طریقے سے مصیبت زدہ اور حادثات کے شکار لوگوں کی مدد کر سکیں۔

ساتواں باب

خارجی امور

یہ باب دوفصلوں پر مشتمل ہے

پہلی فصل خلافت اسلامیہ کا دیگر اقوام اور معاشروں کے ساتھ تعلقات

اس فصل میں چھ اجزاء ہیں

جز(1)تعلقات کی نوعیت واقسام

اسلامی حکومت اور قرب وجوار میں یا دور واقع ممالک کے مابین تعلقات کی تین وجوہات ہوسکتی ہیں(1)اسلامی عقیدہ(2)پڑوس(3)دوطرفہ منافع یا مشترکہ مفادات۔لہذا تعلق کی نوعیت اور وجہ کوئی بھی ہولیکن خلافت اسلامیہ اس ملک،قوم یا معاشرہ کے ساتھ تعلقات رکھنے میں ملک کے اسلامی قانون وشریعت کا مکمل پابند ہوگی۔

جز(2)مسلم ممالک کے ساتھ تعلقات اور معاملات

اگر خلافت اسلامیہ کا کسی دوسرے ملک یا قوم کے ساتھ تعلق اسلامی عقیدہ کی بنا پر ہو خواہ وہ ملک یا قوم خلافت اسلامیہ کے پڑوس میں ہو یا دو ہو یا دور ہو۔تو خلافت اسلامیہ کو اس کے ساتھ تعلقات ومعاملات اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرامین کو مدنظر رکھ کر نبھانے چاہئے۔چنانچہ اللہ کا ارشاد ہے:﴿انما المؤمنون اخوة ﴾[الحجرات 10] (یادرکھو)سارے مسلمان بھائی ہیں)دوسری جگہ ارشاد فرمایا:﴿وتعانوا علی البر والتقویٰ ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان ﴾[المائدة 2] . (نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو اور گناہ ظلم وزیادتی میں مدد نہ کرو)جبکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:"المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضه بعضاً"(ایک

مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت کی طرح ہے جس کا ہر حصہ دوسرے حصے کو جوڑے رکھتا ہے)لہذا جب تک وہ لوگ اسلام پر استقامت کے ساتھ قائم ہیں ان کی مدد ونصرت اور تائید ایک اسلامی ملک کے لئے ضروری ہے۔اور اگر وہ اسلام اور قوانین اسلام سے منہ موڑلیں تو ان کی اصلاح اور انہیں راہ راست پر لانے کے لئے نصیحت کرنا واجب ہے یہاں تک کہ وہ دوبارہ حق کو قبول کرکے شریعت پر قائم نہ ہوجائیں۔

جز(3)پڑوسی ممالک کے ساتھ تعلقات اور معاملات اگر خلافت اسلامیہ کا دوسرے ممالک کے ساتھ تعلق پڑوس کی بنا پر ہو تو ایسے میں اسلامی حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ان پڑوسی ممالک کے ساتھ نہایت اچھے اور دوستانہ تعلقات رکھے۔اور ایک اچھے پڑوسی کی طرح ان کا خیال رکھے۔اور ان کے ساتھ مختلف قسم کے امن معاہدے کرے جیسا کہ آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ اور اس کے قرب وجوار میں موجود یہود کے مختلف قبائل سے امن معاہدے کئے۔ہاں اگر وہ لوگ امن معاہدوں کو توڑنے میں پہل کرکے مسلمانوں یا باشندگان خلافت پر کسی قسم کی ظلم وزیادتی کریں یا ملک کے کسی حصے پر حملہ کرکے قبضہ کرنے کی کوشش کرے یا اپنے ملک کے اندر مسلمانوں کو اسلام کی دعوت دینے سے منع کرے یا اپنی رعایا میں سے مسلمان ہونے والوں کو اسلام قبول کرنے اور اسلامی عقیدہ اختیار کرنے کی وجہ سے ستائے۔تو ایسے حالات میں اسلامی حکومت ان سے کئے گئے معاہدات توڑ دے اور انہیں اسلام لانے کا حکم دے اگر وہ اسلام قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوں تو انہیں اسلام کی مخالفت ترک کرکے اسلام کی حمایت کا حکم دے تاکہ یہ لوگ ذمی ہوکر اسلامی حکومت کو جزیہ ادا کرے ورنہ ان سے اس وقت تک جہاد کیا جائے جب تک اللہ مسلمانوں اور ان کے کافر دشمنوں کے درمیان فیصلہ نہ فرمائیں۔

جز(4)وہ ممالک جن کے ساتھ تعلقات کی بنیاد تجارت اور دوطرفہ مفادات پر ہو

اگر خلافت اسلامیہ کا دیگر ممالک کے ساتھ تعلق کی بنیاد تجارت اور دوطرفہ مفادات پر ہو تو ایسے ممالک کے ساتھ اسلامی حکومت اپنے مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے برابری کی سطح پر معاملات نبھائی گی۔بلکہ اسلامی حکومت ان سے ایک اضافی شرط بھی منوائے اور وہ یہ کہ ان ممالک اور وہاں کے عوام

میں اسلام کی نشر و اشاعت اور تبلیغ کے لئے اپنے ملک سے اسلام کی دعوت دینے والوں کی ایک جماعت بھیجے۔ اگر وہ ممالک یہ شرط ماننے سے انکار کردیں اور اسلام کی دعوت دینے والی جماعت کی راہ میں رکاوٹ بن جائیں یا اپنی مسلم رعایا کو ظلم وستم کا نشانہ بنائیں۔ تو خلافت اسلامیہ بھی ان کو اپنی دوست مالک کی فہرست سے نکالکر ان کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات اور معاملات منقطع کردے یہاں تک کہ وہ اپنی مسلم مخالف روش کو ترک کر کے اپنی مسلم رعایا اور اسلام کی دعوت دینے والی جماعت کی راہ میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہ کرنے کی خلافت اسلامیہ کے ساتھ معاہدہ نہ کریں۔ کیونکہ ایک اسلامی ملک کا دیگر ممالک کے ساتھ تعلقات کی بنیاد اور مقصد پوری انسانیت کو حق کی تبلیغ اور اسلام کی نشر واشاعت ہے۔

جز (5) ذمیوں کے ساتھ معاملات کی نوعیت

اہل ذمہ کے احکام اور ان کے ساتھ اسلامی حکومت کے معاملات کی مکمل تفصیل اس دستور کے باب ''الاحکام القضائیۃ والجنائیۃ'' کی پہلی فصل کے دوسرے جز میں موجود ہے وہاں رجوع کرلیا جائے۔

جز (6) حربیوں کے ساتھ معاہدات اور صلح

حربیوں کے احکام اور ان کے ساتھ صلح ومعاہدہ کی مکمل تفصیل اس دستور کے باب ''الاحکام القضائیۃ والجنائیۃ'' کے پہلے اصل کے نویں جز میں موجود ہے۔ وہاں رجوع کرلیا جائے۔

دوسری فصل: خلافت اور دیگر ممالک کے مابین سفارتخانوں کا تبادلہ

یہ فصل تین اجزاء پر مشتمل ہے

جز (1) سفارتخانوں کے قیام کا مقصد:

کسی بھی ملک میں خلافت اسلامیۃ کے سفارتخانے کا قیام کسی واضح اور اہم مقصد کے تحت ہونا چاہئے مثلاً وہاں مسلمان رعایا ہو یا وہاں کی حکومت یا عوام کے ساتھ ایسے تجارتی یا ثقافتی تعلقات ہوں جو کسی سفارتکار یا قونصلر کی وہاں موجودگی کے بغیر پایہ تکمیل تک نہ پہونچ سکتے ہوں۔ اس کے

ساتھ ساتھ کسی بھی اسلامی ملک کا دیگر ممالک میں سفارتخانوں کے قیام کا بڑا اور اہم مقصد ان اجنبی ممالک میں اسلام کی نشر واشاعت اور وہاں کے عوام کو دین اسلام کی دعوت دینا ہے۔ سو یہی وہ اعلیٰ وارفع مقصد ہے جس کی وجہ سے کسی بھی اسلامی ملک کو اجنبی ممالک میں اپنے سفاتخانوں کے قیام اور ان پر آنے والے اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں۔

جز (2) سفارتخانوں کے نظم وضبط کے متعلق چند ضروری گزارشات

درجہ ذیل تعلیمات کی روشنی میں سفارتخانوں کا قیام عمل میں لانا چاہئے:

(1) کسی بھی ملک میں سفارتخانہ یا قونصلیت اس وقت تک نہ کھولا جائے جب تک اس ملک میں سفارتخانے کے قیام سے ان تمام مقاصد کے حصل ہونے کا یقین نہ ہو جو اس فصل کی پہلے جز میں بیان ہوئے اس لئے کہ جب وہ مقاصد حاصل نہ ہونگے تو خلافت کے اموال بے جا خرچ ہونگے جو کہ حرام ہے۔ حالانکہ اموال خلافت کی حفاظت ضروری ہے۔

(2) ممکن حد تک سفارتی عملہ کو کم رکھا جائے جو ایک سفیر اور ایک اس کا سیکریٹری جو اس کا نائب بھی ہو۔ ایک خادم ایک چوکیدار اور ایک داعی اور دو اس کے ساتھی پر مشتمل ہوں سفارتی عملہ ان سات افراد پر مشتمل ہو تاکہ اخراجات کم سے کم ہوں۔

(3) سفارتی عملہ کو مکمل اسلامی وضع قطع اختیار کرنے کا پابند کیا جائے تاکہ ان کا ظاہر ان کے دعوی کے موافق اور ان کے مسلمان ہونے پر دال ہو اور انہیں غیر مسلموں سے ممتاز کرنے والا ہو۔ لہذا حالات کیسے بھی ہوں سفارتی عملہ کے کسی رکن کو غیر اسلامی وضع قطع اختیار کرنے کی ہرگز اجازت نہیں۔ کیونکہ مخصوص اسلامی وضع قطع اختیار کرنے والا عوام کی توجہ حاصل کرتا ہے جو کہ دعوت الی الاسلام میں ممد ومعاون بنتا ہے۔

(4) سفارتخانوں اور عملہ کی نگرانی پر ایک ایسا نگران مقرر کیا جائے جو سفارتی عمل کی نگرانی کرے اور عملہ کے ہر فرد کے طرز عمل کو دیکھے جس شخص میں انتظامی امور کی مخالفت پائی جائے یا وہ دینی واخلاقی اعتبار سے کوتاہی کا مرتکب ہو تو اس کی اصلاح کی کوشش کرے ورنہ اسے سفارتی عملہ سے جدا

کردے تاکہ اس کی وجہ سے پورے عملہ کی بدنامی نہ ہو اور خلافت اسلامیہ کا سفارتخانہ پوری آب وتاب کے ساتھ اپنے مقاصد کے حصول میں مصروف کار رہے۔

جز (3) دیار غیر میں اسلام کی نشر واشاعت کا مرکز سفارتخانہ ہے!

خلافت اسلامیہ کا سفارتخانہ خواہ کسی بھی ملک میں ہو اس ملک کے اندر اسلام کی نشر واشاعت کا مرکز ہوتا ہے اس لئے سفارتخانوں کی عمارت میں ایک وسیع وعریض کمرہ مسجد کے لئے مختص ہونا چاہئے۔ جس کی چھت پر کھڑے ہوکر پانچوں نمازوں کے لئے مؤذن بلند آواز سے آذان دے اور آذان کے بعد سفارتی عملہ اور ان کے علاوہ وہاں موجود دیگر مسلمان پانچوں اوقات کی نمازیں باجماعت ادا کریں جس کی امامت سفارتخانہ میں موجود اسلامی مبلغ کرائے۔ تاکہ یہ چھوٹی سی مسجد اسلام کی نشر واشاعت اور اس کی تبلیغ کا مرکز بن جائے۔

دعوت پر مامور عملہ اسی مسجد میں اسلام کے متعلق دلچسپی لینے والوں کو جمع کر سکے ان کو دین اسلام کے متعلق معلومات فراہم کریں نومسلموں کو دین وشریعت کے مبادیات سکھائیں۔ انہیں اسلامی کتب ورسائل دیں۔ وعظ ونصیحت اور درس وتدریس کے ذریعے لوگوں کو دین اسلام کے متعلق ضروری مسائل بتائیں۔ الغرض یہ سفارتخانہ ہر اعتبار سے ایک دینی واسلامی مرکز کا منظر پیش کرے۔ تاکہ اسلام کی دعوت جو ہر مسلمان اور خصوصاً خلافت اسلامیہ کا اہم فریضہ ہے وہ احسن طریقہ سے ادا ہو۔

آٹھواں باب

شعبہ افتاء یا مجلس تشریعی:

اس میں ایک فصل ہے جو تین اجزاء پر مشتمل ہے

جز (1) شعبہ افتاء یا مجلس تشریعی کی ضرورت واہمیت

کسی بھی اسلامی ملک میں ایک ایسے ادارے کا ہونا ضروری ہے جو خلافت کے دینی امور اور معاملات ومسائل قرآن وحدیث کی روشنی میں حل کرے۔ ایسے ادارے کو مجلس تشریعی یا افتاء کا شعبہ کہتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿فاسئلوا أهل الذكر ان كنتم لا تعلمون﴾ [النحل 43] (پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو) اور ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ﴿فان تنازعتم في شيء فردوه الى الله ورسوله ان كنتم تؤمنون بالله واليوم الاخر ذلك خير واحسن تاويلا﴾ [النساء 59] (پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ اللہ تعالیٰ اور رسول (ﷺ) کی طرف اگر تمہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے)

جز (2) مجلس تشریعی یا شعبہ افتاء کے ارکان:

مجلس تشریعی یا شعبہ افتاء کا عملہ پانچ ارکان پر مشتمل ہونا چاہیے جن میں سے ہر ایک عالم اسلام کے ان چند علمی شخصیات میں سے ہوں جو علم، عمل اور تفقہ فی الدین میں اعلیٰ مقام رکھتا ہو۔

جز (3) مجلس یا شعبہ افتاء کی ذمہ داریاں:

مجلس تشریعی یا شعبہ افتاء کی اہم ذمہ داریاں یہ ہے کہ خلافت کی جانب سے سپرد کئے گئے ہر مسئلہ کی قرآن وحدیث کی روشنی میں مکمل تحقیق کرکے جواز یا عدم جواز کا حکم صادر کرکے اور اس کو نافذ کرکے قابل عمل بنائے۔ جس سے کوئی بھی شخص کسی بھی صورت میں مستثنیٰ نہ ہو گا اور نہ ہی کسی کو اس نافذ

شدہ حکم کے نفاذ کو کالعدم کرنے کا حق ہے۔ خواہ وہ خلیفہ کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ مجلس تشریعی کا حکم گویا اللہ کا حکم ہے اور اللہ کا حکم کوئی بھی کالعدم نہیں کرسکتا۔ اس لئے کسی بھی حکم کے اعلان اور اس پر عمل کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ وہ مجلس تشریعی کے سپرد کیا جائے خواہ اس حکم اور مسئلہ کی نوعیت کوئی بھی ہو اور اس کا تعلق حکومت سے ہو یا عوام سے اگر اس مسئلہ کا حل اس دستور میں نہ ہو تو اس کا حکم موقوف ہوگا مجلس تشریعی کے فیصلے پر اگر مجلس تشریعی اسے جائز اور قابل عمل قرار دے تو اسے اس دستور کا حصہ بنا کر اس پر عمل ضروری قرار دیا جائے اور اگر مجلس تشریعی اسے ناجائز اور ناقابل عمل قرار دے کر رد کرے تو خلافت بھی اسے رد کر کے اس پر عمل کی اجازت نہ دے

عدالتی وتعزیراتی احکام کے اقسام

اس باب کے تحت بارہ فصلیں اور 81 دفعات ہیں

لیکن ہم نے طوالت سے بچنے کے لئے ان فصول اور 81 دفعات کو ترجمہ میں شامل نہیں کیا جس کو دیکھنا ہو تو ہماری کتاب ''الدستور الاسلامی'' جو کہ عربی میں ہے اس میں دیکھا جاسکتا ہے، البتہ قضات کی رہنمائی کے لئے چند امور کا ذکر اجمالاً بطور خلاصہ پیش خدمت ہے اور وہ یہ ہے:

یہ ایمان رکھنا کہ حاکم حقیقی صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے اس کے سوا کوئی حاکم نہیں ۔ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ان الحکم الا للّٰہ﴾ [یوسف 40] (فرمان روائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے)، دوسری جگہ فرمایا: ﴿ألا لہ الخلق و الأمر﴾ [الاعراف 54] (یاد رکھو اللہ ہی کے لئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا) قاضی کا کام تو صرف اللہ کے احکام کو بیان اور ظاہر کرنا ہے۔ جبکہ خلیفہ اور اس کے نائبین کا کام ان احکام الہیہ کو من وعن نافذ کرنا ہے جن کو قضاۃ نے اللہ کی طرف سے عطاء کردہ علم اور تفقہ فی الدین کے ذریعے بیان کیا ہے۔ اس لئے خلافت اسلامیۃ ملک کے اندر تمام امور واحوال میں احکام وقوانین کا اصل اور منبع قرآن، حدیث اور علمائے سلف کی ان تحقیقات کو بنائی گی جو قرآن وحدیث میں غور وفکر کرنے سے حاصل ہوئیں۔ یا علمائے ربانیین اور مجلس تشریعی کی فتاویٰ جات اور تحقیقات کی صورت میں موجود ہیں۔ مجلس تشریعی وہ ادارہ ہے جو ہر مسئلہ کو قرآن وحدیث کی کسوٹی پر

پرکھتی ہے جو مسئلہ قرآن وحدیث کے موافق ہو تو اسے شرعی قانون بنا دیتی ہے اور جو قرآن وحدیث کے خلاف ہو اسے ممنوع قرار دے کر پس پشت پھینک دیتی ہے۔ اب وہ قانون بنا تو درکنار انفرادی طور پر بھی کوئی اس پر عمل نہیں کرسکتا خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ اور یہی چیز اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کہلاتی ہے۔

یہ حقیقت معلوم ہو جانے کے بعد کہ اسلام ایک ایسا نظام الہی ہے جو انسانیت کی تکمیل اور اس کی دنیا وآخرت کی کامیابی کے لئے نازل کیا گیا ہے۔ سو یہ حقیقت بھی کسی سے پوشیدہ نہیں رہنی چاہئے خواہ وہ مسلمان ہوں یا ذمی کہ خلافت اسلامیۃ کی حدود میں نافذ تمام قوانین خواہ اقلیت کے لئے ہوں یا اکثریت کے لئے جانی ہوں یا مالی وہ تمام کے تمام اللہ کی طرف سے ہیں جو سب کا رب اور تمام کائنات کا مالک ہے اور جس کا حکم اور فیصلہ واجب التسلیم ہے اور یہ کہ تمام کائنات میں حکومت صرف اور صرف اسی کی ہے۔ جبکہ خلیفہ، قاضی اور مفتی حضرات کی حیثیت صرف اور صرف احکامات الہیہ کے ظاہر کرنے اور بیان کرنے والے کی ہے۔ اس بنیاد پر دستور کے اس باب میں جو عدالتی اور تعزیراتی احکام ہیں وہ تمام یا تو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں صراحت کے ساتھ موجود ہیں یا ان کو علمائے سلف اور فقہائے امت نے ان دو ذخیروں سے مستنبط کیا ہے۔ اور یہ سارے احکام وقوانین خلافت اسلامیۃ کے ہر علاقے اور ہر طبقے کے لئے ہیں۔ جن کی بنیاد پر قاضی فیصلے کیا کرینگے جو امت کے ہر طبقہ اور ہر فرد پر لاگو ہونگے۔ رئیس، مالدار اور غریب کوئی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہوگا۔ اور جو لوگ ان قوانین کو نہ ماننے اور انہیں چیلنج کریں۔ انہیں غیر مسلم تصور کیا جائیگا اور ان پر حربیوں کے احکام لاگو ہونگے۔

﴿وان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللّٰہ ورسولہ ان کنتم تؤمنون باللّٰہ والیوم الآخر ذلک خیر واحسن تاویلا﴾ [النساء 59] (پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ اللہ تعالیٰ اور رسول (ﷺ) کی طرف اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے) ﴿فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لایجدوا فی أنفسھم حرجا مما قضیت ، ویسلموا تسلیماً﴾ [النساء 65] (سو قسم ہے تیرے پروردگار کی یہ مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں پھر جو فیصلہ آپ ان میں کردیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمان برادری کے ساتھ قبول کرلیں)۔

تنبیہ

اسلام اور خلافت اسلامیۃ کے جھنڈے تلے جمع ہونے والے مسلمان کے عقیدے کی حفاظت اور امت مسلمہ کے ہر ہر فرد کی نجات عقائد صالحہ اختیار کئے بغیر ناممکن ہے چونکہ اس حقیقت سے

انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عقیدہ سلف الصالحین ہی وہ عقیدہ ہے جو اس سے قبل نبی کریم ﷺ، صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین اور دیگر علمائے سلف کا عقیدہ تھا۔ جس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ اس لئے اگر کوئی شخص یا قوم اس متفقہ عقیدہ سے انحراف کرے، جو اپنے ماننے والوں کی نجات کا ضامن ہے، اور ایسے عقائد اپنائے جو مت نئے، مرادکن اور دلوں کو پراگندہ کر کے مسلمانوں کے مابین تفرقہ پیدا کرنے والے ہوں، اور جس کے باطل اور غلط ہونے میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو تو خلافت اسلامیۃ پر لازم ہے کہ ایسے شخص یا قوم کو گمراہ تصور کرے۔ اور تین مرتبہ اسے اپنے باطل عقائد سے توبہ کرنے اور درست ومتفقہ عقیدہ اختیار کرنے کی دعوت دی جائے اگر وہ اپنے گمراہ کن عقائد سے تائب ہو کر راہ راست پر آجائے تو فبہا ورنہ اسے اپنے کئے کی بنا پر بطور سزا ملک بدر کر دیا جائے۔

اسی طرح خلافت اسلامیۃ اپنی حدود کے اندر کسی بھی شخص کو اس بات کی اجازت نہ دے کہ وہ کسی بھی حالت میں خلافت اسلامیۃ کے متفقہ عقیدے کو اپنی زبان یا قلم کے ذریعہ طعن وتشنیع کا نشانہ بنائے خواہ خفیہ طور پر ہو یا اعلانیہ بلکہ خلافت اسلامیۃ کا متفقہ عقیدہ جو کہ سلف الصالحین کا عقیدہ ہے کے بارے میں زبان یا قلم کے ذریعے لعن طعن کرنا خود اسلام پر لعن طعن تصور کیا جائے وہ اسلام جو خلافت اسلامیۃ کا قانون اور دستور حیات ہے۔

اور ایسا شخص جو اس فعل کا مرتکب ہو اسے خلافت اسلامیۃ کی حدود میں تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرنے دیا جائے بلکہ اسے نکال کر ملک بدر کیا جائے۔ اور ہر وہ شخص جو عقیدہ اسلامیۃ سے انحراف کا مرتکب ہو وہ اسی سزا کا مستحق ہے۔ اس لئے کہ جو بھی عقیدہ اسلامیۃ سے انحراف کرے وہ مسلمانوں میں سے نہیں ہے اور جو مسلمانوں میں سے نہ ہو وہ ان کے غیروں میں سے ہے۔ لہذا اسے چاہئے کہ مسلمانوں کے ملک سے نکل کر جہاں چاہے پناہ لے اور جس کے پاس جانا چاہے چلا جائے۔ مملکت اسلامیۃ میں مسلمانوں کی وحدت اور اسلام کی حفاظت کا یہی ایک عادلانہ، منصفانہ، اور ہمدردانہ طریقہ ہے۔

﴿والحمد لله رب العالمين، وصلى الله على سيدنا محمد وآله وأصحابه اجمعين، اللهم تقبل منى انك أنت السميع العليم، واجعله وسيلةً بيني وبينك يوم لا ينفع مال ولا بنون الا من أتى الله بقلب سليم﴾

نور الهدى عفى الله عنه
خادم الحديث: جامعه ربانيه، كراچی.